اختر شبلی

# سمندر اور لہریں

اختر سلیمی

کا

ایک رومانی ناول

دیپک
پبلشرز
جالندھر شہر

اشاعت .................. اوّل

ناشر .................. پرتھوی لال

پریس .......... ویر ملاپ پریس جالندھر

قیمت ..........

نقشِ اوّل
سنہ ۱۹۵۶ء

ناشران

دیپک پبلشرز۔ اندرون مائی ہیراں گیٹ
جالندھر شہر

# پیش لفظ

تاریخ اور ادب کا سرسری مطالعہ اس تلخ حقیقت کا شاہد ہے کہ ہمارے ادب میں گو ایسے اور کامیاب ناول ناپید نہیں۔ مگر اُن کی تعداد اتنی بھی نہیں کہ ہم غیر ملکی زبانوں کے مقابلے میں انہیں فخریہ پیش کر سکیں۔ اس کا باعث ادبی جمود یا موضوع کی کمیابی نہیں بلکہ ہمارے نثر نگاروں کے ذہنی تجاہل کا نتیجہ ہے۔ ہمارے ہاں ایسے ناول نویس بھی ہیں جنہوں نے اُردو زبان کو بڑے صحت مند اور تعمیری ناولوں سے نوازا۔ مگر اس کے بعد وہ اس سے مُنہ موڑ گئے۔ یا تو اُنہوں نے بالکل چپ سادھ لی۔ اور یا پھر ایسی تخلیقات میں معروف ہو گئے جن کا اوّلیں مقصد صرف کاروبار تھا۔ اس بات سے اختلاف نہیں کیا جا سکتا۔ کہ دولت ہماری ایک ضرورت ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ کہیں یہ ہماری آخری ضرورت تو بن کر نہیں رہ گئی۔

شروع شروع میں ہمارے ناولوں کا انداز بڑا الف لیلوی تھا۔ ایسے ناول وقت کاٹنے کا ایک دلچسپ ذریعہ تو بن گئے۔ لیکن ہمیں کوئی ایسا ٹھوس نظریہ نہ دے سکے۔ جس سے زندگی کی گوناگوں اُلجھنوں کا حل مل سکے۔ ہمارے ادیبوں نے اس خامی کو پوری طرح سے محسوس کیا۔ اور وقت کے تقاضوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے ایسے ناول لکھے۔ جن کا پس منظر تو تاریخی تھا مگر اُن میں ایسے اصلاحی پہلوؤں پر روشنی ڈالی

گئی تھی۔ جو اُس دور کی معاشرتی بہبودی کیلئے بہت سود مند [illegible] ساتھ خوش آئند اور پُراثر [illegible] آہستہ آہستہ ہمارے ادیبوں نے اپنے گردو پیش کا جائزہ لینا شروع کیا۔ فضاؤں کی چھان بین کی اور زندگی کے حقیقی مطالعے سے اخذ شدہ نتائج کا نفسیاتی تجزیہ کرکے ایک انوکھے انداز سے لکھنا شروع کیا۔ یہ دَور اردو ناول کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ در اصل یہی وہ دور ہے جس سے ہمارے موجودہ ناولوں کی تکنیک کی داغ بیل پڑتی ہے۔ غیر ملکی زبانوں کے کامیاب ناولوں کے تراجم بھی اس سلسلہ میں بڑے معاون ثابت ہوئے۔ اور اس طرح اردو ادب میں ایسے موضوعات کا ذکر بھی آنے لگا۔ جو پہلے ہمارے فنکاروں کے ذہن میں موجود تو تھے۔ مگر اچھے اور صالح طریقے سے صفحۂ قرطاس پر نہیں آ سکتے تھے۔ لکھنے والوں کا یہ کاروان ترقی کے مدارج طے کرتا ہوا ناول کی [illegible] کو بڑی روشن منزل پر لے آیا۔ اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ اردو زبان میں ہر موضوع پر کامیاب ترین ناول موجود ہیں۔

یہاں پر یہ کہنا دور از کار نہیں ہو گا۔ کہ اردو ادب میں ایک ایسا دور بھی آیا۔ جب ادب کو پراپیگنڈہ کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ یہ دور بڑا آزمائشی تھا۔ شکر ہے کہ ہمارے فنکاروں نے ادب میں نعرہ بازی اور گروہ بندی کے اس خطرناک رجحان کو جلد ہی محسوس کر لیا۔ ادب اور صحافت کا آپس میں بہت میل ہے یہ دونوں اپنی اپنی جگہ عظیم ہیں۔ دونوں معاشرے کی اصلاحی اقدار کی علمبردار ہیں۔

وہ ... ہنس کبھی ادب پارہ نہیں ہو سکتی۔

موجودہ دور میں ادب اور صحافت میں نوجوان طبقے نے جس طرح سے دلچسپی لینی شروع کی ہے اس کے نتائج بڑے حوصلہ افزا ہیں۔ اور انہی نوجوانوں میں اختر سلیمی کا نام بھی نمایاں ہے۔ اس سے پیشتر سلیمی "چاندنی اور زنجیریں" عوام کی خدمت میں پیش کر کے مبارکباد حاصل کر چکے ہیں۔ اور اب ایک مدت کے بعد ہم ان کی دوسری تخلیق "سمندر اور لہریں" کو پیش کرنے کا فخر حاصل کر رہے ہیں، جسے انہوں نے حادثات سے دوچار ہو کر، واقعات میں بس کر اور زندگی کے نشیب و فراز سے ہمکنار ہونے کے بعد اس دلکش اور پیارے انداز میں تحریر کیا ہے۔ کہ بیساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے:

گو اس ناول کے تمام کردار دوسرے عام ناولوں کی طرح فرضی اور تخیل کی پیداوار ہیں۔ اس کے واقعات تصور کی تخلیق ہیں، اور اس کا پس منظر خیالوں کی آرائش سے زیادہ اور کچھ نہیں لیکن اس کے پڑھتے وقت یوں محسوس ہوتا ہے۔ کہ اس کے کردار فرضی اور تخیل کی پیداوار نہیں مگر سلیمی نہایت خوبی سے ہم جیتے جاگتے انسانوں کے کردار بیان کر گئے ہیں۔ اس کے واقعات تصور کی تخلیق نہیں بلکہ وہ ایک ماہر فنکار کی طرح ہماری زندگی کے واقعات کو پیش کر گئے ہیں۔ اور اس کا پس منظر خیالوں کی آرائش بلکہ اس کا تعلق حقیقت سے اسی قدر ہے جسقدر کہ ہم جیتے جاگتے انسانوں کا تعلق زندگی سے ہے —— اور یہ ایک ایسی خوبی

ہے ۔ جو بہت کم ناولوں میں پائی جاتی ہے ۔ اور جس کو پڑھنے کے بعد انسان سوچنے لگتا ہے ۔ کہ ـــــــ کیا ایسا ممکن ہے ؟

اختر سلیمی کے اس ناول میں معنوی بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ اُنہوں نے جہاں بھی کوئی بات کہی ہے ۔ نہایت سیدھے سادے طریقہ میں کہی ہے ۔ مگر انداز ایسا ہے کہ وہ بات میں بات پیدا کر گئے ہیں ـــــــ اُنہوں نے چاند تاروں پر کمندیں نہیں ڈالیں ، اُنہوں نے طلسم آمیز باتیں نہیں کیں ، اُنہوں نے الف لیلوی انداز اختیار نہیں کیا ـــــــ بلکہ ـــــــ سب کچھ ایک حقیقت کی صورت میں ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے ۔ اُنہوں نے اِس ناول کے ہر کردار کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا ہے ۔ اور ناول کے آخر تک اُن کا یہی طرزِ عمل رہا ہے ۔ جس کے مطالعہ کے بعد یہ خیال ہمارے احساسات کو ـــــــ ہمارے جذبات ـــــــ اور ہمارے ذہن کو ایک گہری چوٹ دیتا ہے کہ ـــــــ کیا آج کل کا انسان بھی انصاف پسند ہے ؟

عورت ؟

ایک معمّا ہے!

ایسا معمّا جس کا کوئی حل بھی صحیح نہیں ہوتا!!

یہ نتیجہ میں نے بڑی جانسوزی سے اخذ کیا ہے۔ عورت کو جنّت بھی کہا گیا ہے اور جہنّم بھی ہے۔ موجِ نسیم بھی پکارا گیا اور بادِ صرصر بھی۔ میرے نزدیک یہ سب کچھ غلط ہے۔

عورت" صرف ایک معمّہ ہے ایسا مخفی چیستان معمّا ہے جس کا کوئی حل بھی صحیح نہیں ہوتا۔ خود صاحبِ معمّہ کے پاس بھی اس کا حل غلط ہی ہوگا۔ یوں صاحبِ معمّا کی خوشی ہے جسے چاہے انعام دے دے۔ چاہے تو خود ہی رکھ لے۔

معمّا بھی ایک ایسا ہی معمّا ہے جس کا کوئی بھی حل صحیح نہیں۔ خود میرے اپنے پاس بھی اس کا صحیح حل موجود نہیں۔ جو ہیں وہ پرکھنے پر کسی نہ کسی طرح غلط ثابت ہو جاتے ہیں۔ اس لیے پہلا انعام میں کسی حل پر بھی حاصل نہ کر سکا۔ زندگی اکارت گئی۔ ایک ہی معمّا حل کرنے کی کوشش کی۔ اور ہار ہار گیا۔ مگر ہر بار نتیجہ صفر ہی نکلا۔ سنا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی قسمت ایک تختی پر لکھ کر اس کے گلے میں لٹکا رکھی ہے۔ جو انسان کو نظر نہیں آتی۔ میں اسے حرفِ غلط کی طرح مٹا دینا چاہتا تھا۔ کیسے؟ میں سوچ سوچ کر تھک گیا بلکہ پاگل پن کی حدود سے بھی تجاوز کر گیا۔ خواہ مخواہ کا دردِ سر مول لے لیا۔ "یہ افلاطونی حروف کبھی نہ مٹ سکیں گے" میں نے جھنجلا کر سوچا تو ولایت کے آنسو گالوں پر اٹک گئے جیسے تختی پر لکھے ہوئے یہ چٹان کی طرح کے اٹل حروف۔ سامنے چہلیں کر رہے تھے۔ ہماری بے بسی پر ایک دوسرے کو مضحکہ خیز اشارے کر رہے تھے میرا جی چاہتا تھا ان کو نوچ کر ولایت کے پاؤں میں ڈھیر کر دوں۔ فلک کے پردے چیر چیر کر دوں۔ میری حالت اس شخص کی سی تھی جسے میں نے ایک دفعہ بین کرتے دیکھا تھا۔ اس کا بیٹا دیوار سے گر کر فوت ہو گیا تھا۔ جب اچانک یہ سانحہ اس پر گزرا تو وہ پاگلوں کی طرح چیخ اٹھا۔ جان

ہے وہ رب جس نے میرے پھول کو مسل ڈالا۔ میں اُس کی بوٹی بوٹی کر دوں گا۔ اُس کی زمین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔ اُس کے آسمان کے پرخچے اُڑا دوں گا۔" اُس کی بہن نے بہتیرا سمجھایا کہ وہ بڑا "غفور و رحیم ہے اُس نے اُسے اپنی جنت میں بُلا لیا ہے اُس کی چیز تھی لے گیا لیکن وہ جواب دیتا "ہوُں جنت میں بُلا لیا ہے بڑا رحیم و کریم آیا اُس سے تو ہم ہزار درجے بہتر ہیں۔ ہم کسی کو چیز دیکر واپس نہیں لیتے اور اُس نے ہمیں ایک ہی چیز دی وہ بھی ہاتھ پر ہاتھ مار کر لے گیا۔"
اسی طرح وہ کتنے ہی دن چیختا رہا تھا آخر اُس نے کھمبے سے سر مار کر اپنا سر پھوڑ لیا۔ میں بھی اُسی طرح اپنا سر پھوڑ دینا چاہتا تھا۔ میں بھی بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ بہت کچھ کرنا چاہتا تھا۔ کہہ تو سکتا تھا کرنا محال تھا۔ زیادہ سوچنے کی وجہ سے دماغ ماؤف ہو گیا جسم کی تمام طاقتیں شل ہو گئی تھیں۔ فیصلہ بدلتا نظر آ رہا تھا۔
"کیا سوچ رہے ہیں آپ؟
"سوچ رہا ہوں ہم بالکل غلط کرتے رہے ہیں۔ ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا ایسا نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ اب کیا ہو گا؟ اب ہم کیا کر سکتے ہیں؟ اب؟ اب؟؟
کہو تو میں کہیں چلا جاؤں۔ چلا جاؤں؟"
"ہاں" اس نے سر ہلا دیا
"بہت اچھا۔ میں بہت جلد چلا جاؤں گا۔ اور پھر کبھی لوٹ کر نہ آؤں گا"
اُس نے اپنے ڈھلکتے ہوئے آنسوؤں کو دوپٹے کے پلو سے پونچھ ڈالا

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کبھی اپنا گھر بھی کسی نے چھوڑا ہے؟ کبھی اپنا گھر بھی کسی سے چھوٹا ہے؟"

"جان تمہارے لئے سب کچھ ہوگا۔ میں بہت جلد چلا جاؤں گا"

اور پھر میری ہچکی بندھ گئی۔ سامنے چٹان ایسی سخت اور سپاٹ زندگی نظر آرہی تھی۔ میں نے آنسو پونچھ ڈالے۔ اپنے بھی اور اُس کے بھی۔

"یہ آنسو زمانے کے تُند ریلوں کو نہ روک سکیں گے جان ساں کی عنان تھام لو۔ یہ موتی تو عہدِ وصال کی مقدس یادگار ہیں۔ تمہاری آنکھیں بھی سُرخ ہو رہی ہیں۔ رونے سے تمہاری آنکھیں سُرخ ہو جایا کرتی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ شب یہ آتش کی ناگن، سحر ہوتے ہی تمہیں بھی اور مجھے بھی ڈس جائے۔ تمہاری آنکھ کے نیچے اُس سُرخی کو چھپا نہ سکیں گے اور ہماری طویل مدت سے رات نے دبیز اندھیرے تلے دبی ہوئی ملاقاتیں، یہ چنگاریاں اس سُرخی میں اُبھر آئیں گی جان ان کو روک لو سحر ہونے والی ہے"

"سحر ہونے والی ہے یا لمبی اور کالی رات آنے والی ہے؟ آپ کیا جانیں یہ پہاڑ ایسا دن کس طرح کٹتا ہے۔ سارا دن پاگلوں کی طرح کبھی اس کھڑکی میں کبھی اس کھڑکی میں جا کر آپ کی راہ دیکھا کرتی ہوں۔ جب بھی آپ نظر نہیں آتے اور آنکھیں تھک جاتی ہیں تو سیڑھیوں میں جا کھڑی ہوتی ہوں۔ شاید میرا چاند ادھر سے ہی آجائے۔ لیکن میرا چاند کہیں نظر نہیں آتا۔ بڑا دل جلتا ہے جی چاہتا ہے زور زور سے

اُونچی اُونچی بین شروع کر دُوں۔ پھر کوٹھے پر چڑھ جاتی ہوں۔ ننگے پاؤں۔ شدت کی گرمی ہوتی ہے۔ چلچلاتی دھوپ میں سر جلنے لگتا ہے۔ پاؤں میں آبلے پڑ جاتے ہیں۔ دیکھ لیجئے اب بھی آبلے موجود ہیں آپانے کئی دفعہ منع کیا ہے اُوپر نہ جایا کرو مگر میں رہ نہیں سکتی۔ اور آپ ہیں جانے کیا الا بلا پڑھتے رہتے ہیں۔ اُوپر دیکھتے ہی نہیں سچ بہت ستاتے ہیں آپ۔

"تاب نظارہ کیسے ہے جان۔ میرا خورشید جب چھت پر آتا ہے تو سورج آنکھ مُوند لیتا ہے۔ اللہ نے جلوہ دکھایا تھا تو کوہ طور جل گیا تھا تمہاری نگاہ اُٹھی تو میں راکھ ہو گیا"

اُس نے میرے گال پر چُٹکی بھری، "آج دوپہر کیوں ہنس رہے تھے؟"

یاد نہیں۔ کوئی ایسی ہی بات کتاب میں لکھی ہوگی۔ یہ انگریز مصنف بڑا سُلجھا ہوا مزاح پیدا کرتے ہیں۔ اپنے ادیب لوگ تو اس معاملہ میں نرے گھامڑ ہیں۔ ایک دن میں فلسفے کی ایک کتاب پڑھ رہا تھا لکھا تھا"

"چھلکا اُترا آلو" سچ کہتی ہوں جب آپ فلسفے کا نام لیتے ہیں تو میرے ذہن میں ایسا آلو آجاتا ہے جس کو اُبال کر چھلکا اُتار لیا گیا ہو۔ کئی مرتبہ کہہ چکی ہوں میرے سامنے فلسفہ منطق نہ چھانٹا کیجئے۔ میرے پلے کبھی کچھ نہیں پڑا۔ پڑھ پڑھ کر اپنا دماغ تو خراب کر ہی رہے ہیں ساتھ میرا بھی ستیاناس کر دینا چاہتے ہیں۔ اُف۔ اس قدر ظالم نظریں۔ بابا ان کے ستم ہم سے نہیں سہے جاتے۔ سنبھالئے ان کی لگام"

"ہاں بھئی ٹھیک ہے فلسفہ منطق بالکل بکواس ہوتی ہے۔ اصل میں سیکھنے کی بات
تو یہ ہے کہ تنور کی روٹی اور لسی کا گڑوا سر پر رکھے کس طرح مٹک مٹک کر اپنے
گبھرو کے پاس جانا چاہیئے۔ اپنا مستقبل جو یہی ہوا''

"آپ کی باجو نے بھی ایک دفعہ یہی کہا تھا۔ تفریح کا وقت تھا میں ذرا پرے کھڑی
تھی عطیہ سے کہنے لگی "پڑھ لے جتنا جی چاہے جانا تو جاٹوں کے گھر ہی ہے۔ وہی
اُپلے وہی گڑوا اور چولہے کی پھونکیں ہونگا'' ملتے ہیں تو کبھی بھی ایسوں سے
بیاہ نہ کروں''

"تمہارا چاچا بھی کرے گا" میں نے اس کی ناک مروڑ دی

"وہ تو کر بیٹھے" وہ ہنسنے لگی

"ولایت کہتے ہیں جاٹوں اور ارائیوں میں کچھ فرق ہوتا ہے۔ مجھے اس فرق کا آج
تک پتہ نہیں چل سکا۔ سچ جھوٹ نہیں کہہ رہا۔
تمہیں پتہ ہو تو بتا دو؟"

"مجھے خود نہیں پتہ"

"اور یہ جو ساتھ ہی ساتھ دانت نکالتی جا رہی ہو" میں نے ہلکی سی چپت رسید
کر دی۔ "ویسے ہیں بڑے خوبصورت یہ جو آگے دو ہیں نا۔ دل میں ہی اُتر جاتے
ہیں۔ ان کو دیکھتے ہی بے طرح جی چاہنے لگتا ہے کہ ہونٹوں پہ بوسے کر دیتا
، خوستار ہوں''

"نکلوا دوں گی ان کو"

"کیوں؟" مجھے اچھے لگتے ہیں نا اس لئے؟ سچ ان ہی کی وجہ سے جب تم ہنستی ہو تو ایسے لگتا ہے جیسے چاند کھلکھلا کر ہنس پڑا ہو۔ تمہیں کیا جانو ان میں بجلی کے کتنے کوندے بھرے پڑے ہیں۔ کاش یہ کم بخت اسی طرح لپکتے رہیں۔ جان! اچھی جان!! اب آ بھی جاؤ۔ زیادہ عشوہ طرازیاں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔ اب ہم بوڑھے ہو چکے۔ اب ان باتوں سے کیا حاصل۔ دیکھو ناک مروڑوں گا۔ ہو جاؤ سیدھی"

"پھر چھیڑ سوجھی؟"

"سوجھی؟ سوجھی کی بھی اچھی کہی۔ اپنی تو محبت کی تاریخ میں یہ پہلی رات ہے کہ غم دوراں کے سبب ابھی تک چُپ بیٹھے رہے ورنہ اب تک کتنی ہی بار پروانہ رگڑ کھا ہوتا ہے اور شمع بجھ جایا کرتی ہے۔ نہیں؟"

"ہنوں" اُس نے سر ہلا دیا اور آہستہ سے بولی "چیپ کوئی اٹھا ہے۔ میں دیکھ کر ابھی آتی ہوں"

"نہ جاؤ"

"میں ابھی آ جاؤں گی"

"جانے میں کیوں محسوس کرنے لگتا ہوں کہ تم پھر کبھی نہ آؤ گی۔ سچ سچ بتاؤ آ جاؤ گی نا؟ خدا کے لئے سچ سچ بتا دو؟"

"میں جانتی ہی نہیں۔ کبھی کبھی پتہ نہیں آپکو کیا ہو جاتا ہے ۔ اس طرح کی باتیں نہ سوچا کیجئے"

اُس نے ہونٹ میرے گال پر رکھ کر جلدی سے الگ کر لئے اور بازو گلے میں ڈال دیئے۔

"یہ تمہاری گداز باہوں کا سفید ہار میرا ہی ہے نا؟ کیا میں اسے ہمیشہ پہن سکوں گا؟"

"ہاں ۔ ضرور"

"اگر کسی اور کو پہنا دیا تو؟"

"نہیں پہناؤں گی"

"آج چارپائی سے ناراض ہو یا مجھ سے؟"

"یہ ٹھنڈا ٹھنڈا فرش بڑا اچھا لگتا ہے"

"بتی بجھا دو"

"کیوں؟"

"اندھیرا ہی ہمیں پناہ دے سکتا ہے" بتی بجھ گئی اور اندھیرے نے ہمیں پناہ دے دی

"ہائے"

"جان"

"خدا کے واسطے بس"

"جان"

"دیکھئے ہاتھ جوڑ رہی ہوں"

"یہ تو تمہارا معمول ہے"

"بڑے ظالم ہیں آپ"

"دن کو ہماری جان ہم پر ظلم کرتی ہے اور رات کو ہم پیاس بجھا لیتے ہیں ابھی پوری طرح بجھتی نہیں کہ دن منہ میں آگ لئے ہماری طرف بڑھ آتا ہے۔ تم کیا جانو کتنے چلے کاٹنے کے بعد سورج ڈھلتا ہے۔ بڑی پیاری ہیں یہ آنکھیں۔ کاش ہمیشہ رات ہی رہے" اُس نے میرا گال زور سے کھینچا

"پتہ نہیں آپ میں کیا ہو رہا ہے۔ چھوڑیئے بھی۔ آپ کی قسم میں "بس" ہو گئی ہوں۔ یہ دیکھئے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ آپ کو ذرا ترس نہیں آتا"

"اپنی جان پر ترس نہ آئے۔ اس جان پر ہماری سو جانیں قربان"

"ہائے اللہ"

"لو بس؟ اتنی سی تو بات تھی یونہی گھبرا جاتی ہو"

"سخت پیاس لگ رہی ہے"

"ویسے میرے بھی ہونٹ سوکھ رہے ہیں"

"پانی لا دوں؟"

"نہیں"

"کیوں؟"

"صبح ہو چکی ہے چل کے پی لوں گا"

"تو جایئے آپ"

کیوں؟

"آج تو بالکل دن چڑھ آیا ہے۔ آذان ہو رہی ہے"

"میں نہیں جاؤں گا۔ میرا جی نہیں چاہتا۔ اگر تمہاری جاٹ برادری آ گئی تو ان کے سامنے سینہ تان کر کھڑی ہو جاؤ گی نا؟"

"ہاں۔ پر اب تو جایئے نا کتنا دن چڑھ آیا ہے"

"آج نہیں جاؤں گا" میں ٹانگیں پسار کر ننگے فرش پر لیٹ گیا

"بڑا ستاتے ہیں آپ"

"اور تم کم ستاتی ہو؟ کبھی اپنی طرف بھی دیکھ لیا کرو۔ وعدہ کرو کل جلدی آؤ گی۔ آدھی رات تک پتہ نہیں کیا کرتی رہتی ہو۔ ہاں اور اب سونا نہیں۔ نیند آ گئی تو پھر شام تک آنکھ نہیں کھلے گی۔ جان؟ اس طرح کب تک کام چلے گا؟ یہ باتیں چھپا نہیں کرتیں"

"جلدی کیجئے۔ اس وقت گلی میں کوئی بھی نہیں۔ کہیں کوئی آ نہ جائے"

جی نہیں چاہتا کہ جاؤں اور تم ہو کہ زبردستی دھکیل رہی ہو۔ کل جلد آنا ہٹوں؟ ورنہ دو چپتیں جرمانہ ہو جائے گا"

اُس کے ہاتھ اور پیشانی کو بوسہ دیتے ہوئے میں جلدی سے برآمدے کی چق اٹھا کر گلی میں کود گیا۔ ہمارے صحن کا دروازہ کھلا ہی تھا۔ چارپائی میری راہ تکتے اُونگھنے لگی تھی۔ اس اُونگھتی ہوئی چارپائی پر پڑتے ہی میری آنکھ ایسی لگی کہ جب میں دوپہر کے گیارہ بجے اُٹھا تو پیاس کی وجہ سے ہونٹ بے حد سوکھے ہوئے تھے انتڑیاں قل ہو اللہ پڑھ رہی تھیں۔ میں سوچنے لگا کہ اگر اللہ کی مرضی شامل حال ہو جائے تو یہ دیرینہ سوچ، اچانک پشیمانی چٹکیوں میں ختم ہو سکتی ہے۔ یہ ہونٹوں کی خشکی دس گننے سے پہلے دُور ہو سکتی ہے۔ ارائیوں کے گھر جاٹوں کی لڑکی ........"
وحدت تیرے کی۔ تت۔ تت۔ تت باہر کوئی جوڑی ہل لئے کنوئیں پر جا رہا تھا یا آ رہا ہوگا۔ مگر یہ تو نہ جانے کا وقت تھا نہ آنے کا۔ جھٹ ترامی کہاں سے آ ٹپکا تھا یا شاید محض طلسمِ خیال ہو۔ میں نے خواہ مخواہ محسوس کیا کہ مجھے کسی نے جھڑک دیا ہے "وحدت تیرے کی۔ تو کیسی واہیات باتیں سوچتا ہے۔ بھلا اللہ نے کبھی ایسا کیا ہے جو اب کرے گا۔ میں سوچتا رہا اور اپنے آپ کو کہتا رہا ہوں۔ تو اللہ کا چاچا لگتا ہے نا؟ اللہ کا چاچا ہوتا تو وہ بھی ایسا نہ کر سکتا۔ یہ تو صرف ولایت کا چاچا ہی کر سکتا تھا۔ ولایت کا چاچا جاٹ ہے اور میں ارائیں۔ جاٹ ارائیوں کے گھر لڑکی بھیج کر اپنے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگوا لیں؟ وحدت تیرے کی۔ وحدت۔ تت۔ تت۔ تت۔ آواز دُور چلی گئی۔
میری محبت کی گرمی نے سورج کی ٹکیہ کو پگھلا کر بہا دیا۔ کبھی نہ ختم ہونے والا دن

دم توڑتا دکھائی دیا۔ شام نے اپنی سیاہ زلفیں بکھیر دیں۔ ان زلفوں میں ایک عجیب کشش، دھیمی دھیمی خوشبو دل کو موہ لینے والی جاذبیت کو بھی اور گدگدی سی پیدا کر دینے والی مسرتیں آسمان پر ستاروں کی شکل میں ناچ رہی تھیں۔ مگر یہ ناچ لمبا ہوتا گیا اور مسرتیں سکڑ کر میرا منہ چڑانے لگیں۔ دل ڈوبنے لگا۔ تخیل میں عجیب و غریب ڈراؤنی شکلیں اُبھرنے لگیں۔ "ولایت ابھی تک کیوں نہیں آئی؟ کیوں نہیں آئی؟ کیا اب وہ کبھی نہیں آئے گی؟" "بکواس بند کرو اس طرح کی باتیں مت سوچا کرو" یہ میرے دل کی آواز تھی۔ میں پھر بھی اُسی طرح کی باتیں سوچتا رہا۔ صبح ہو گئی آسمان پر آخری ٹمٹماتا ہوا ستارہ بھی میری خوشی اُمید کی طرح بجھ گیا۔ ولایت کتنی قریب تھی اور کس قدر دُور تھی۔

دن! جو منہ میں آگ دبائے میری طرف بڑھا آ رہا تھا۔ بڑا کمینہ ہے یہ پاپی رذیل کتنا۔ میری ولایت کو جانے کن کھنڈروں میں دھکیل دیتا ہے۔ کبھی نہ ختم ہونے والا دن پھر آ وارد ہوا تھا میری ولایت جانے رات کیوں نہ آ سکی تھی۔ اور اب جب تک یہ سر سے نہ ٹلے گا ولایت نہیں آئے گی یہ بڑا ڈھیٹ ہے۔ صدیاں بیت جاتی ہیں پھر کہیں جا کر سکھ کے چند لمحے میسر آتے ہیں۔ کاش رات بھی اتنی ہی لمبی ہوتی۔ اللہ جاٹوں کی لڑکی ارائیوں کے گھر نہ لا سکتا ہو گا۔ مگر رات تو لمبی کر سکتا تھا؟ وہ رات لمبی کیوں نہیں کر دیتا "زیادہ جذباتی نہ ہو جایا کرو چلو تمہیں گھما لاؤں"۔ اور میں اپنے آپ کو گھمانے چلا گیا۔ اپنی پُرانی محفل میں جہاں پہلے بھی

دن کٹا کرتے تھے۔ محفل بد ستور جمی ہوئی تھی۔ اس کی روایات بھی وہی تھیں۔ چند ادیب چند شاعر، ایکٹر، کیمرہ مین، متعدد یہ محفل اسی قسم کے دوسرے محکموں کے نمائندوں پر مشتمل تھی۔ صبح سات سے لے کر رات کے دو بجے تک قائم رہتی۔ کچھ لوگ ان میں سے چلے جاتے اُن کی جگہ نئے آجاتے۔ لوگ آتے جاتے رہتے مگر محفل اُکھڑنے نہ پاتی تھی۔ آخر جب ہوٹل والے نے دروازہ بند کرنا ہوتا تو وہ ان کے قریب آکر صرف ہنس دیتا۔ یہ سب لوگ اگر موڈ ٹھیک ہو تو ویران سڑکوں پر گھومنا شروع کر دیتے یا پھر اپنے اپنے آشیانوں میں جاکر کروٹیں بدلتے۔ ان میں سونے والے لوگ شاید ہی ہوں کیونکہ سب بے فکرے ہونے کے باوجود تنہائی میں بڑا فکر کرتے تھے۔ جس ادیب کو پبلشر سے کئی سالوں کی محنت شاقہ کی اُجرت ملی ہوتی وہ بھی ایک رات بھی سکھ کی نیند نہ سو سکتا۔ اُس سے ڈیڑھ گنا بل تو ہوٹل والے ہی کا بن چکا ہوتا اور دھوبی حجام چمار سب باقی بچ رہتے۔ مگر یہ بے فکرے اُس وقت ایک عدد گولڈ فلیک یا بلیک اینڈ وائٹ کا ایک ٹن ضرور منگوا لیتے تھے۔ "بالکل فریش ہے" "بڑی اچھی خوشبو ہے۔ واہ" "ذائقہ بڑا اچھا ہے" سگریٹ کا ٹن دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہو جاتا جب کسی ایکٹر کو رول نہ ملتا تو پوچھتا "بیٹر کون کون پیئے گا؟" "جس کی ماں یتیم ہو باپ یتیم ہو اور خود بھی یتیم ہو" ایسے جواب پر ایک زور کا قہقہہ لگتا۔ ہال میں بیٹھے ہوئے تمام لوگ ان کی طرف گردنیں موڑ کر اس بے ہنگم قہقہے کے متعلق سوچ ہی رہے ہوتے کہ وہ ایک اور خواہ مخواہ کا قہقہہ بلند کر دیتے۔

بیئرا میں وِسکی بھی ہونا چاہیئے" "اس کے لئے تو بڑا سخت حکم ہے" اس کے لئے نہیں فائیٹوں کے لئے ہے۔ تم کب تک گدھے بنے رہو گے؟" "جب تک میرا بڑا بھائی گدھا رہے گا۔"
پھر یونہی فلک شگاف قہقہہ بلند ہو جاتا۔ لوگ دوبارہ ان کی طرف گردنیں پھیرنے پر مجبور ہو جاتے۔ اس طرح بہت سے فکر مند مل کر فکر کو قہقہوں سے اڑا دیتے۔
لوگ ان کی طرف دیکھ کر رشک سے بلبلا اُٹھتے" کتنے خوش قسمت ہیں یہ لوگ۔ بے فکرے۔ نہ کام نہ کاج۔ ہوٹلوں میں بیٹھے رہتے ہیں۔ مُوڈ ہو تو گھنٹہ دو گھنٹہ کام کر لیا۔ ہزاروں کما لئے اور پھر آرام سے گھدتے رہے" اس کے بعد کیبن میں وسکی ملی بیئر، چائے دانیوں میں آجاتی۔ یہ دَور ابھی چل ہی رہا ہوتا تو کوئی منچلا ادھر اُدھر دیکھ کر کہتا" یہاں آس پاس سی۔ آئی۔ ڈی تو نہیں؟" "کیوں؟" رات بڑا عجیب واقعہ پیش آیا یار۔ ہمارے وزیر اعظم ہیں نا؟ ان کی کار لڑکھڑاتی ہوئی سڑک پر ٹیڑھی میڑھی لکیریں چھوڑتی بھاگی جا رہی تھی۔ اسکے پیچھے اندھا دھند وزیراعظم بھاگ رہے تھے۔ کار کو اس حالت میں دیکھ کر پہلے تو میں سمجھا ڈرائیور کو نیند نے آ دبوچا ہے۔ جب تحقیق کی تو معاملہ برعکس نکلا۔ پتہ کیا ہوا تھا؟ وزیراعظم کام کی زیادتی کی وجہ سے جلدی میں پیٹرول خود پی گئے اور شراب کی بوتل کار میں انڈھیل دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کار کو ہوش نہ رہا اور وزیراعظم تیز تر بھاگنے لگے۔" "اچھا" ایک صحافی نے چونک کر کہا" میں ابھی دفتر میں فون کرتا ہوں۔ کل کو یہ خبر چھ کالمی سُرخی کے ساتھ پہلے ہی صفحے پر آئے گی۔ کیوں

سا تھیوکیا خیال ہے ؟" ساتھی پہلے ہی اُس کا منہ تک رہے تھے۔ اُس نے ان کو
صُم" بکم" دیکھا تو اپنی بات کا جائزہ لینے لگا۔ صاحب ممتانے بالکل سنجیدگی اختیار
کرلی تھی۔ ایک مشہور شاعر ذرا سا مسکرائے ہی تھے، صحافی نے اپنے اڑتے ہوئے
رنگ کو چھپاتے ہوئے ایک مدک شگاف قہقہہ بلند کر دیا۔ گُڈ۔ گُڈ۔ ویری نائیس
"بالکل بکواس ہے۔ بات بنی ہی نہیں۔ میں آپ کو ایک لطیفہ سُناتا ہوں"
"لطیفہ بعد میں ہوگا پہلے چائے آنا چاہیئے" کچھ نئے ادیب آ ڈٹے تھے اور وہ
اپنی گرم اختلاطی کا مظاہرہ یوں کر رہے تھے "چندہ نکالو" ایک اکنی۔ دونی۔
دو پیسے۔ چھ آنے۔ تین اکنیاں۔ بس ؟ بھئی اور نکالو ابھی تو کتنی ہی کمی ہے"
یہ کمی ان ایام کے سماجن میں ادبا شعرا اور ایکٹروں کو پیسے ملتے ہیں اس طور پر
پوری کی جاتی۔ یہ سب لوگ اس لحاظ سے بڑے شریف ہوتے ہیں۔ جو بھی کسی کے پاس
ہو میز پر ڈھیر ہو جاتا ہے، نہ ہو تو کسی کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ یوں
موڈ ہو تو پیسے جُراب میں بھی چلے جاتے ہیں، سگریٹ چھپا لیتے ہیں۔ وہ لگانے والے
بھی کم نہیں ہوتے۔ ویسے یہ پیسے اُس وقت خود بخود نکل آتے ہیں جب بل کی رقم
میں کمی واقع ہو جائے۔ صبح سے شام تک اکنیاں جمع کی جاتی ہیں اور رات کے
دو بجے تک تقریباً بیس سے تیس پیالیاں نکسانی آدمی چائے ادھ کافی پی جاتا
ہے۔ جس وقت اکنیوں کا ماحول نہ ہو تو شان فرعونیت کے ساتھ بل پر دستخط
کر کے بل کاؤنٹر پر بھیج دیا جاتا ہے اور بیرے کو کہہ دیا جاتا ہے بھئی ہماری

دوستی چلتی رہی۔

چلئے آگئی تھی لطیفہ شروع تھا دو دوست تھے۔ تھے بھی لنگوٹئے یار۔ ایک کا بیاہ تھا۔ بے کاری کا زمانہ تھا۔ اس لئے وہ نیا تہبند نہ خرید سکا۔ اُس کے دوست کے پاس دو تہبند تھے۔ دونوں نے ایک باندھ لیا۔ برات لڑکی والوں کے گھر پہنچ گئی۔ ایک صاحب دولہا کے دوست کے پاس آکر پوچھنے لگے "بھئی دولہا کہاں ہے؟" "میاں جی دولہا تو وہ بیٹھا ہے مگر تہبند میرا ہے" اُس کے دوست نے بھی یہ فقرہ سُن لیا۔ اُس شخص کے جانے کے بعد کہنے لگا "عجیب احمق ہو بھری محفل میں بے عزتی کردی" "اچھا! اب سہی" ایک صاحب اور آئے انہوں نے بھی وہی سوال کیا۔ اُس نے کہا "دولہا صاحب وہ بیٹھے ہیں اور تہبند بھی اُن ہی کا ہے" دولہا میاں سر پیٹتے آگئے۔ بڑے احمق ہو یہ کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ خواہ مخواہ بے عزتی کرادی" "اچھا اب کے سہی" "نا بابا اب کسی کو کچھ نہ کہنا" اس جھگڑے کو فوراً بعد ہی ایک بزرگ پھر آ ٹپکے اور وہی سوال کیا۔ وہ صاحب کہنے لگے "بابا جی دولہا وہ بیٹھا ہے اور تہبند نہ میرا ہے نہ اُس کا ہے" ہا ہا ہا۔ ہا ہا ہا قہقہوں پر قہقہے شروع ہوگئے۔ حال میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے سمجھا شاید اندر پاگل آگھسے ہیں۔

اُسی لمحہ ایک مشہور ادیب شراب میں دھت اندر داخل ہوا اور ایک مشہور شاعر کو موٹی موٹی گالیاں سُناتا ہمارے پاس آگیا۔ اُس کا بازو پکڑ کر کہنے لگا "اوئے تُوں کدھر دا شاعر ایں" شاعر صاحب جمنا داس کے رہنے والے تھے۔ بچارے

شریف آدمی نے ہاتھ جوڑ دیئے بابا میرے کچھ دوست بیٹھے ہیں ان ہی کا خیال کرو"
سبھوں نے ہی منتیں کیں۔ وہ بذلہ سنجی میں مشہور تھا۔ کسی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے
اڑا رہا۔ آج وہ اپنا سارا غصہ اس پر نکالنا چاہتا تھا کیونکہ اس شاعر نے اُس
ادیب کیلئے کوئی مداحیہ شعر نہ کہا تھا۔ جب دوسرے اتنے اچھے اچھے شعراء نے اس
کی مدح کی تھی تو اُسے اُس کے لئے شعر کہے بغیر زندہ رہنے کا کیا حق تھا ؟
ادیب صاحب کو دو ہی گئے آئے افسانہ گو کہیں کہ ... بھرے گئے اور تانگے میں بیٹھا کر
گھر چھوڑ آئے۔ مگر محفل کا رنگ پھیکا سا نہ جم سکا۔ اس لئے میں آج جلد ہی
اُٹھ آیا۔

گھر پہنچنے کے بعد جب والد صاحب نے مجھے آواز دی تو میرے جلد ہی جلدی بڑھتے
ہوئے قدم ایک دم رُک گئے۔ میں حیران و پریشاں والد ماجد کا منہ تکتا رہ گیا۔
کیونکہ یہ تکلیف والد صاحب نے طویل عرصے کے بعد گوارا فرمائی تھی۔ ہمیں آپس میں کلام
کئے کافی مدت گذر چکی تھی۔ میرا جیب خرچ وغیرہ انہوں نے سالہا سال سے بند
کر رکھا تھا۔ اس پر بھی اکتفا نہ کر سکے تو کھانا بھی بند کر دیا گیا تھا۔ میں نے
پھر بھی پرواہ نہ کی۔ اکڑفوں میں رہا۔ مگر اپنی وضع داری قائم رکھی جس طرح
بھی رکھ سکا۔ جب والد صاحب نے کہا کہ میرے ساتھ چلو وہاں اسسٹنٹ منیجر کی جگہ
خالی ہے" تو میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور ایک ہلکا سا چکر بھی آ گیا۔
ہماری ناراضگی کی وجہ ہی یہی تھی کہ میں کوئی ایرا وغیرہ نوکری کرنے کے لئے

تیار نہ تھا۔ اور نوکری کو ٹیڑھی نظروں سے دیکھا کرتا ۔ والد صاحب اس کے لئے مجھے مجبور کیا کرتے اب چونکہ جگہ معقول تھی اس لئے فوری طور پر کوئی بہانہ نہ سوجھ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں سنبھل سکوں وہ جانے کیا کیا کہہ گئے میں صرف آخری چند جملے سُن سکا " تنخواہ معقول ہے ہاں ایک کمپنی کے تحت کام کر رہی ہے۔ سیکرٹری اپنا کوئی آدمی رکھنا چاہتا ہے۔ پریذیڈنٹ میرا دوست ہے اُس نے کہا ہے اُسے جلدی لے آئیے۔ ابھی تیار ہو جاؤ میں صرف تمہیں لینے آیا ہوں"
مجھے بڑا تاؤ آیا۔ میں نے آپ کی کب منتیں کی تھیں کہ میرے لئے نوکری ڈھونڈیئے۔
یہ آخر اتنی جلدی کیوں مجھے لے جا رہے ہیں ؟ ہاں یہ ضرور گھڑ بھڑ ہے۔" اس گھڑ بھڑ پر غور کرنے کے لئے میں بغیر جواب دئے آگے بڑھ گیا۔ والد صاحب والدہ سے مخاطب ہو کر آہستہ سے کہنے لگے "دیکھا ؟ یہ بڑا حرامزادہ ہے"
میں بیٹھک میں بیٹھا اس معاملے پر غور کر رہا تھا کہ والد آ کر کچھ ایسے انداز سے بولے " تیار ہو گئے ؟" جیسے ابھی گھسیٹ کر لے جائیں گے۔ کچھ نہ سوجھا تو میں نے آہستہ سے کہہ دیا مجھے یہیں نوکری مل جائے گی " کہاں ؟" "مال پر ایک فرم ہے" "نہیں میرے ساتھ چلو" "یہ نادر شاہی راج نہیں" جی چاہا کہہ دوں مگر فقرہ کمبخت گلے میں اٹک کر رہ گیا۔ میں اُٹھ کر اُن کے ساتھ چل پڑا چل تو پڑا مگر راستے میں عجیب و غریب خیالات نے گھیر لیا۔ کبھی کبھی خوشی کی ایک کرن بھی آ دھمکتی " تم نے خود ہی سوچا تھا اگر میں

کہیں دور نکل جاؤں تو یہ انتشار کی کڑوی کسیلی گھڑیاں رک جائیں، غم کے طوفان تو تھم جائینگے۔ زندگی جو چلچلاتی دھوپ میں ویران سڑک کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔ ممکن ہے اس کی بے بسی پر اس طرح سے ہی کوئی دو آنسو بہا سکے"۔ یہ سب کچھ میں نے بہت پہلے سوچا تھا۔ آج میں اس طرح کی باتیں ذہن میں لانے کیلئے تیار نہیں تھا۔ ہر چیز وقت کے ساتھ بدل جاتی ہے۔ اسٹیشن آگیا۔ خیالات کے تار بکھر گئے۔ شفق کو شام نے اپنی عنابی زلفوں میں چھپالیا تھا۔ مگر آج ان میں چمک، ملائمت و گداز پن، وہ بھینی بھینی خوشبو عنقا تھی۔ دل میں گدگدی کرنے والی مسرت کی ایک رمق تک باقی نہ رہی۔

نیند آتی ہی نہیں تھی۔ بڑی مشکل سے خیالات کے جھنجٹ سے پیچھا چھڑا کر سوتا۔ ساتھ ہی کانوں میں ٹک ٹک کی آواز پڑتی۔ چونک کر اٹھ بیٹھتا اور جلدی سے دروازے کی طرف بھاگتا مگر یہاں تو نقشہ ہی اور تھا۔ در و دیوار یوں الگ رہے تھے، جیسے عالم ارواح کی خبیث روحیں۔ فضا میں سانپوں کی سی سرسراہٹ تھی۔ ارد گرد کچھ عجیب سا کاٹ کھانے والا ماحول تھا۔ طبیعت پر ایک بوجھ سا محسوس ہو رہا تھا۔ فضا میں ناگواریت تھی۔ اس ناگواریت کو بھول جانے کیلئے میں ولایت سے مخاطب ہو گیا۔ "جان دیکھ، دیکھ رہی ہو نا میری حالت۔ جتنی یہ بستر پر شکنیں نظر آ رہی ہیں نا؟ ان سے کہیں زیادہ کروٹیں بدل چکا ہوں۔ کسی پہلو چین نہیں ملتا۔ تم تو سکھ کی نیند سو رہی ہوگی۔ یہاں یہ عالم ہے کہ ہوا نے بستر ہو کے دروازے کی کنڈی کھٹکنے پر یوں بستر سے اچھل پڑتا ہوں جیسے سچ مچ تم آگئی ہو۔ آج جھوٹ موٹ ہی آجاؤ تو غنیمت ہے۔ میں نا کہا

کرتا تھا گندی دھکنکھٹایا کرو۔ اب یہ جو میری زندگی میں ایک ہلچل سی مچ چلی ہے ایک کبھی نہ رُکنے والا بھیانک طوفان اُٹھ چکا ہے اسے میں کیسے دور کروں! یہ تو تمہارے ہی بس کا روگ ہے اور تم مجھ سے دور بیٹھی ہو۔ اس قدر قریب ہو اور کتنی دور ہو مجھ سے۔ تم ہی اس دوری کی دوڑی کو کاٹ سکتی ہو۔ اور انہی خیالات میں مدغم میں دیر تک تاروں کا کھیل دیکھتا رہا۔

آسمان پر آنکھ مچولی کھیلی جا رہی تھی۔ یہ کھیل اچھا نہیں ہے۔ اسی کھیل نے تو مجھے اس ویران چھت پر پہنچ دیا تھا۔ "یہ کچھ اچھا نہیں ہوا مجھے اس طرح نہ چلے آنا چاہئے تھا۔ امّی کو اطلاع دینا بہت ضروری تھا۔ اب؟ اب کیا ہو سکتا ہے۔ اگر آج اس نے آ کر گندی کھٹکھٹائی ہو اور کوئی دوسرا شخص جاگ اُٹھا ہو۔ پھر؟ پھر وہاں کیا ہوا ہوگا؟" "اُف کس قدر مہیب، بھیانک خیالات ہیں۔ اگر چھوٹے بھائی نے آ کر دروازہ کھول دیا ہو اور وہ بے جھجک اندر داخل ہوتے ہی کہہ اٹھی ہو۔ "چاند میرے" اُف توبہ۔ مجھے کیا ہو گیا ہے میرے ذہن میں ایک کشمکش سی جاری تھی اس قدر گندی باتیں کیوں سوچ رہے ہو؟" تم ان کو گندی کہہ لو یا کچھ اور مگر ہے یہ حقیقت" "خدا کیلئے چپ ہو جاؤ۔ مجھ میں یہ سب کچھ سننے کی سکت نہیں۔ اگر تم اب بھی خاموش نہ ہوئے تو میں اس فلک بوس چھت سے نیچے چھلانگ لگا دوں گا۔ مجھے پستیوں کی طرف نہ دھکیلو۔ میرے دل میں جو دلائیت کیلئے محبت کے انبار موجود ہیں، تمہاری ان شاطرانہ چالوں سے کبھی نہ گھٹ سکیں گے۔ دلائیت حوروں سے زیادہ متقی ہے۔ میرا دل تمہاری پیدا کی ہوئی غلط فہمی میں کبھی مبتلا نہ ہو سکے گا۔ میرے ذہن میں ایک عالیشان خوبصورت محل کا نقشہ ہے اس محل کی ملکہ دلائیت سی ہے

مقام پر پہنچی ہے۔ اُس کے الفاظ میں خیالات میں پاکیزگی ہے۔ اس کے کردار
کی پاکدامنی پہاڑوں کی چوٹیوں کو چھو رہی ہے۔ اس ملک میں ایسی ہی کتنی ہی صفات
ہیں، کبھی تمہیں گنواؤں گا۔ دل و دماغ کا جھگڑا ابھی ختم نہ ہوا تھا، مگر دات ختم ہو چکی
تھی۔

صبح کے اُجالے سے خیالات کا دھارا ٹوٹ گیا۔ آسمان پر کالے کالے بادلوں
کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ جب والد صاحب نے مینیجر صاحب سے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا
"یہ میرا لڑکا ہے یہاں آپ کے اسسٹنٹ کی حیثیت سے کام کرے گا" تب
بھی ان بادلوں نے جو راستہ بھر میرے ہمراہ شانہ بشانہ بھاگتے آئے تھے، میرا ساتھ نہ
چھوڑا۔ مینیجر صاحب مسکرائے تو اُن کے کالے مسوڑھوں نے یہ نقوش اور زیادہ
اُبھار دیئے۔ پھر تو مجھے بہت ہی غصّہ آیا۔ جی چاہتا تھا یہ بادل کبھی میرے
پاس سے گزریں تو ان کی بوٹی بوٹی کر دوں۔ ان کو توڑ مروڑ کر دکھ دوں۔ ان کا
کچومر نکال دوں مگر وہ بہت اونچے تھے۔ وہاں کبھی بھی کسی کا ہاتھ نہ پہنچا
تھا۔ اسی لئے تو انہوں نے اپنا رنگ نہ بدلا تھا۔ ورنہ ابتک؟ مجھے پھر غصّہ
آ رہا تھا۔

کارخانے کی فضا بڑی دوستانہ پُر ورتھی۔ میں نے اسے وقتی طور پر
مداوا سمجھ کر اسی میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ اس فضا کا اندازہ میں نے پہلے
ہی دن دوپہر کو لگا لیا۔ جب میرے دفتر کے عین سامنے کی دیوار سے سلام دیا

سلسلہ بڑے جوش و خروش سے تین سو کھپتر کی رفتار پر چل رہا تھا۔ مجھے شک
ترتیب ہوا۔ جب وہ دیر تک چلچلاتی دھوپ میں کھڑا رہا۔ اشارے بھی
متواتر ہو رہے تھے۔ میں دبے پاؤں چکر کاٹ کر اسی دیوار کے نیچے آ کھڑا ہوا۔
میری نظریں کھڑکی میں کھڑی ہوئی لڑکی سے ٹکرائیں۔ لڑکی خوبصورت نہیں تھی۔
مگر عالم شباب تھا۔ اس دور میں تو بھینگی بھی خوبصورت ہوتی ہے۔ یہ میں نے
بڑی بودی بات کہہ دی ہے۔ وہ خوبصورت کیوں نہیں تھی؟ ذرا اس لڑکے
سے تو پوچھ دیکھیے۔ "ولائیت حسین نہیں لگتی کہ دبلی پتلی لڑکی ہے، جس
کی یہ تپلی" یہ رائے آپ کی ہو گی۔ مجھ سے پوچھیے۔ ولائیت کس قدر خوبصورت
ہے۔ اس کے گال کھلتے گلاب اس کے دانت بند کلیاں۔ اس کی آنکھوں میں
سچے موتیوں کی سی چمک ہے۔ اس کی رانوں میں محبت کا رس ہے اس کے سینے
میں پیار ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ اس کی سنہری جگمگ کرتی دراز زلفیں جیسے چاندنی
اکٹھی کر دی ہو۔ اس کے ہاتھ ملائم اور گوشے ہیں۔ اس کے سینے کی ہر دھڑکن میرا
نام لیتی ہے۔ میں اس کا ورد کرتا ہوں، یہ محبت ہے، یہ ولائیت ہے، ولائیت
نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی۔ ولائیت کبھی کسی سے محبت نہیں کرے
گی۔ وہ اپنے خاوند سے بھی محبت نہیں کرے گی۔ ولائیت نے مجھے یہ سب
کچھ سوچ سمجھ کر کہا تھا۔ وہ مجھے کبھی دھوکا نہیں دے گی۔ مجھے اس کا کامل
یقین ہے۔ میں ہر محبت کرنے والے کو دیکھ کر جذباتی ہو جاتا ہوں۔ میں یہ بتا

رہا تھا کہ مجھ سے نظریں ٹکراتے ہی اس نے جلدی سے کھڑکی بند کر دی اور صاحب جو ننگی دھوپ میں کرسی پر کھڑے تھے۔ دیر تک انتظار کرنے کے بعد پیلے نیچے اتر گئے میں اُن کی نظروں سے اوجھل تھا اس لئے وہ اصل معاملہ نہ سمجھ سکے۔ چراغ تلے اندھیرا تھا۔ اور اندھیرے سے ڈر کر وہ بھاگ گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اسی دیوار پر ایک لڑکی آکھڑی ہوئی۔ اس کے رخسار پیلے تھے۔ جیسے سفیدی میں ہلدی ملا دیگئی ہو۔ اُس کی زلفوں میں میرے دل سے بھی زیادہ پریشانی تھی۔ کچھ ایسا جان پڑتا تھا۔ کہ اس کا دُولہا اُس سے ناراض ہے۔ یا وہ اپنے مجازی خدا کو اچھا نہیں سمجھتی۔ اس کا زاویۂ نگاہ بدلا ہوا تھا۔ اشاروں کی رفتار اُس بانو سے بھی تیز تھی۔ عجیب ماحول ہے۔ بھائی گیا تو بہن آگئی۔ خاوند گیا تو بیوی آگئی۔ میں سوچنے پر مجبور ہو گیا۔ "کیا ساری دُنیا میں ایسا ہی ہو رہا ہے؟" یا صرف یہی ایک محلہ ہے۔ عشق میں اتنی شدّت کہیں بھی نظر نہ آئی تھی۔ آٹا گھٹ رہا تھا۔ عشق ترقی کر رہا تھا۔ فرنگیوں نے یہی ایک تحفہ تو ہمیں دیا ہے۔ وہ غائب ہو گئی تو میرے ذہن میں ولایت ناچنے لگی بالکل اسی طرح وہ بھی کسی کی آہٹ پر بھاگ جایا کرتی تھی۔ اور میں دیر تک اُس کا انتظار کیا کرتا کہ شاید ابھی آجائے ایسا نہ ہو کہ میں جاؤں تو وہ آجائے اور میں دیدار سے محروم رہ جاؤں۔ یہ اُمید مجھے دیر تک کھڑا

دکھا کرتی۔ پھر میں گلی میں چکر لگانے شروع کر دیتا۔ یونہی بے مقصد مگر نہیں مقصد تو بہت بڑا ہوتا تھا۔ ولائیت ایک کھڑکی سے دوسری کھڑکی میں۔ کبھی جنگلے کے پاس کبھی دیوار کے پاس کھڑی میرا انتظار کیا کرتی۔ جب میں گلی کا پورا چکر لگا کر اُس کے پاس پہنچتا۔ تو مڑ کر مُسکرا کر آگے گزر جاتا۔ وہ اُس کھڑکی سے ہٹ کر دوسری کھڑکی میں آ جاتی۔ کیونکہ واپسی پر وہاں سے ہی ٹھیک زاویۂ نگاہ بنتا۔ یہ زاویے سارا دن بنتے بگڑتے رہتے۔ کبھی کبھی میں عین نیچے سے گزرتے وقت کہہ دیتا "نیچے آ جاؤ نا۔ اس وقت ہمیں کون دیکھے گا۔" اور جب پورا چکر لگانے کے بعد واپس آتا تو وہ سچ مچ نیچے آ چکی ہوتی۔ "دیکھا میں کتنی دلیر ہوں" "واقعی بڑی بہادر ہو" میں اُس کا نرم نرم گداز ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیکر دبا دیتا۔ پھر گالوں سے لگا لیتا۔ جب ذرا اور آگے بڑھنے کی کوشش کرتا تو وہ ہاتھ چھڑا کر مُسکراتی ہوئی بھاگ جاتی "وقت بھی دیکھا کیجیے" میں بجائے وقت دیکھنے کے اُس کے پاؤں کے نشان دیکھتا رہ جاتا۔

یوں تو مجھے یہاں آئے ہوئے دو۔ چار روز گزرے تھے۔ مگر ان دو۔ چار روز میں میں نے بہت کچھ دیکھ لیا تھا۔ راتیں اختر شماری میں یا ولائیت سے باتیں کرنے میں گزرتیں اور دن کو رومانی فضا میں

محبت کے دلکش تیر چلتے دیکھا کرتا۔ یہ ساری فضا افسوں رنگ میں رنگی
ہوئی تھی۔ سب ہی پڑھے لکھے لوگ تھے۔ وہ پڑھے لکھے نہیں جو جہالت
مسند پر پورا اُترتے ہیں۔ یہ وہ پڑھے لکھے تھے جو صرف چند درجے پاس کرنے
کے بعد اپنے آپکو عالم سمجھ بیٹھتے ہیں۔ چاہے عالم کے مفہوم ہی سے ناواقف ہوں
ہاں تو میرے پاس ایک لڑکی متواتر پہلے دن سے آ رہی تھی۔ جس کی بہن کو یا ماں
کو روز ہی ترازو کی ضرورت پڑ جاتی تھی۔ وہ ترازو لینے سیدھی میرے پاس چلی آتی
چوکیدار کی روٹی انہیں کے گھر پکتی تھی۔ اس لئے چوکیدار بھی اُسے نہ روکتا
تھا۔ میں نے اُسے بتایا بھی تھا کہ ترازو کے پاس ہوتا ہے یا سٹور روم میں
پر میرے حکم کے بغیر ترازو کا ملنا مشکل تھا۔ اور میں کیسے حکم دے سکتا
تھا۔ ترازو کا مطلب ہے کہ دونوں پلڑے مساوی رہیں۔ تاکہ کسی کو کم یا زیادہ
نہ مل جائے یعنی انصاف ہو جائے۔ انصاف میں کیسے کرتا۔ میرا انصاف تو
قصبہ شاہ میں بیٹھا تھا۔ جو شہر ناجور سے دو۔ تین میل کے فاصلے پر ہے۔ اس
لئے میں اُن کو ترازو کبھی بھی نہ دے سکا۔ ترازو نہ دینے کے باوجود میرے پراٹھے
پک کر آ گئے۔ "نہ بھئی نا میں کیا نا گھر پہ ہی کھاؤں گا؟" آپ نے جو اتنی گرمی
میں آپکا کھانا پکایا ہے۔ یہ کون کھائیگا؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم
کھا لینا اور اس کی ہتھیلی پر اکنی رکھ دی۔ یہ اکنی دن میں ایک دو بار اُسے مل
جایا کرتی تھی۔ کبھی کبھی اُسکی دوسری تین، چار درجہ بدرجہ چھوٹی بہنیں بھی

اکنیاں لینے کیلئے آجایا کرتی تھیں جن کو اگر حروفِ تہجی کے لحاظ سے کھڑا کر دیا جائے ۔ تو ایک منزل کی سیڑھیاں بن جائیں ۔ میری اکنیوں کے عوض ہر ایک کچھ نہ کچھ سنا جایا کرتی تھی ۔ اُن میں بڑا ہی رس ، بڑا ہی لوچ ہوتا ۔ اکنی اُس نے واپس کر دی ۔

"میں نہیں لونگی ۔ پہلے کھانا پھر اکنی" میں ہنس دیا ۔

"اگر میری بیوی نے پوچھا کھانا کہاں سے کھا آئے ہو ۔ پھر ؟"

"بتا دیجئے گا ۔"

"واہ ۔ اُس نے ایک ہی لات ماردی تو اپنی گت بن جائے گی ۔ کوئی ہڈی ٹوٹ جائے گی ۔ جیسا گھر کی ہتھنی ہے ۔ خرطوم سے پکڑ کر گھر سے باہر پٹخ دیگی ۔"

"پھر آپکو ہم رکھ لیں گے" وہ ہنسی کے مارے دوہری ہوتی جارہی تھی ۔

"پہلے اپنی آپی سے تو پوچھ آؤ !" وہ بھاگی بھاگی گئی اور بھاگی بھاگی مسکراتی ہوئی واپس آگئی ۔

"آپی کہتی ہے بڑے ڈرپوک ہیں آپ ۔"

"میں تو ڈرپوک نہیں ۔ وہ بڑی سخت ہے ۔ ہتھنی ہے ۔"

"جھوٹ آپکی بیوی تو ہے ہی نہیں ۔"

"نہیں ہے ؟ لاؤ ذرا اپنا ہاتھ ۔" میں نے اُس کا ہاتھ اپنی چھاتی پر رکھ دیا ۔

"ان دھڑکنوں سے پوچھو ۔ پر تم ابھی ان کی آواز نہیں سن سکتیں ۔ تمہاری آپی بھی

نہیں سن سکتی۔ ان کے مفہوم سے صرف ولائیت واقف ہے۔" وہ میری بات نہ سمجھ سکی۔ ضد کئے جا رہی تھی۔" آج لے جاؤ کل منزدور کھالوں گا۔ بس؟ اب مجھے اور زیادہ تنگ نہ کرنا۔ جاؤ میں کچھ کام کر لوں۔ تھوڑی دیر بعد آ جانا۔ اب جاؤ، جاؤ بھی"۔ اور وہ منہ بنائے چلی گئی۔ سوچتی ہو گی، عجیب قسم کا انسان ہے۔ اتنی منتیں تو ہم نے آج تک کسی کی بھی نہ کی تھیں۔

اس نے شائد کچھ اور سوچا ہو مگر میں نے یہی سوچا تھا۔" کتنا عجیب انسان ہوں۔ ولائیت تو یہاں سے چالیس میل کے فاصلے پر بیٹھی ہے اسے کیا پتہ میں کیا کر رہا ہوں۔" امانت میں خیانت اچھی بات نہیں۔" یہ میرے دل کی گہرائیوں کی گونج تھی۔ یہ دل جو پہلے ہی میاں نصیحت بیگ بنا بیٹھا ہے پھر جانے کیا گل کھلائے؟ یہ تو اس کی پرانی عادت تھی کہ اگر میں نے کسی کے پاؤں پہ پاؤں رکھ دیا تو جا کر صاف بتا دیا کہ آج مجھ سے یہ حرکت سرزد ہوئی تھی۔ یا کسی کو بُری نظروں سے دیکھ لیا تو جا بتایا کہ کیوں اور کس طرح یہ سب کچھ ہوا۔ لاحول ولاقوۃ کوئی بھی دنیا کا شخص اس طرح کرتا ہے۔ کہ دن کا سب اگل اگل اپنی محبوبہ کے سامنے اُگل دے۔ اس معاملہ میں تو بڑے بڑے پارسا دم توڑ دیتے ہیں۔ اپنے اصول کے پابند رہتے ہیں، محبوبہ کی باتیں محبوبہ کے ساتھ اور محبوبہ کی بہن کی باتیں محبوبہ کی بہن کے ساتھ، یہ کیا واہیات پن ہے کہ محبوبہ کی بہن کی باتیں بھی جا محبوبہ کو بتائیں۔ توبہ ہے۔ ایسا صاف گو شخص مجھے ایک نظر نہیں بھاتا۔ کیا کروں اس دل نامراد کا اپنی تو تمام قوتیں سلب ہو چکی ہیں۔ اور یہ ہے کہ صاف گوئی نہیں

چھوڑتا۔ ہر بات جیسی لگتی ہے ویسی اُگل دیتا ہے۔
میں نے ابھی کوئی کام بھی نہ کیا تھا کہ وہ لڑکی بعد دوسری سیڑھیوں کے آس پاس ہو گئی۔ ایک طرف پورا بریگیڈ اور ایک طرف میرے جیسا عاجز شخص۔
"آپی آپ سے سخت ناراض ہے!"
"اُن پر پانی کا گلاس انڈیل دیتا ہوں، انڈیلتے وقت میرا نام مزدور لینا مت بھول نہ جانا۔" وہ سب ہنس دیں۔ میری کرسی صحن میں تھی۔ اُن کا ٹاٹ والا گھر ہمارے کارخانہ کے بالکل سامنے تھا صحن سے اور بہت سے مکانوں کے علاوہ اُن کی اوپر والی چھت بھی نظر آتی تھی۔ میں نے اُس چھت پر دیکھا ایک عدد لڑکی جیتی، پھر پورے بدن کی لڑکی دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی ہے۔ میں نے پہلے اُسے اچھی طرح نہیں دیکھا تھا۔ یوں تو وہ اب بھی کچھ فاصلے پر ہی تھی۔ مگر اب کافی کچھ نظر آ رہا تھا۔ اس کے "کافی کچھ" میں بڑی حسین کشش تھی۔ میں نے اُس کی بہن سے پوچھا۔ "وہ ہے نہ تمہاری آپی؟"
"ہاں"
میں تو اُدھر دیکھ ہی رہا تھا۔ وہ سب کی سب بھی اُدھر ہی دیکھنے لگیں۔ اُن کی خاموش نگاہیں چیخ رہی تھیں۔ جلدی آ تو آپی۔ ہماری باری بھی آنے دو۔ ایک ہی تو دیوار ہے ہم نے بھی تو اسی کے سہارے کھڑی ہونا ہے۔ ابا امی کو چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ امی نے ہمیں سہارے کیلئے ایک دیوار بنا دی ہے۔

ایک ہی دیوار ہے اور تم نشتی ہی نہیں ہو۔ یہ کیا بیہودگی ہے"۔ وہ جلدی سے سیڑھیوں کیطرف بھاگ گئی۔ جیسے واقعی حق تلفی ہو رہی ہے۔ سیڑھیاں اترنے سے پہلے ایکبار پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ہم سب ابھی تک ادھر ہی دیکھ رہے تھے۔ وہ جلدی سے سیڑھیاں اتر گئی۔

"تمہاری آپی نیچے کیوں چلی گئی ہے؟" میں وہ ابھار وہ زیر و بم، وہ دھوپ چھاؤں کا اتصال، خوشی اور رنج سے ملی جلی کیفیت کو ادک سے تھوڑی دیر اور پینا چاہتا تھا

"اُسے سکول کا کام کرنا ہو گا"

"سکول بھی پڑھتی ہے؟ گھر جاؤ۔ اُسے کہو ذرا اوپر آجائے۔ یہ لو اس کی لیریڈ دکا لاکر الٹی الٹی لے لینا" وہ سب بھاگ گئیں جیسے اتنی دیر سے اسی انتظار میں کھڑی تھیں۔

میں نے نظر کا زاویہ بدلا تو دوسری طرف وہی لڑکی کھڑی تھی۔ جس نے مجھے دیکھتے ہی کھڑکی کے کواڑ بند کر لئے تھے۔ اور اُس کا عاشق انتظار کرتا رہ گیا تھا۔ جانے دل میں کیا آئی کہ میں نے ایک عدد سلام کر دیا۔ وہ مسکرا دی۔ اب کی کھڑکی بند نہ ہوئی۔ شائد دل کے کواڑ بھی کھل چکے تھے۔ کچھ دیر تک کھڑی رہی۔ پھر بغیر سلام کا جواب دیئے بغیر کسی اشارہ کے واپس چلی گئی

"یہ لڑکی تو نرا معمہ ہے کہیں ولائیت بھی ایسا ہی معمہ نہ ہو!" دھت تیرے کی اُس کی پارسائی پر دھبہ لگاتے شرم نہیں آتی۔ اتنے میں اُسکی چھوٹی بہن پھر آگئی تھی۔

"آپی کہتی ہے اس وقت میں اسکول کا کام کر رہی ہوں"۔

"اچھا جاؤ۔ میں بھی کچھ کام کر لوں" میرے الفاظ میں نشتر کی سی تیزی تھی۔ مجھے اُسکے جواب پر سخت غصہ آیا۔ میں بڑا تیرے لئے مرا جا رہا ہوں۔ تو نے بھی اپنے آپکو ولائیت ہی سمجھ لیا

ہوگا۔ تو تو اس کے پاؤں کی خاک ایسی بھی نہیں۔ اُس کے گالوں کے سُرخ گلاب، اُسکی جھلمل
کرتی سُنہری زلفیں، اُسکے دانت سفید کلیاں، اُس کے لیلائی انداز تو اس کی جگہ لینے آئی
تھی! تھو کنجری!" میں نے زمین پر تھوک دیا۔ مجھے اُس پر بڑا غصّہ آیا۔ میں نے مصمّم ارادہ کر لیا،
کہ اب چور انکھیوں سے بھی اسے کبھی نہیں دیکھوں گا۔

مجھے ولائیت یاد آنے لگی۔ جانے بچاری کس طرح گزارا کر رہی ہوگی۔
مجھے یہاں آئے ہوئے کتنے ہی دن ہو چکے تھے، یہ سب لمبے دن بڑی مشکل سے بیتے تھے۔ اس کا
کچھ میں ہی اندازہ کر سکتا ہوں۔ بہت سی مجبوریوں کے باعث میں جا نہ سکا تھا۔ پہلے پہل
جب جانے کا خیال آیا، تو ساتھ ہی دل سے ایک بغاوت اُٹھی۔ "میں وہاں ہرگز نہیں جاؤنگا
وہاں والدہ رہتی ہے۔" ہم میں قطع کلامی بدستور جاری تھی۔ جُوں جُوں دن گزرتے جاتے
تھے۔ دوری بڑھتی جا رہی تھی۔ ہمیں ایکدوسرے کے پاس بیٹھے عرصہ گزر چکا تھا، اور
محبت تو قربت، کا دوسرا نام ہے۔ ناراضگی بالکل معمولی بات پر ہوئی تھی۔ دھوبی میری عدم
موجودگی میں کپڑے دے گیا تھا۔ اُن میں ایک بنیان کم تھی۔ میں نے پوچھا "کپڑے کس نے
لئے تھے؟" "میں نے۔" "ایک بنیان کم ہے؟" "مجھے کیا پتہ" "پتہ کیوں نہیں؟
ساڑھے تین روپے کی بنیان آتی ہے؟" معاملہ بڑھتے بڑھتے بڑھ گیا۔ "جاؤ جہنّم میں۔ جہاں
جی چاہے رہو۔ جہاں جی چاہے کھاؤ۔ کھاتا بھی ہے اور آنکھیں بھی دکھاتا ہے۔" "مجھے
کھانے کو نہ ملیگا یا رہنے کو جگہ نہ ملے گی؟" میں کالج سے آیا تھا، بھوک لگ رہی تھی۔ غصّہ
میں پتہ نہیں کیا کیا بک گیا۔ میں نے اُسی وقت اپنی سونے کی انگوٹھی بیچ کر خریدی ہوئی کی بیا

اور کاپیاں فرش پر ڈھیر کر دیں۔ ایک کو دیا سلائی دکھا کر باقی پھاڑ پھاڑ کر اس پر رکھتا گیا۔ "نوکری کروں گا۔ اس قسم کی واہیات باتیں کبھی نہیں سنوں گا۔" شام کو والدہ نے والد صاحب کو بتایا۔ اُن کا پارہ ایکدم چڑھ گیا۔ "نکل جاؤ یہاں سے" اور میں بجائے معافی مانگنے کے پہنے سٹیشن سے بھی آگے نکل کر لائن پر سر رکھ کر لیٹ گیا۔ اللہ سے اپنے پچھلے گناہوں کی معافی مانگی۔ اور گاڑی کا انتظار کرنے لگا۔ اس وقت یوں تو بہت خیال آئے مگر ان سب پر ولائت کا خیال حاوی تھا۔ "وہ تمہارا انتظار کر رہی ہو گی۔" "اسے بتا آتے تو اچھا تھا۔ اب بھی آ کے بتا آؤ۔" "وہ واپس نہیں آنے دے گی۔" "بتا آؤ۔" "وہ واپس نہیں آنے دے گی۔" "بتا آؤ۔" "وہ ہرگز نہیں آنے دے گی۔" "کہنا میں کہیں بہت دُور جا رہا ہوں، جلد نہ آسکوں گا شاید کبھی نہ سکوں۔ تم میرا انتظار نہ کرنا۔" "وہ رو پڑے گی۔" "میں اس کے آنسوؤں موتیوں کی تاب نہ لا سکوں گا۔ اسے روتا چھوڑ کر کیسے آؤں گا۔" "نہیں اسے ضرور بتانا چاہیئے اس معاملہ میں ٹھیک نہ بتانا" گاڑی کمبخت آ ہی نہ رہی تھی۔ تین گھنٹے گزر چکے تھے۔ کبھی کبھی کوئی لاری سڑک پر سے گزرتی تو اس کی تیز روشنی میری بند آنکھوں میں بھی آ گھستی۔ میں گھبرا جاتا۔ "کہیں مجھے کوئی دیکھ نہ لے" میں نے سوچا ٹرین آنے میں ابھی دیر ہے میں ولائت کو مل آؤں۔ اس کو آخری الوداع ہی کہہ آؤں۔ میں گھر کی دیوار پھلانگ رہا تھا کہ گاڑی نے وسل دی۔ کمبخت کہیں کی پندرہ منٹ پہلے آ جاتی تو کیا حرج تھا۔ اب تو کوئی گاڑی نہیں آئے گی۔ صبح قریب تھی۔

ولائت بھی شاید آ کر واپس لوٹ گئی تھی۔ نہ ولائت آئی نہ گاڑی آئی۔ دن کا اُجالا چاروں طرف پھیل گیا۔ میں سارا دن سوچتا رہا۔ مجھے اپنی اس حرکت پر بڑا غصہ

آیا۔" میں کیا سکتا ہوں۔ مجھے خودکشی کی کیا ضرورت ہے۔ یہ بزدلی ہے۔ وقت کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیئے۔ اُس دن سے ہی میں مقابلہ کرتا آ رہا تھا۔ اور یہ دوری بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ یہ تو بھی ایک وجہ اور بھی کئی وجوہات ہیں۔ کچھ کارخانہ میں کام بھی زیادہ تھا۔ کارخانہ ایک مرتبہ بند ہو گیا تھا۔ دوبارہ شروع کرنے کی وجہ سے بہت سی دقتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اس لئے چھٹی کا دن بھی کام کے بوجھ تلے ہی دب جاتا۔ کچھ یہاں کی فضا بھی خوشگوار تھی۔ یہ خیال بھی تھا۔ کہ جتنی دیر سے جاؤں گا۔ ولیٹ اتنی ہی زیادہ قدر کرے گی۔ زیادہ چاہت سے میٹھی انتظار کی دکھ بھری کہانی سنائے گی۔ خوب گلے شکوے کریگی۔ اور میں اُسے جتنی لمبی لیکر یہاں کی رومانی کہانیاں سناؤں گا۔ اپنی صفائی پیش کرنے کے بعد شان فرعونیت کے ساتھ کمر اس کے آگے کر دوں گا۔" ملکہ معظمہ کو مجھے شاباش دینی چاہیئے۔ اور انعام اکرام بھی۔ کیونکہ غلام نے ایک ایسا مرحلہ طے کیا ہے۔ جو نئی زمانہ کسی اور سے سر ہونا محال ہی نہیں ناممکن تھا۔ پھر وہ میرا بوسہ لے لیگی۔ میں مسکراتا ہوا اُس کی چمکیلی آنکھوں کی اتھاہ گہرائیوں میں گم ہو جاؤں گا جن میں محبت کے سمندر موجزن ہیں۔ کس قدر حسین ہیں وہ آنکھیں اور اوپر دلنشین چہرے کے دو رشتے دانت اسفید سچے موتی، نو آموز کلیاں۔ ہنستی ہے تو دل میں اُترنے لگتی ہے کتنی پیاری لگتی ہے۔ جانے دل کو کیا ہو جاتا ہے۔ جی چاہتا ہے۔ وہ اسی طرح ہنستی رہے۔ اور میں تمام زندگی اُسے دیکھتا رہوں۔

چھٹی کا دن آیا تو میں بیچ پر جانے کیلئے تیار ہو گیا۔ ایک خواہش تھی۔ جو بار بار

اُبھر رہی تھی۔ "جلتے ہی اُس کی آنکھوں پر ہونٹ رکھ دُوں گا" ہم پر کتنی ہی دیر یہی عالم رہے گا۔ پھر وہ ایکدم پرے ہٹ کر بیٹھ جائیگی۔ مُنہ دوسری طرف کر لے گی۔ میں اُسے مناؤں گا۔ اُس کی آنکھوں سے شبنم کے شفاف قطرے گر کر گالوں پر بکھر جائیں گے۔ اُس کے اِس حُسن کے سامنے وینس کا حُسن بھی مات پڑ جائے گا۔ میرا دل بھر آئے گا۔ پھر ساری داستان سناؤں گا۔ کہ کس طرح جانے سے پہلے تمہیں اطلاع نہ دے سکا۔ میں ولائیت کے پاس جا رہا تھا۔ میں نے اپنے دِل کے اندر جھانکا۔ مسرت کی ہری بھری فصل حدِ نگاہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ خوشیوں کے پہاڑ ہمالہ کی چوٹی سے بھی اُونچے تھے۔ "تمہیں بڑی آئی تھی حسینہ بن کر۔ میری ولائیت کو کوئی دیکھ پائے تو اُس کا تخیلی حُسن بھی ماند پڑ جائے۔ کون ہے جو اس کے مقابلے میں ٹھہر بھی سکے۔ حسین تو بہت ہوتے ہیں، ولائیت کوئی نہیں ہو سکتی۔ پھر اُس کی پارسائی بھگوان جانے اُس میں کتنی رعنائیاں بھری ہیں۔ یہ گُن گننے سے کبھی ختم نہ ہونگے۔ آج جانے کیوں میں اُسے آسمان کی بلندیوں سے بھی اُونچا لیجانا چاہتا تھا۔ کوئی ڈیڑھ گھنٹے بعد گاؤں آ گیا۔ سفر کٹنے کا مجھے پتہ ہی نہ چلا۔ میں تو مسرت کی حدِ نگاہ تک پھیلی ہوئی ہری بھری فصل میں گم تھا۔ موٹر رُک گئی۔ سب سے پہلے میں نیچے اُترا۔ اندھیرے کی چادر دبیز ہوتی جا رہی تھی۔ دُنیا کی ہر شے اُونگھ سی رہی تھی۔ گھر پہنچ کر میں نے دروازہ نہیں کھٹکھٹایا۔ دیوار پھاند گیا۔ آج بہت دِنوں کے بعد دیوار پھاندی تھی۔ دیوار

تھ جو سکے کافی ہاؤس سے واپس آ کر رات کے دو بجے کبھی تین بجے کبھی ایک بجے مجھے روزنی پھاندنا پڑا
کرتی تھی۔ آج پتہ نہیں میرے پاؤں کیوں ڈگمگا گئے۔ ایسا کیوں ہوا؟ میں اس پر غور نہ کر سکا اور
آگے بڑھ گیا۔ ایک کوٹھے سے دوسرے کوٹھے پر۔ پھر نیچے اُترنے سے پہلے چھجے سے اُن کے صحن میں جھانکا۔
چارپائیوں کی گنتی وہی تھی جو میں عموماً کیا کرتا تھا۔ چاند آہستہ آہستہ نمودار ہو رہا تھا۔ اندھیرا غائب ہوتا
جا رہا تھا۔ فضا خوشگوار تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کون کہاں ہوتا ہے۔ میرا اندازہ غلط نہیں ہوا کرتا تھا۔ ایک
چھجے سے گننے کے چند افراد ہی تو تھے۔ ایک اُس کی چارپائی اُس کے ساتھ اُس کا چھوٹا بھائی۔ دو چھوٹے
بھائیوں کی علیحدہ علیحدہ دو چارپائیاں ایک اُس کی آپا کی اور ایک چاچا کی۔ اُس کی آپا اور چاچا کی
چارپائیاں ساتھ ساتھ ہوتیں۔ اُن کے ساتھ چھوٹے بچوں کی اور پھر ولایتی کی۔ چارپائیوں کا کوئی
بھی رُخ ہو۔ صورت یہی ہوتی تھی۔ مشکل صرف اُس کی آپا اور چاچا کی چارپائی ڈھونڈنے
میں ہوتی۔ جب ان میں ایک کا بھی اندازہ ہو جاتا۔ تو سوال بالکل ٹھیک حل ہو جاتا۔
چاند نکل آیا تھا میرے چاند کے سُرخ گلاب جگمگا رہے
تھے۔ میں نے روڑا مار دیا۔ اُس کی چارپائی پر نہیں۔ نیچے زمین پر۔ کوئی
حرکت نہ ہوئی۔ وہ سو رہی تھی میٹھی نیند۔ بالکل بے فکر۔ جب دو۔
تین روڑے مارنے کے بعد بھی وہ نہ جاگی تو ایک دھچکا سا لگا۔ روڑا
مارنے کی مجھے اس وقت ضرورت محسوس ہوا کرتی تھی۔ جب پچھلی متواتر
پوری پوری راتیں ہم جاگ چکے ہوتے۔ جب آنکھیں خود بخود بند ہو
جایا کرتیں۔ تب یہ حالت ہوتی تھی۔ اور آج؟ یہ کیا واہیات پن ہے؟ مجھے

سخت غصہ آیا، میں نے ذرا بڑے روڑے مارے تو وہ جاگ اُٹھی۔ میرا دل جو غم کے سمندر میں ڈوب رہا تھا، چاند جس کو کالی بدلیوں نے آگھیرا تھا۔ پھر روشن ہوگیا، خوشی سے اُچھل پڑا۔ میں اشارہ کرنے کے بعد سیڑھیاں اُتر آیا۔ صحن میں چپکے سے کھڑا رہا۔ زیادہ انتظار میرے بس کی بات نہیں تھی۔ جلدی سے دروازہ کھولا اور چق اُٹھا کر اُن کے برآمدے میں داخل ہوگیا۔ ابھی تک دروازہ بند تھا۔ "اس سے پچھلا دروازہ بھی تو کھولنا تھا بچاری کو۔ دبے پاؤں۔ آہستہ آہستہ۔ وقت تو لگتا ہی ہے نا۔" یہی سوچ رہا تھا کہ دروازہ کھل گیا۔ ہم دونوں پہلے کی طرح ایک دوسرے سے چمٹے نہیں۔ وہ ایسی نظروں سے جن میں غصہ اور تلخی کی ملاوٹ ہو دیکھ رہی تھی۔ چند لمحے میں بھی خاموش رہا پھر اُس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ بولوں اُس نے کہا "مطلب پڑا ہے تو آگئے ہیں۔ اتنے دن کیوں نہ آئے ہیں؟" میری خوشیوں کے پہاڑ منہدم ہوگئے۔ اُس کا ہاتھ میرے ہاتھوں سے خود بخود چھوٹ گیا۔ دل میں سخت ناگوار قسم کا اضطراب پیدا ہوگیا۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اس کو کیا جواب دوں۔ اتنی بڑی طنز۔ اُس نے میری محبت کو بھی کچھ سمجھا۔ میں زیادہ دیر تک خاموش نہ رہ سکا۔

"کیا ہوگیا ہے جان تمہیں؟"

"کچھ نہیں" لہجے میں وہی تلخی تھی

"کچھ تو ہے؟"

"اب آپ جائیے چاچی جاگ اُٹھیں گے۔ آپا یہاں نہیں ہے۔ وہ آجائیں تو پھر میں آجاؤں گی"

"میں نے تو واپس چلے جانا ہے۔ میں تو صرف تمہارے لئے آیا تھا"

"تو پھر کبھی سہی"

"اگر کل آ سکو؟ ایک دن اور ٹھہر جاؤں؟"

"کچھ نہ۔ نہیں سکتی۔ اب آپ جائیے"

ہم برآمدے میں پہنچ چکے تھے۔ اُس کے تلخ ترین فقرے "کالے ناگ" میرے سارے بدن پر سرک رہے تھے۔ گلے میں اٹکے ہوئے الفاظ بڑی مشکل سے ادا کر سکا۔

"ولایت تم وہ نہیں رہی ہو۔ اب تم میں کوئی اور بول رہا ہے"

"میں وہی ہوں"

"خدا حافظ" میری آواز میں تھرتھراہٹ تھی اور آنسو پلکوں میں اٹک گئے تھے

"خدا حافظ" اُس نے آہستہ سے دُہرا دیا

جوں تیزی سے میں برآمدے سے اُترا تھا اُسی تیزی کے ساتھ وہ اندر داخل ہوگئی۔ برآمدہ اُترتے وقت پلکوں میں اٹکے ہوئے آنسو میرے گالوں تک کھسک آئے۔ میں چارپائی پر آکر بیٹھ گیا۔ مجھے گالوں پہ پھیلی ہوئی نمی تہبند کے پلو سے

صاف کرنا بھی یاد نہ رہی تھی "مطلب پڑا ہے تو آ گئے ہیں" کیا یہ الفاظ میری ہی
ولایت نے مجھے کہے ہیں؟ اُسی ولایت نے جس کیلئے میں نے زمانے بھر کو اپنا
دُشمن بنا لیا۔ نہیں۔ نہیں۔ وہ ایسا نہیں کہہ سکتی۔ دُنیا کی ہر لڑکی ایسا کہہ سکتی ہے
مگر ولایت ایسا نہیں کہہ سکتی۔ میں حقیقت کو جھٹلانے کی خاطر دیر تک کوشاں
رہا۔ میرا ذہن، میرا دل، میرے تخیل کی ایک ایک کڑی اس حقیقت کو ماننے
کے لیے ہرگز تیار نہیں تھی۔ دیر تک بیٹھا سوچتا رہا حقیقت آخر حقیقت ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے حقیقت کو کوئی بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ تلخ ہوتی ہے نا!
حقیقت ننگی ہوتی ہے۔ ننگی چیز تھوڑی دیر کے لیے
تو خوبصورت لگتی ہے پھر اس کی جاذبیت جاتی رہتی ہے اور
اُس سے ناگواری کی نفرت ہو جاتی ہے۔ دلکشی تب تک ہی ہوتی
ہے جب تک حقیقت جھلملانے والے حریری ملبوسات
میں ملبوس ہو۔

میری جگہ یقیناً کسی دوسرے نے لے لی ہوگی۔ تب ہی تو حقارت کے پاؤں سے مجھے
ٹھکرا دیا "تم کو کیا کہنا ہے؟" میں نے بہت سوچا مگر میرے ذہن میں کوئی
نہ آیا۔ "کوئی ہے ضرور" میرا دل گواہی دے رہا تھا۔ ناراضگی کی کوئی وجہ بھی تو
نظر نہ آتی تھی۔ یہ زہر میں بجھے ہوئے تیر یونہی تو چلائے گئے تھے۔ اگر یہ ناراضگی
ہوتی تو وہ چند لمحوں میں دور ہو سکتی تھی۔ پر رہا ہوں میں نے [illegible]

تھی بار۔ حمیدہ نے ہاتھ جوڑے ہوں گے۔ ہم میں اس قدر بے تکلفی تھی کہ زندگیاں
بھی ایک دوسرے سے ایسی باتیں نہ کرتی ہوں گی۔ آج بھی تو ہم وہی تھے۔ مگر
آج محبت کا وہ سمندر جو ٹھاٹھیں مارا کرتا تھا سراب نکلا۔ ولایت جسے میں
پاکدامنی کا مجسمہ سمجھتا تھا سراپا دھوکا نکلی۔ اس قدر بھولی بھالی لڑکی جس کی
سوسائٹی صرف گھر تک محدود ہو عیاری کا مجسمہ ثابت ہو، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟
میں عجیب الجھن میں مبتلا تھا۔ جھوٹ! جھوٹ کیسے ہو سکتا ہے؟ نرے
احمق ہو۔ یہ بھی کوئی سوال ہوا۔ جواب مانگنے سے پہلے یہ تو سوچ لیا کرو کہ سوال
کی کوئی کڑی بھی ٹھیک ہے۔ "کچھ بھی ہو میں غلط سوچوں یا صحیح۔ میری ولایت
کبھی اس طرح کی تو نہیں ہو سکتی تھی اور سب کچھ ہو سکتی ہے بدکردار نہیں ہو سکتی۔
وہ ولایت جو ساری ساری رات میرے انتظار میں آنکھ نہ جھپکے بدکرداری کا
مظاہرہ کر سکتی ہے؟ میری ولایت کہ جب بیندا دھوتی تو وہ اُس کے پیچھے
سے بچپنے کے شرارات کے ایک نیچے بھی کپڑے دھونے بیٹھ جاتی۔ وہ بڑے لاڈ
اور پیار سے پلی تھی۔ اُس کی ماں نے اسکی حرکتوں پر کبھی تنقید نہ کی تھی۔ اگر
بھولے سے کوئی آپا کہہ دیتی تھی "سمجھ جاؤ ولایت" تو اُسے بڑا غصہ آتا۔ اندر
ہی اندر بل کھانے لگتی اور چپکے سے آہستہ سے کہہ دیتی "ابھی ڈھل جائیں گے
تھوڑے سے تو ہیں۔ صبح تو کھانا پکانا ہی دم نہیں لینے دیتا" اُس کا چاچا
سارے قصبے کا چودھری تھا۔ اس دفعہ تو کمیٹی کے الیکشن میں کونسلر بھی چن

لیا گیا تھا۔ اُن کے مہمان پہلے ہی کچھ کم نہ آتے تھے مگر اب تو سارا دن خاطر مدارت میں گذر جاتا۔ ان مہمانوں کی وجہ سے چودھری صاحب کئی کئی دن اپنے کھیتوں میں نہ جاتے۔ اتنے بڑے قصبے کے چودھری ہو کر جو پورا ایک چھوٹا شہر سمجھا جاتا ہے کوئی ان کے گھر سے ناراض لوٹ جائے۔ اس طرح تو عزت میں فرق آجاتا ہے۔ زمین کا کام تو چل ہی رہا تھا وہاں جانے نہ جانے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ دکھ کپڑوں کا ہو رہا تھا میں دیوار پھاند کر اندر آتی تو ولایت کپڑے دھونا بند کر دیتی۔ میں دیوار پر سے اُس کو جھانکتا لبوں پہ مسکراہٹ پھیل جاتی پھر نیچے آجاتا۔ اتنی دیر میں وہ بھی پہنچ چکی ہوتی کیونکہ دروازہ وہ ہر شام ہی کھلا چھوڑ دیتی تھی۔

"آج تو بہت دیر کر دی آپ نے؟"

"جان میرے دوست بڑی اڑیل طبیعت کے لوگ ہیں۔ کسی کو اُٹھنے ہی نہیں دیتے اگر کوئی وقت سے پہلے اُٹھ آئے تو کہتے ہیں اسے سوسائٹی مینرز نہیں آتے۔ اُن کا وقت تم جانتی ہی ہو؟ یہی رات کے بارہ ایک دو تین صبح کے چار۔ اب بتاؤ وہاں آدمی کیا کرے۔ اسی لئے میں کئی مرتبہ ناغہ کر لیتا ہوں۔ نہ وہاں جاؤں اور نہ اپنی جان کو انتظار کی زحمت اُٹھانا پڑے"

"مجھے بتاتے ہیں وہاں جانے کس کس کو مل کر آتے ہیں۔ ایسے ہی تو ساری راتیں باہر گذرتی ہیں"

"تمہاری اس کو ملنے جاتا ہوں" اس نے ہنستے ہوئے میرے گال پر زور کی چٹکی بھر دی

"میں کل سے کہیں نہیں جایا کروں گا"

میں نے اسی سنجیدگی سے کہا

"ہائے کوئی کہتی ہوں نہ جایا کیجئے" وہ متواتر مسکرا رہی تھی

"جان اس نازک انگلی کے لئے ہم ہی رہ گئے ہیں؟ بُری طرح زخمی کرتی ہو" اور پھر میں نے اُسے سینے سے لگا لیا۔

"کتنی پیاری ہو جان"

"اُف، اتنا بخار۔ ایسی حالت میں آپ اتنی دیر باہر کیا کرتے رہے ہیں؟"

میں مسکرا دیا۔ اُن دنوں شدت کی گرمی پڑ رہی تھی۔ گھر والوں نے کھانا تک بند کر رکھا تھا اور اپنی جیب میں ایک کوڑی بھی نہیں بچی تھی۔ متواتر کئی دنوں سے مارا مارا پھر رہا تھا۔ بیکاری کے طوفان اُمنڈ آ رہے تھے نوکری کیسے ملتی۔

نوکری نہ مل سکی۔ پیدل چل چل کر پاؤں میں آبلے پڑ گئے۔ نوکری پھر بھی نہ مل سکی۔ ان آبلوں میں روز اضافہ ہوتا رہا۔ بوٹ تنگ تھا۔ اس لئے اور بھی زیادہ تکلیف ہوتی۔ بوٹ گھس گیا۔ مگر اس نے میرا ساتھ نہ چھوڑا۔ وہ تنگ ضرور تھا پر میر جعفر کی طرح تنگ دل نہیں تھا۔ اس کی ڈالی ہوئی زنجیروں نے پاؤں کو جکڑ رکھا تھا وہ چھوڑتیں تو نوکری ملتی۔ یہ میں کیا ہذیان بک رہا ہوں۔ اس میں میر جعفر کا کیا قصور تھا۔ بات تو اتنی تھی دھوپ کی گرمی سے مجھے بخار ہو گیا میرے پاس دوا کھانے کے لئے

بھی پیسے نہیں تھے۔ دوا کہاں سے آتی۔ میں نے اُدھار کا علی آلو بخار کو یے لوٹے ہیں
بھگو دیا تھا۔ ولایت سے میں نے اس بات کا قطعی ذکر نہ کیا۔ ہمارے درمیان دُنیاوی
باتیں بالکل حائل نہ تھیں یہاں تک کہ گلی سے خرید کیا ہوا پاؤڈر جب ٹھیک کام
نہ دیتا تو میں اگلے دن اُسے تاجور سے کوئی اچھا سا خرید کر لا دیتا "کتنے کا آیا ہے؟ یہ
لیجئے پیسے" پیسے میں پرے پھینک دیتا اور ساتھ ہی دو چپتیں بھی رسید کر دیتا یا
پھر ایک لمبی چوڑی رقم سُنا کر کہتا کچھ میرا بھی تو بن جائے۔ ایک سٹوڈیو قائم کروں گا۔
تمہیں ڈائریکٹر بنا دُوں گا" "منظور ہے؟" "ہوں" "تو لاؤ دو بیٹیاں روپیہ"
"صبح دونگی" "اُوپر دیوار سے پھینک دینا۔ میں یہیں صحن میں بیٹھا ہونگا" "اچھا"
وہ مُسکراتے ہوئے سر ہلا دیتی۔ پیسوں والا ہاتھ میری طرف بڑھا دیتی۔ "پھر وہی بات"
میں آنکھیں دکھاتا "اب کبھی آپ سے کوئی چیز نہیں منگواؤں گی" وہ روٹھ
جاتی "منگوانا پڑا تو دے دونا"۔ اس طرح اس کے وقار کو ٹھیس پہنچتی تھی۔ ایک
چودھری کی لڑکی ہو کر وہ کسی سے کوئی چیز لے۔ میں یہ چیز بتانا چاہتا تھا کہ وہ گھر
کی مالکہ تھی۔ تمام خرچ اُسی کے ہاتھ میں ہوتا۔ میں چاہتا تو مدد دے سکتا تھا، مگر
میرا ضمیر اتنی گھٹیا حرکت برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اور یہ نوکری؟ کمبخت عجیب
شے ہے۔ جب ضرورت پڑے تو سرپٹ آگے آگے بھاگ اُٹھتی ہے میرے ساتھ تو اسے
خاص ضد تھی یوں کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ اُوپر تلے دو دو تین تین نوکریاں مل رہی ہیں۔
مگر چونکہ مُوڈ نہیں اس لئے انکار کر دیا۔ میں نے اچھی اچھی نوکریاں چھوڑ دی تھیں۔

دو دو چار چار دن کے بعد طبیعت اُکتا جاتی۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ تین سَو کی نوکری چھوڑ کر پچاس والی کر لی۔ مجھے وہ نوکریاں چھوڑنے کے بعد ذرا بھی افسوس نہ ہوتا تھا۔ میں ضمیر کو کچلنا نہیں جانتا۔ میں نے ایک ہی نادر مقولا لکھا ہے

اے طائرِ لاہوتی اُس رزق سے مَوت اچھی

جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

میری کائنات ہی دُوسری تھی۔ مجھے بورژوا طبقہ سے نفرت ہے میں لینن کا گرویدہ ہوں۔ مَیں دُور جا رہا ہوں۔ مَیں ولایت کی روداد سُنا رہا تھا۔ میں لیٹ گیا۔ ولایت میرے ہاتھ سے اپنے رُخسار سہلاتی رہی۔ پھر میری پنڈلیاں دبانے لگی۔ میں نے مسکراتے ہوئے اُس کے دونوں ہاتھ پرے ہٹا دیئے۔

یاد ہے پہلے پہل میں کہا کرتا جان بہت تھک گیا ہُوں اب ذرا ٹانگیں دبا دو "کیوں؟" "تم نے ہی تھکایا ہے نا" "اور میں نہیں تھکی؟" تم بپھرے ہُوئے لہجے میں جواب دیتیں۔ مجھے بڑا لطف آتا۔ میں روز ہی کہتا اور تم روز ہی ضد کرتیں۔ مَیں ہولے سے چپت رسید کر دیتا۔ تم مُسکرا دیتیں "دبا دُوں؟" "نہیں اب نہیں" سچ پُوچھو تو مجھے تمہاری سنگدلی ہی مرغوب ہے۔ جب تم سنگدل بن جاتی ہو تو میرا پیار سمندر کی موجوں کی طرح ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے۔ جتنا میں تجھ سے تنہائی میں پیار کرتا ہوں وصل میں تو اُس کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہوتا۔ پھر یہ ہے کہ تم سامنے آتی ہو تو ساری تکالیف کافور ہو جاتی ہیں۔ بس یہی کافی ہے کہ تم میرے سامنے

رہو۔ مجھے سادگی پسند ہے اور تکلّف سے چڑ ہے۔ میرے سامنے کبھی تکلّف نہ کیا کرو
جھوٹ کا نام تکلّف ہے۔ آرام سے یہاں لیٹ جاؤ۔ ٹھہرو پہلے اندر سے ایک گلاس
پانی لے آؤ۔ بڑی طرح پیاس لگ رہی ہے۔ لوٹے میں پڑا ہے۔ صبح جانے سے پہلے
میں نوخیز املی کنوارے لوٹے میں بھگو کر رکھ گیا تھا۔ جب یہ دو چیزیں مل جائیں تو
ساری گرمی دُور ہو جاتی ہے۔ بڑا لطف ہے اس دوا میں" بخار کافی تیز ہو گیا تھا
ہر تین چار منٹ کے بعد ہونٹ خشک ہو جاتے۔ بات چیت کرنا مشکل ہو گئی۔ سب
طاقتیں سلب ہو گئیں۔ چارپائی سے بیٹھک تک جانا جُوئے شیر لانے کے برابر تھا
جب سے گھر میں شکر رنجیاں بڑھی تھیں۔ میں نے مکان کے دوسرے حصے میں جانا
ہی ترک کر دیا تھا۔ سارے کام بیٹھک سے ہی لیا کرتا۔ ولایت کی قربت سے محفل
بدستور جمی رہی۔ جب ذرا مجھے ہوش آتا تو میرا ساقی میری دُکھتی رگ چھیڑتا

"آج نہیں کرنا"

"جی تو چاہتا ہے" میں اُس کے قریب ہو گیا "اِس میں حرج بھی کیا ہے"
اُس نے مجھے پرے دھکیل دیا "میں تو ہوں ہی پر آپ مجھ سے بھی بڑھے
ہوئے ہیں" وہ ہنستی رہی میں مسکراتا رہا۔ ہماری محبت کی تاریخ میں یہ
پہلی سنسان رات تھی جس میں اکیلی شمع جلتی رہی۔ صرف ہنسنے اور مسکرانے پر اکتفا
کیا گیا۔ صبح ہو رہی تھی ستاروں کا رنگ پھیکا پڑ چکا تھا کبھی کبھی کسی پرندے
کی آواز سنائی دیتی تو بڑی ناگوار گزرتی۔ میرے خیالات منتشر ہو گئے تھیں

سوچنے لگا۔ ایک صبح یہ ہے کہ دل میں زہر میں بجھے ہوئے تیر پھنس گئے ہیں اور ایک صبح وہ تھی کہ فضا میں گیتوں کا صارس ہوتا۔

اُن کے مکان کے سب دروازے بند تھے۔ کبھی وہ دن تھے کہ وہ سب کچھ کھلا چھوڑ دیا کرتی تھی اپنا آپ بھی اور آج یہ عالم تھا دل بُری طرح کڑھ رہا تھا۔ اچھا ہوتا اگر میں چلا جاتا اور یہ اُس سے بھی اچھا ہوتا اگر میں کبھی نہ آتا۔ اُس کا چھوٹا بھائی گلی میں پھر رہا تھا۔ اُس نے تو کہا تھا "آپا یہاں نہیں ہے" اور یہ کیسے یہاں آگیا؟ اس کا ماں کے ساتھ جانا ضروری تھا یہ پکی نشانی تھی۔ ماں چاہے چند منٹوں کے لئے ہی کیوں نہ جاتے یہ اور گود والا اُس کے ساتھ ضرور جاتے۔ جلدی میں شاید موزوں بہانہ نہ بن سکا تھا "آپا یہاں نہیں اس لئے چاچا جی جاگ اُٹھیں گے"۔ بیوقوف لڑکی۔ اگر آپا نہ ہو تو چاچا کیوں جاگنے لگے۔ پھر ماں کی نگاہیں تو بے حد کڑی ہوتی ہیں۔ خصوصاً ان معاملات میں تو خوب تعاقب کرتی ہیں۔ یہ جو دروازے بند ہو گئے ہیں اس ردِ عمل کی وجوہات کیا ہو سکتی ہیں؟ پھر نہ اپنی خیریت بتائی نہ میرے متعلق کچھ پوچھا۔ بہکے بہکے سے جوابات۔ اُکھڑی اُکھڑی سی باتیں۔ یہ سب آخر کیا تھا؟ کیا تھا یہ؟ میں سارا دن سوچتا رہا۔ شام ہو گئی۔ انتظار میں تو مجھے کئی چکر کاٹ آیا۔ وہ سوئی ہوئی تھی۔ سب سوتے تھے۔ اس ویرانے میں صرف میری محبت کے شعلوں کی چمک تھی۔ اس محبت کی تیز روشنی میں

یں ہی کروٹیں بدلنے والا تھا۔ کسی پہلو بھی چین نصیب نہیں تھا۔ ایک ایسی
رات تھی جب متواتر پوری پوری کئی راتیں جاگنے کے بعد میری آنکھ لگ گئی تھی
اس کے باوجود سوتے میں بھی کان اُسی کے پاؤں کی آواز سننے کے لئے بڑی
بے تابی سے انتظار کر رہے تھے پھر ذرا سی ٹپک کی آواز سُن کر میری آنکھ کھل
گئی تھی۔ وہ اُوپر دیوار پر لٹکی ہوئی تھی۔ میں بستر سے اُٹھا۔ سیڑھیاں ختم ہوتے ہی
کوئی چھ اِنچ چوڑی تقریباً چھ دو فٹ لمبی دیوار کو عبور کیا، ان سے جنگلے تک
پہنچا۔ اتنے میں وہ بھی نیچے آ چکی تھی۔ اُس نے میرے ہاتھ کو اپنے گداز ہاتھوں سے
پکڑ لیا۔ اس سہارے میں جنگلے کے اندر کود گیا۔

"ابکی میں تیسری مرتبہ آئی تھی" اُس نے آنکھیں دکھلاتے ہوئے کہا "کوٹھے پہ
چڑھنا کونسا آسان ہے۔ سب صحن میں سوئے ہوئے ہوتے ہیں اگر کوئی جاگ اُٹھے تو؟
آپ مزے سے سو رہتے ہیں اور میں انتظار میں جاگا کرتی ہوں کہ کب میرا چاند آئے
اور میرے سینے میں ٹھنڈک پہنچے۔ آپ تو صُبح ہی سو لیتے ہیں اور میں جاتے ہی
دُودھ بلونے بیٹھ جاتی ہوں پھر بھی آپ اس طرح گھوڑے بیچ کر سو رہتے ہیں
آج میں نے بڑے کوئلے مارے ہیں۔ صبح دیکھئے گا صحن میں کتنے ہی پڑے ہوں گے"

اچھا! مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔ میں تو جاگ رہا تھا۔ کئی متواتر راتیں جاگنے کے باعث
شاید چند لمحوں کے لئے آنکھیں بند ہو گئی ہوں مگر کان تو کھُلے تھے۔ میں سچ کہتا
ہوں میں ذرا بھی نہیں سویا۔ آنکھیں مت دکھلائیے۔ بندہ اس گناہ کی معافی چاہتا ہے ملکہ معظم،

"قیصرِ سُلطانہ!!" میں نے اُس کے گھٹنے چھوتے ہوئے سر اُس کے پاؤں میں رکھ دیا۔
اُس نے جلدی سے پاؤں پرے ہٹا کر میری پیشانی چُوم لی۔
"اِس طرح نہ کیا کیجئے۔ مجھے نہیں اچھی لگتی یہ باتیں"
"لو اور سنو۔ یہ باتیں کوئی بُری ہیں۔ کیا ہے اِن باتوں میں؟ سب ہی اپنی ملکہ سے معافی مانگ لیا کرتے ہیں۔ کوئی گناہ نہ بھی کیا ہو۔ تو بھی جُھکنا بُری بات نہیں ہے۔ اگر جھکنا بُرا ہوتا تو ہم اپنی عزّت کا پرچم اتنی آسانی سے ملکہ کے پاؤں میں نہ گراتے۔ یہ سب بوسیدہ گھسی ہوئی باتیں ہیں کہ ایک سردار جہاز پر سوار ہونے کے لئے آگے بڑھ رہا تھا کہ اُس کی نظر قومی جھنڈے پر پڑی جو جلدی میں اُس کے گزرنے کے لئے نیچے بچھا دیا گیا تھا۔ اُس کے بڑھتے ہوئے پاؤں ایکدم رُک گئے اور اُس نے اٹین شن ہو کر سیلوٹ کیا یا یہ کہ ہمارے ایک مجاہد میدانِ جنگ میں پرچم اُٹھائے جا رہے تھے کہ اُن کا ایک بازو کٹ گیا۔ انہوں نے پرچم دوسرے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ وہ بھی کٹ گیا تو انہوں نے اُسے بغل میں دبا لیا۔ جب تک خود شہید نہ ہو گئے جھنڈا گرنے نہ دیا۔ یہ گھسی پٹی باتیں ہیں تم لوگ یونہی گڑھے مُردے اکھیڑتے ہو"
"یا خدا ہی تم کے لوگ موقعہ محل بھی نہیں دیکھتے ہر جگہ صحافت چھانٹتے ہیں۔ کال کوٹھڑی دیکھنے کا خیال تو نہیں؟"
اُس نے میرے گال پر چٹکی بھر دی۔ میں نے پھر اُس کے پاؤں میں سر رکھ دیا

"یہ تو جنت ہے جان"

"ہائے مجھے بھی اپنے ساتھ گنہگار بنا رہے ہیں"

"پتہ کیوں؟ تم جنت میں چلی گئیں تو مجھ اکیلے کا دوزخ میں دل نہیں لگے گا۔ تم میرے پاس ہو گی تو ہزاروں جنتیں مل کر بھی اس دوزخ سے زیادہ راحت نہ پہنچا سکیں گی" اُس نے میرا بوسہ لے لیا

"بس اس طرح تو آپ لڑکیوں کو پھانستے ہیں"

میں نے آنکھیں دکھائیں، تو وہ مسکرانے لگی۔ لاشعوری طور پر اس کے عقیدۂ محبت کو تقویت پہنچی۔ اس نے مجھے پیار بھرے سینے سے لپٹا کر زور سے بھینچا۔ میں چلا اُٹھا

"معلوم ہوتا ہے غلام کی معافی قبول نہیں ہوئی۔ اپنا تو بھرکس نکل جائے قیصرہ سلطانہ"

قیصرہ سلطانہ ناراض ہو کر منہ دُوسری طرف کئے لیٹ گئی۔ میں نے ایک چٹکی بھری تو ایک دم بے حس ہو گئی۔ ہونٹ گلاب کی پتیوں سے پیوست ہو گئے ساری ناراضگی کافور ہو گئی۔ قیصرہ نے اپنے چھوٹے بھائی جس کو اُس کے ساتھ سونے کی بہت بڑی عادت تھی، جو اُس کی ذرا سی بھی غیر حاضری کو سوتے میں بھی محسوس کر لیتا اور رونا شروع کر دیتا تھا اُس کو چارپائی کی دُوسری طرف لٹا دیا

"ٹھیک طرح لیٹ جائیے جگہ کھلی ہو گئی ہے۔ یہ بڑا حرام زادہ ہے میرے بغیر ایک منٹ

بھی نہیں سوتا"

"آپ بھی کھل جائیے نا"

"مجھے "آپ" نہ کہا کیجئے۔ میرا نام لیا کریں"

"کیا؟"

"ولایت"

بیگم ویگم کچھ نہیں ؟ ایک نام اور بھی تو جناب نے رکھا تھا۔ کیا تھا وہ ؟ شاید بانو تھا۔ بانو سے پہلے کوئی اور حرف بھی تھا۔ کیا تھا؟"

"پتہ نہیں"

"نہیں۔ ٹھیک ہے۔ ابھی سب کچھ ٹھیک ٹھیک ہی تو رہ جانا ہے۔ آپ بھی غلط غلط سب کچھ الگ کر دیں۔ آسمان کا چاند بھی پورے شباب پر ہے اور میرا چاند بھی۔ بس آج مقابلہ ہو جائے۔ دیکھو شرماؤ نہیں"

وہ ذرا بھی نہیں شرمائی تھی۔ میں نے یونہی رسماً یہ لفظ ادا کر دیے تھے۔ میری مدد اور اصرار کے بغیر غلط غلط الگ ہو گیا۔ صرف ٹھیک ٹھیک رہ گیا۔ چاندنی میں یہ سماں بڑا بھلا معلوم دے رہا تھا۔ آسمان کا چاند شرما گیا۔ چاندنی پھیکی پڑ گئی جیسے گلاب کی وہ پتیاں جن کا سارا رس میرے ہونٹوں نے چوس لیا تھا ماہی بے آب تڑپ رہی تھی۔ صرف تڑپ رہی تھی۔ موت قریب تھی مگر ابھی ایک منزل باقی تھی۔ اس موت سے بچنے کے لئے ماہی کو آب چاہیئے تھا۔ چکور کو

چاند چاہیئے تھا۔ مجھ میں بس یہی ایک بُری عادت ہے کہ ماہی سمندر کے تڑپتے دیکھ کر حظ اُٹھاتا ہوں۔ اسی لئے تو میں بے درد کہلاتا تھا۔ میں نے تکیہ سر سے نکال کر پاؤں کی طرف پھینک دیا "ہر شے اپنی جگہ پر ہی جچتی ہے" اس وقت اچانک ہر شے اپنی جگہ پر ہو گئی۔ حالانکہ ایسی باتوں میں کبھی کبھی وہ بہت ضد کیا کرتی تھی "آپ خواہ مخواہ ہر چیز اُلٹ پلٹ کر دیتے ہیں" "اسی طرح ہو گا نہیں تو کچھ نہیں ہو گا" میں روٹھ جاتا۔ وہ میرا بوسہ لے لیتی یا گال پر چٹکی بھر دیتی " یہ ولایت ہی ہے جو یہ سب کچھ برداشت کر لیتی ہے اور کوئی ہو تو دم ہی نکل جائے بیچاری کا۔ قدر کی بیوی تو ایک دن بھی نہ نکال سکے بالکل پتلی ہے۔ چھپکلی سی" ہماری صلح بھی فوراً ہو جاتی۔ مگر آج لڑائی اور صلح کے بغیر ہی سب منزلیں طے ہو گئیں۔

"ہائے اللہ"

"بہت پرانی عادت ہے۔ چھوڑ دو اسے۔ خوانخواہ ڈرا دیتی ہو"

"مرد بڑے ظالم ہوتے ہیں۔ مطلب کے وقت پروا ہی نہیں کرتے"

"اگر مرد ظالم ہوتے تو میری جان ننگے پاؤں کوٹھے پر آ کر کوٹ نہ پہنتے۔ راتوں کی نیند حرام نہ کرتے۔ یہاں گرمی میں نہ مرتی۔ اچھا یہ بتاؤ کتنے مردوں سے ربط ضبط رہ چکا ہے"

"کیا مطلب؟"

"تم نے مردوں کا نام لیا ہے نا اس لیے پُوچھا ہے۔ سچی بات خود بخود منہ سے نکل جاتی ہے"

"آپ کو مجھ پر شک ہے نا" اُس نے منہ بنا کر آنکھیں بند کر لیں۔

"واہ۔ سچ اس طرح بڑی پیاری لگتی ہو جیسے یونان کا آرٹ ہو۔ لو اب مان بھی جاؤ ورنہ چپت لگاؤں گا"

"پتہ نہیں آپ نے کیا کر دیا ہے۔ پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا ہے۔ آپ کے بغیر ایک، ایک منٹ سالوں کے بعد گزرتا ہے۔ چاند میرے ہائے۔ بس۔ ہاتھ جڑوا لیجیے"

"جان ایک بات پُوچھوں؟ سچ سچ بتانا۔ یہ راستہ جو آپ نے مجھے بتایا ہے آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ دیکھو جھوٹ نہ بولنا۔ میں بالکل بُرا نہیں مانوں گا۔ اس راستے نے ہمارے آنے جانے میں بہت آسانی پیدا کر دی ہے ورنہ ہمارے راستے میں بڑی مشکلات حائل تھیں بلکہ ہمارا ملنا ہی ناممکن تھا۔ میرے ذہن میں تو یہ راستہ کبھی نہ آسکا؟"

"کھیلتے کھیلتے ایک دفعہ گیند گر گئی تھی۔ وہ پکڑنے گئی تھی۔ تب سے یہ راستہ معلوم ہے۔ ہائے چھوڑیئے بھی پتہ نہیں آپ کا ہے کے بنے ہیں۔ ہاتھ جوڑتی ہوں"

اس کے ہاتھ جوڑنے کے تھوڑی ہی دیر بعد سارا کھیل چوپٹ ہو گیا۔ ماہی کنارے سے پھدک کر سمندر کی گہرائیوں میں پہنچ چکی تھی۔ میں نے اُس کا پیچھا کیا۔ پھر اچانک اُس کی گیند میرے ذہن میں اُچھلنے لگی۔ "کہیں پہلے بھی یہی راستہ استعمال نہ ہوتا آیا ہو؟" یہ خیال میرے ساتھ کھٹمل کی طرح چمٹ گیا۔ فوراً ہی مجھے ایک اور خیال آیا۔ میں نے بغیر سوچے سمجھے

پوچھ لیا "جان سُنا ہے چاند زندگی میں ایک ہی مرتبہ زخمی ہوتا ہے اور گھرے خون بہہ نکلتا ہے۔ کیا شبِ زفاف ایسا ہوا تھا؟" "ہاں" مگر مجھے یقین نہیں آیا۔ شاید مجھے پہلے ہی سے پاک و شفاف چاند مل گیا ہو، شاید اس کی سرجری پہلے ہی سے ہو چکی ہو۔ میں نے بڑی غلطی کی۔ چاند کو ضرور پرکھ لینا چاہیے تھا مجھے اپنی غلطی کا پہلی بار احساس ہوا۔ پر اب تو وقت گذر چکا تھا۔ صرف ماں کی للکار گونج نہ رہی تھی حورات میرے کانوں نے سُنی تھی کہ ولایت ٹھیک کہتی ہے پر وہ للکار تو اب بھی قائم تھی۔ مرد بڑے شکی ہوتے ہیں۔ عورتوں سے بھی بڑھ کر۔ اب مجھے کچھ نہیں سوچنا چاہیے۔ سوچ اپنے وقت پر ہی اچھی لگتی ہے۔ "اگر ایسا ہوا بھی ہو تو میں اسے چھوڑ تھوڑا سکوں گا" پھر بھی میں نے یہ ہمیشہ سوچا اور ہمیشہ پُوچھتا رہا "جان بتاؤ تم نے کبھی مجھ سے پہلے بھی کسی سے محبت کی ہے؟" "کیا سوچ رہے ہیں؟ آپ چُپ چُپ سے کیوں ہو گئے ہیں؟" - اس کے جواب میں میں اُس کے اور قریب ہو گیا۔ کچھ دیر بعد جیکوار پھر چاند کی طرف جا رہا تھا۔

جب میں واپسی کے لئے موٹر میں بیٹھا تو میرا پُورا بدن سلگ رہا تھا۔ خون کی حدت سے کان کی لوئیں سخت تپ رہی تھیں اور چہرہ تو یُوں تھا جیسے جسم کا سارا خون یہیں مجتمع ہو۔ مارے اضطراب کے بُری طرح بل کھاتے جا رہا تھا کہ اچانک موٹر رُکی۔ خیالات منتشر ہو گئے۔ کارخانے کا بڑا دروازہ چوکیدار اکثر بند رکھتا۔

اس لئے میں گلی کے چھوٹے دروازے کی طرف مُڑ گیا۔ یہ دروازہ ناظرہ کے مکان کے عین سامنے تھا۔ میں نے نظر اُوپر اُٹھائی تو ناظرہ کھڑکی میں کھڑی تھی۔ ناظرہ اُس لڑکی کا نام ہے جس کی چھوٹی بہنیں مجھ سے اکنیاں لیا کرتی تھیں۔ اس کے بعد میں دروازے تک نظریں جھکائے چلا گیا۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرائی بھی مگر میں اُس کی طرف دیکھے بغیر اندر داخل ہو گیا۔ یہ دیکھنا اور نہ دیکھنا بھی عجیب قضیہ تھا جو موقعہ پر ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ بہر حال مسکرانا اُس کا معمول تھا اور نیچی نظریں کئے گزر جانا میری عادت میں شمار تھا۔

"بابو جی آ گئے" میرے اندر داخل ہوتے ہی ایک دم آلارم ہو گیا۔ کچھ وقفہ کے بعد ایک مزدور دوسرے مزدور سے کہہ رہا تھا "ہمارے بابو صاحب بڑے زندہ دل ہیں انہی کی وجہ سے پردیس میں بھی ہم اُداس نہیں ہوتے" پھر چند نوجوان مزدور جن کی رگوں میں ابھی نیا نیا خون تھا مسکراتے ہوئے میری طرف آئے سلام کرنے کے بعد اِدھر اُدھر جھانک کر پُر اسرار لہجے میں بولے "گھر میں خیریت تھی؟" "ہاں" میں نے لبوں پر مسکراہٹ پھیلانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ وہ میرے موڈ کو سمجھتے ہوئے چلے گئے۔ جب دوبارہ آئے تو میں کرسی پر اُونگھ رہا تھا "چارپائی بچھا دیں؟" "نہیں، کیا ضرورت ہے" "بچھا دو یار تھکاوٹ دور ہو جائے گی" "ہاں بھئی دو راتوں کی تھکاوٹ ہے اتنے دنوں کے بعد تو بابو جی گئے تھے پچھلا حساب کتاب بھی تو کرنا تھا" میں صرف مسکراتا رہا

پھیکی مسکراہٹ، مسکراہٹ جس کا اثر مزمل ذائقہ سے زیادہ کچھ نہ ہو مگر ان کی شوخ طبیعتیں اس طنز کا مفہوم نہ سمجھ سکیں۔ وہ اٹکھیلیاں کرتے یہ کہتے ہوئے چلے گئے "آپ ہفتے میں ایک بار ضرور گھر سے ہو آیا کریں۔ بے شک ہمارا جی آپ کے بغیر بالکل نہیں لگتا پر کسی اور کا تو لگ ہی جاتا ہے نا۔" "ہاں بھئی گھر والی کا جی لگانا ہم سے زیادہ ضروری ہے" آخری مزدور ہنستا ہوا باہر نکل گیا۔ وہ سمجھتے تھے میں شادی شدہ ہوں۔ جب ایسے رومانی ماحول میں بھی انہوں نے مجھے آئینے کی مانند شفاف پایا تو وہ یہ پوچھنے پر مجبور ہو گئے "کیا بات ہے آپ ہنسنے کھیل میں حصہ نہیں لیتے۔ وہ چاہتی ہیں اور آپ دور بھاگتے ہیں" "میں اس لئے ان میں دلچسپی نہیں لیتا کہ یہ سب میری بیوی کے پاؤں کی خاک جیسی بھی نہیں ہیں۔ میری بیوی اتنی خوبصورت ہے کہ تمہارے اللہ میاں کی جنت میں بھی کوئی حور نہ ہوگی اور وہ مجھے مجھ سے بھی کہیں زیادہ چاہتی ہے میرے انتظار میں لمحے گنا کرتی ہے، جب تک میں گھر نہ پہنچوں آنکھ نہیں جھپکتی۔ اگر کبھی بڑے سے نیند آ بھی گئی ہو تو اس نے اس حالت میں بھی مجھے بتا دیا آپ اتنے قدم چل کر آئے ہیں۔ بتاؤ کسی انسان کا ضمیر اجازت دے سکتا ہے کہ ایسی بیوی کے ساتھ دھوکا کرے۔ ایسی حالت میں تو درندے بھی شرم محسوس کریں۔ پھر مجھ میں یہ بھی بڑی عادت ہے کہ جو کچھ کرتا ہوں جا بیوی کو بتا تا ہوں" یہ تھا میرا جواب جو میں نے لکھ دیا تھا۔ اس میں بال برابر بھی جھوٹ نہیں تھا!

ولایت کو میں نے بیوی کا درجہ ہی نہیں دیا تھا بلکہ ایک اعلیٰ و ارفع مقام پر لا بٹھایا
تھا۔ کبھی کبھی مجھے اپنے آپ پر ہنسی بھی آتی۔ میرا بالکل اُس بڑھئی کا سا حال تھا
جو سارا دن گلیوں بازاروں میں منجی پیڑی ٹھوکا ٹھاک کرنے کے عوض جو کچھ ملتا، جیب
بیوی کے سامنے کر دیتا۔ "نکال لو جو کچھ بھی اس میں ہے میرے لئے تو چھوُر (سؤر)
ہے میں ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ اگر اُس کی بیوی گوشت پکا لیتی تو وہ کہتا "میرے
لئے تو یہ کھانا چھوُر ہے تم ہی کھاؤ"۔ یہاں تک کہ اُس نے کھانا بھی چھوڑ دیا۔ اسکی
بیوی گوری بھی تھی جوان بھی تھی اور آزاد بھی۔ بڑھئی گلیوں میں مارا مارا پھرا
کرتا اور اس کی پیڑی گھر بیٹھے ہی مرمت ہو جاتی۔ میں یہ بتانا تو بھول ہی گیا میرا
جواب سن کر ایک مزدور جو اس کارخانے میں سب سے پرانا کام کرنے والا تھا چلا
اُٹھا "بابو جی یہاں سے کبھی کوئی بچ کر نہیں گیا" میں مسکرا دیا "بھائی میرے تم
ٹھیک کہتے ہو پر وہ بابو اور ہوتے ہیں۔ ہم نے تو گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ بچپن
ہی سے پردیس میں زندگی گزر رہی ہے" یہ جواب سن کر سب خاموش ہو گئے اور میں
اپنے رجسٹروں کی ورق گردانی کرتا رہا تھا۔ اُسی دن سے وہ مجھے شادی شدہ سمجھتے
تھے اور اسی رشتے سے قیاس آرائیاں کرتے رہتے۔

اس کے اگلے روز کارخانے میں داخل ہونے سے پہلے میرے کان میں بھنک سی پڑی۔
ناظرہ کی ماں نے سرگوشیانہ انداز میں کہا "بڑا شریف ہے" میں حسب معمول نظریں
جھکائے اندر داخل ہو گیا۔ کھڑکی میں ناظرہ اور اس کی ماں کھڑی تھی دُور کونے میں

نے گلی کے سرے ہی سے دیکھ لیا تھا۔ بڑی دیر کے بعد تھوڑی سی مسرت ہوئی کہ چلو ولایت نے اگر مجھے آلودہ سمجھا دوسرے لوگ تو تمام آلائشوں سے پاک سمجھتے ہیں اس کے بعد فوراً ہی تلخی نے میرے ذہن میں جگہ لی ماں اپنی جوان بیٹی کا دھندا خود اپنے ہاتھوں چلا رہی ہے ۔ میں نے سُنا تھا ناظرہ کا باپ سو روپے گھر بھیجا کرتا ہے کسی شہر میں آڑھت کی دکان کرتا ہے ۔ یقین نہیں آرہا تھا۔ بچوں کے بدن پر ہمیشہ چیتھڑے ہی ہوتے۔ بڑا حیران کُن معاملہ تھا آجکل ہر بات میں الجھاؤ ہے یہی سوچتا میں اندر داخل ہوگیا تھا۔ آج اُجرت دینے کا دن تھا اس لئے پہلے ہی سے کافی عورتیں میرا انتظار کر رہی تھیں ۔ خیالات میں تسلسل نہ رہا۔ میں دفتر کے کام میں مصروف ہوگیا۔ اکاؤنٹ کلرک نے حساب جوڑ رکھا تھا۔ میں نے رجسٹر اُس سے منگوا لیا اور انگوٹھے لگوا کر پیسے دیتا گیا ۔ ایک لڑکی رہ گئی جو پہلے بھی اُن عورتوں میں موجود تھی پھر جانے کہاں غائب ہوگئی اب جبکہ سب جا چکیں تو اٹھلاتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

"کیا نام ہے تمہارا ؟" میں نے ذہنی کوفت دور کرنے کے خیال سے ذرا دلچسپی کا اظہار کیا۔

"بشیری" اُس نے مجھے اپنی طرف گھورتے دیکھ کر گلے میں لٹکا ہوا دوپٹہ سینے پر پھیلا لیا۔

اسے میں نے پہلے بھی دو ایک مرتبہ نوٹ کیا تھا۔ یونہی کسی نہ کسی بہانے بیٹھی رہتی۔

بعض اوقات ضرورت کے بغیر بھی چکر لگا جایا کرتی۔ اُس کا رنگ میلا تھا مگر عنفوانِ شباب تھا، تازہ خون کی وجہ سے چہرہ نکھرا نکھرا معلوم دے رہا تھا۔ بدن میں بھی کافی تناسب تھا۔ ہر شے اپنی اپنی جگہ پر خوب جب رہی تھی۔ آنکھیں چار ہوئیں تو وہ کچھ گھبرا گئی۔ جھجک کو چھپانے کے لئے بولی

"ریٹ بڑھا دیجئے نا۔ کام کرتے کرتے بانہیں چُور ہو جاتی ہیں۔ مزدوری کچھ بھی نہیں بنتی"

"تم بناتی ہی نہیں ہو۔ مزدوری تو بہت بن سکتی ہے۔ لاؤ انگوٹھا"

میں نے انگوٹھا رجسٹر پر زور سے دبا دیا "سی" اُس کے منہ سے خود بخود نکل گیا۔ وہ مُسکرا رہی تھی۔ اُسی لمحہ ایک لمبی تان اُٹھی "ہائے جدایاں پے گیاں" میرے ہاتھ سے اُس کا انگوٹھا خود بخود چھوٹ گیا۔ جسم کا خون جو کھولنے لگا تھا سرد پڑ گیا۔ میں نے جلدی سے پیسے اُس کے حوالے کئے اور کرسی سے ٹیک لگائے گہری سوچ میں پڑ گیا "جدایاں پے گیاں" یہ جدایاں کیوں پڑی تھیں؟ ان جدائیوں کو روکنے کے لئے تو میں نے دیوارِ چین سے بھی بڑی خلوص کی دیوار تعمیر کی تھی، محبت کا یہ محل تو خالص سچائی پر استوار کیا گیا تھا۔ پھر یہ جُدایاں کیوں پڑی تھیں؟ محبت کی پُرخلوص دیوار، نہ جانے کس خبیث نے شگاف کر دئے۔ کس کے دھوکے سے یہ سب کچھ ہوا؟ میں نے کہا بھی تھا "کسی کی دوستی سے سارے زمانے کے دلوں میں خواہ مخواہ آگ کے شعلے بھڑک اُٹھتے ہیں۔ زمانے کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ غلط سلط

باتیں بناکر بگاڑ پیدا کر دیا جائے۔ خدا نہ کرے اگر کبھی تم میرے متعلق کسی غلط فہمی میں مُبتلا ہو جاؤ تو مجھ سے ضرور بات کرنا تاکہ اُسی وقت معاملہ صاف ہو جائے" اُس نے فوراً سر ہلا دیا تھا "اچھا" مگر "اچھا" تو اُس نے اس وقت بھی کہا تھا جب میں نے اُس سے کہا "الو" کو مجھ سے ملا دو۔ صرف ایک بار۔ پھر میں تمہیں کبھی نہ کہوں گا اور دیکھو یہ بات میں نے تم کو ہی بتائی ہے کسی کو بتانا نہیں ورنہ میں تم سے بھی کبھی نہ بولوں گا" اچھا کہنے کے باوجود بھی اُس نے اپنی ماں سے سب کچھ کہہ دیا تھا۔ الو اُس کے ماموں کی لڑکی تھی اور الو کے بارے میں مَیں نے خود ہی اُسے بتا دیا تھا کہ جب تم کھڑکی میں کھڑی میرا انتظار کیا کرتی تھیں یہ بھی اُوپر والی چھت پر کھڑی ہوتی۔ تمہاری نظر وہاں تک نہ پہنچتی تھی۔ میں تم دونوں کو دیکھا کرتا۔ تم سمجھتیں میں تمہارے لئے پھر رہا ہوں، وہ سمجھتی کہ میرے لئے گلی کے چکر لگائے جا رہے ہیں۔ ایک مرتبہ وہ نیچے بھی آگئی۔ اُن دِنوں یہ حصّہ خالی پڑا تھا۔ آپ شاید مکان کی مرمّت کروانے والے تھے۔ میں بھی اندر داخل ہو گیا۔ تمہیں معلوم نہیں تھا کہ وہ کیوں نیچے گئی ہے پھر بھی جانے تم نے کیوں آواز دے دی "الو اُوپر آجاؤ۔ تمہارا بیڑا غرق ہو جائے ننگے پاؤں ہی بھاگ جاتی ہے" وہ فوراً ہی اُوپر بھاگ گئی مجھے بڑا غصہ آیا۔ کبھی اُس وقت تم نیچے آجاتیں تو دو چپتیں ضرور انعام کے طور رسید کرتا۔ آج میں تمہیں اس کی ایک ایک بات بتاتا ہوں پر ناراض نہ ہونا۔ دیکھو دوست جیسی دُنیا میں کوئی شے نہیں نہ ماں، نہ باپ

نہ بھائی۔ دوست ہی ایک ایسی شخصیت ہے جس سے ہر قسم کی گفتگو کی جا سکتی ہے
میں تمہیں اپنا دوست سمجھتا ہوں۔ اور تم سے ایک اچھے محسن کی اُمید رکھتا ہوں"
وہ ہمہ تن گوش ہو کر سب کچھ سُنتی رہی۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے
کہا۔

"آج میں تمہارے کوٹھے پر گیا تھا"

"کیوں ؟"

انو دیر سے دھوپ میں کھڑی میرا انتظار کر رہی تھی۔ میری دلی خواہش تھی کہ
وہ یہاں سے چلی جائے۔ آس پاس سے کوئی بھی دیکھ لیتا تو کیا خیال کرتا۔ اگر آپا جی
ہی اس طرف آ نکلتیں ؟ وہ تو اپنی جگہ سے ہلتی ہی نہیں۔ بس بُت بنے کھڑی رہتی
ہے جیسے اس دُنیا میں کوئی شکوہ و شکایت کرنے والا ہے ہی نہیں۔ جب کافی دیر کے
بعد بھی وہ نیچے نہ اُتری تو میں بھی اپنے کوٹھے پر چڑھ گیا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ
سیڑھیاں اُترنے لگی۔ میں نے سوچا آج اس سے کوئی بات ہی کی جائے۔ اُس نے
ابھی آدھی سیڑھیاں ختم کی ہونگی کہ میں نے آپ کے صحن میں چھلانگ لگا دی۔ وہ
دوبارہ اُوپر چڑھ گئی۔ میں بھی اپنے کوٹھے پر واپس آگیا ۔اس کے بعد میں نیچے
اُتر آیا اور وہ بھی چلی گئی۔ سچ پُوچھو تو وہ تم سے بھی پہلے کی میری آشنا ہے
۔بیچاری جب بھی آتی ہے کھانس کر متنبہ ضرور کر دیتی ہے مگر پتہ نہیں مجھ سے
آنکھ کیوں نہیں ملاتی۔ یوں کافی دیر تک ٹکٹکی باندھے مجھے دیکھا کرتی ہے لیکن

جب میں نظر اٹھاؤں تو فوراً دھیان دوسری طرف کر لیتی ہے۔ عجیب لڑکی ہے۔
میں تو اُسے آج تک نہیں سمجھ سکا۔ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "جان اگر تم اُس
وقت اُدھر آجاتیں تو؟"

"آپ کو تو کچھ نہ کہتی اُس کی چٹیا پکڑ کر خوب گھماتی۔ اب اُسے کبھی نہیں یہاں
آنے دوں گی"

"کیوں؟ اُس کا دل نہیں چاہتا؟ ہر انسان کے پاس دل ہوتا ہے"

"آپ ٹھہرے سیلانی آدمی۔ اگر اس طرح کا ایک اور موقعہ آپ کو مل گیا تو میں پھر
اُسی کی جان کو رویا کروں گی"

"یہ تو بہت بڑی بات ہے۔ تمہیں تو اس لئے بتایا تھا کہ تم میری مدد کرو گی۔
تم نے پڑھا بھی ہو گا دوست وہ جو مصیبت کے وقت کام آئے۔ مگر تم اُلٹا بنا
بنایا کھیل بگاڑ رہی ہو۔ میں تم سے زیادہ نہیں چاہتا صرف ایک دفعہ ملاقات۔
کل دوپہر جو تمہارے جی میں آئے کرنا۔ کرواؤ گی نا؟"

"ہاں"

"تمہارے منہ میں گھی کا کنستر۔ شاباش۔ فرمانبرداری اسی کا نام ہے۔ اللہ سب
کو ایسی بیویاں عطا فرمائے"

آپ کی پسند کی داد دیتی ہوں۔ پہلے مجھے پسند کیا۔ پھر اُس حرامزادی کو۔
جتنی لمبی اتنی ہی چوڑی ہے۔ پکوڑا سی ناک موٹے موٹے ہونٹ، پیلے دانت، رنگت

جیسے ہنڈیا کا بینگا"

"جوانی؟ اس کا بھی نام لونا۔ واہ اللہ کیسی لطیف شے ہے۔ نام لیتے ہی منہ میں پانی بھر آتا ہے"

خاک جوانی۔ مجھ سے کتنی ہی چھوٹی ہے۔ میں تو حیران ہوں اُسے کہاں سنا بھی آ گیا۔ ابھی تک مجھے تو آیا نہیں۔ سچ کئی دفعہ برآمدے میں کھڑی ہو کر کوشش کرتی ہوں کہ کھانسوں پر آتا ہی نہیں پھر حلقوں وغیرہ سے کھڑکھڑاہٹ پیدا کرتی ہوں"

اس کے بعد میں روز ولایت سے پوچھا کرتا۔ جان بوجھ کر چھیڑتا۔ "جان بُلا دو نا اُسے۔ اُس کے بغیر جی اُداس اُداس سا رہتا ہے۔ کب آئے گی وہ؟" "پتہ نہیں" "بلا دو نا اُسے" "میں کیسے بلاؤں؟"

"تمہاری سہیلی ہے تمہاری بہن ہے تم بڑی آسانی سے بُلا سکتی ہو۔ ابکی اُسے پورا ایک مہینہ یہاں رکھنا اگر تم نے پہلے بھیجا تو پکڑ کر اسی پہ ناک مروڑا کروں گا" وہ ہنستی رہتی۔ دو ایک ملاقاتوں کے بعد ایک دن ولایت نے خود ہی الو کا ذکر چھیڑ دیا" آپ کو الو کی ایک بات بتاؤں؟" "ہوں" اُس نے کہنا شروع کیا "الو کے مکان کے سامنے ایک لڑکا رہتا ہے آوارہ سا ہے۔ کسی کارخانہ میں مزدوری کرتا ہے۔ یہ دونوں گھنٹوں ایک دُوسرے سے اشارے کرتے۔ صبح جب الو سکول جاتی تو وہ بھی ٹیفن اُٹھائے پیچھے پیچھے چلا جاتا۔ ایک دفعہ میں اُن کے گھر گئی ہوئی تھی۔ ہم سب دُوسرے

کمرے میں تھے۔ میں نے کھڑکی کے باہر جھانکا تو وہ کسی کو اشارے کر رہا تھا پہلے تو میں کچھ نہ سمجھی جب دو تین دن یہی کچھ ہوتا رہا تو ایک دن میں نے اُٹھ کر سب کچھ دیکھ لیا۔ میں ملحقہ کمرے میں پہنچی تو وہ اُس کے اشاروں کا جواب سینے پر ہاتھ رکھ رکھ کر دے رہی تھی۔ میں دروازے سے ہی لوٹ آئی اور اُس کی ماں کو بتا دیا۔ پھر مس انور پہ خوب جُوت چلا۔ اب وہاں اُس کی ماں اُسکی بہنیں اُس کا دھیان رکھتی ہیں اس لئے اُسے یہاں آکر عشق کی سوجھی ہے۔

"میں اس حرامزادی کو کبھی نہیں آنے دونگی"

"ہُوں نہیں آنے دو گی۔ نہیں آنے دو گی ؟" میں نے رخسار کا گلاب دانتوں تلے دبا لیا

"نہیں"

"اب ؟" میں نے دانتوں کو ذرا اور دبایا

"نہیں" وہ متواتر مسکرائے جا رہی تھی

"اب ؟" میں نے زور سے دبا دیا

"ہائے اللہ۔ نشان پڑ جائے گا"

"پڑ جائے۔ مجھے کیا"

"آنے دونگی" اُس نے درد کی تاب نہ لاتے ہوئے کہہ ہی دیا

"لاتوں کے بھوت بھلا باتوں سے کب مانتے ہیں" ہم دونوں دیر تک

ہنستے کھیلتے رہے۔ چاند اور چکور کا کھیل۔

پھر چند دنوں کے بعد ولایت کا رقعہ آیا۔ جس میں لکھا تھا "بہن جی کی لڑکی نے (بہن جی ہمارے محلے میں ایک بیوہ عورت ہے جسے سارا محلہ اسی نام سے پکارتا ہے) اُسے اور آپ کو کوٹھے پر کھڑے دیکھ لیا تھا۔ وہ ہمارے گھر شکایت لے کر آئی تھی میں نے اُسے بہت منع کیا کہ وہ آپا کو نہ بتائے۔ مگر اُس نے بتا ہی دیا۔ اب آپا کہتی تھی کہ میں اُسکی ماں کے پاس جاؤں گی تمہاری لڑکی اگر کھڑی بھی تھی تو وہ اس طرح سے کیوں آیا" اگر آپ سے پوچھا گیا تو آپ کیا جواب دیں گے؟ جب وہ بات کو میرے پاس آئی تو میں نے کہہ دیا تمہاری آپا آئے گی نا تو میں کہہ دوں گا کہ میں تو ولایت سمجھ کر گیا تھا۔ تم اپنی حرکت سے باز نہیں آئی نا؟" آپا نے "یہ آپا کی گھوڑی" میں نے اُسے ایک چپت رسید کر دی "میں نے کبھی کسی سے مار نہیں کھائی تھی۔ آپ تو روز ہی کتنی چپتیں مار لیتے ہیں" تم کام جو اُلٹے کرتی ہو۔ تمہیں اللہ نے اتنا بڑا سر تو دے دیا جانے عقل کیوں نہ دی۔ تمہیں اپنی آپا کو بتانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ "سچ میں نے نہیں بتایا" تو تمہارے چاچا نے بتایا ہوگا وہاں کھڑا تو میں اُسے نظر ہی نہیں آ سکتا۔ اُن کی کھڑکی کے آگے خان صاحب کے مکان کی دیوار آ جاتی ہے۔ یہ سُن لو اگر تمہاری آپا ہمارے گھر آئی تو میں ضرور تیرا نام لے دوں گا۔ پھر جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ اُس نے یہ سب کچھ گھر میں اپنا سکہ بٹھانے کی خاطر سوچا تھا۔ میرا خیال ہے ابھی اُس نے بتایا نہیں تھا کیونکہ فیصلہ میرے جواب پر ہونا چاہئے تھا۔ جب میں نے اُسے یہ دھونس دی

پھر نہ اُس کی آپا ہمارے گھر آئی اور نہ ہی کبھی انو دکھائی دی۔ یہ ولایتو بڑی حرامزادی نکلی۔ اُس کے تریا چلتر کا آج پتہ چل رہا تھا۔ جن باتوں کو میں نظر انداز کر دیا کرتا آج اُن کی اہمیت معلوم ہو رہی تھی۔ اُس نے اپنے وقار کے لئے مجھے برباد کر دینا چاہا ڈھول کا پول اب کھل رہا تھا۔

---

ڈھول کا پول اُس وقت بھی کھل گیا جب بشیری کی سہیلی شیداں نے بتایا کہ "بشیری کو پانچ جماعتیں پڑھی ہوئی ہے نقشے بازی کر لیتی ہے لیکن آپ کے سامنے رجسٹر پر دستخط نہیں کر سکتی" بشیری نے اس کی چٹیا زور سے کھینچی "تیری باتیں بھی بتا دوں گی" "ہجا بتلاؤ" اُس نے رونی صورت بنا لی" بشیری مجھ سے کافی کھل گئی تھی۔ اُس کا بہت سا وقت میرے کمرے میں ہی گذرتا۔ پر ناظرہ کی چھوٹی بہن بھی جبرائیل سے کم نہیں تھی عین وقت پر آ وارد ہوتی۔ "آپی نے کہا ہے ترازو دو؟" "ترازو؟" مجھے سخت غصہ آتا۔ کلیجہ شق ہو جاتا۔ "ترازو تو اس دُنیا کے مالک کے پاس بھی نہیں ہے تمہیں کئی مرتبہ سمجھایا۔ تم سمجھتی ہی نہیں ہو۔" "دیجئے بھی" "جاؤ نا بابا جو کچھ میں نے کہا ہے جا کر کہہ دو۔ خوا مخواہ سر کھاتی ہو۔ بڑی بیوقوف ہو۔ بات سمجھتی ہی نہیں ہو" ہم ایک آدھ بات بھی نہ کرنے پاتے کہ وہ پھر آ جاتی آپی کہتی ہے جلدی ترازو دیجئے میں نے آٹا تولنا ہے اتنا سارا سکول کا کام بھی پڑا ہے" "آٹا تولنے والا ترازو میرے پاس کہاں ہے؟" جا کر کہنا ٹھنڈے پانی کا گلاس پی کر پیغام بھیجا کرے۔ پھر میں بشیری سے باتیں شروع کر دیتا۔ اُس کے کپڑوں سے پسینے

کی متعفن بدبو۔ ایوننگ ان پیرس سے زیادہ کشش ہوتی کبھی میں قریب سے سونگھ لیا کرتا۔ اچانک
اُس کی ماں آجاتی۔ تیز تیز چلتی ہوئی سانسیں رُک جاتیں۔ اُس کی ماں بھی مسکراتی ہوئی
میرے قریب بیٹھ جاتی گھنٹوں میرے پاس بیٹھی رہتی۔ کئی مرتبہ کچھ کہتے کہتے رُک
جاتی۔ اُس کی بے زبانی بھی ایک زبان رکھتی تھی جب وہ دونوں میرے پاس ہوتیں
تو وہ رکشا پے سے لمبی لمبی تانیں اُٹھا کرتیں "پے گیاں جُدایاں۔ ہلئے" اُس کی اس
لمبی ہلئے سے میرا رواں رواں کانپ اُٹھتا۔ اُسکی آواز میں سوز کوٹ کوٹ کر بھرا
ہوا تھا۔ میرا جی چاہتا وہ سارا دن ہی گاتا رہے۔ جب وہ خاموش ہو جاتا تو یہ بول
خود بخود میرے ہونٹوں پر آجاتے۔ پھر میں ایک سانس بھر کر دیر تک اپنے ماضی
کی گہرائیوں میں ڈوب جاتا۔ اس کاریگر سے مجھے بہت زیادہ ہمدردی تھی۔ رشتہ داروں
میں ہی سے اُس کی ایک منگیتر تھی۔ اُس کا اُس کے ساتھ یارانہ بھی تھا۔ جب اُسکے
عزیز و اقارب کو اس بات کا پتہ چلا تو رشتہ منقطع کر دیا گیا۔ اُس کا کہیں در بیاہ
ہو گیا۔ اُسے یہ روگ گھن کی طرح کھائے جا رہا تھا۔ وہ اس غم کو کسی طرح بھلا دینا
چاہتا تھا۔ اُس نے اس کا تریاق یہ سوچا کہ کہیں شادی کر لینا چاہیئے۔ وہ میرے
پاس چلا آیا "اگر آپ ایک کام کروا دیں تو آپ کا احسان کبھی نہ بھولوں گا"
اس میں مجھے اعتراض ہی کیا تھا میں نے بے جھجک بشیری کی ماں سے کہہ دیا "میرا
ایک آدمی ہے رشتہ چاہتا ہے کہو تو اچھا رہو گی" "کون ہے وہ؟" بشیری
نے بھی ناک منہ چڑھاتے پوچھ ہی لیا "ساتھ والے کمرے میں چلی جاؤ کونے میں

بیٹھا کام کر رہا ہے۔ نہیں۔ ٹھہرو۔ میں اُسے نہیں بلاتا ہوں۔ وہ آتے ہی سب کچھ سمجھ گیا "دانت مت نکالو" وہ پھر بھی ہنستا رہا۔ اس نے یونہی کچھ ہدایات دے کر واپس بھیجدیا۔ "یہ تو ریچھ ہے۔ سارے بدن پر سر سے پاؤں تک گھنے لمبے لمبے سیاہ بال مجھے تو دیکھ کر ہی ڈر لگتا ہے" "چل چڑیل" میں نے بشیری پر تیز نظریں جما دیں۔ اُس نے سینے کے زیر و بم کو دوپٹے سے ڈھانپ لیا۔ اس کی ماں کہنے لگی "میں تو جلاہے کو اپنی لڑکی نہیں دیتی۔ میری بھی پڑھی ہوئی ہے۔ میں تو چاہتی ہوں کوئی پڑھا لکھا ہو۔ آپ کی طرح کسی کارخانے کا بابو ہو" مطلب صاف تھا۔ میں نے کہا ابھی گھر جاؤں گا تو اپنی بیوی کو کہوں گا ایسا کوئی رشتہ نظروں میں رکھے" اس کے بعد وہ چپ کسی گہری سوچ میں مستغرق ہو گئی۔ بشیری جس شخص سے رقعے بازی کرتی تھی وہ نانبائی کی دکان کرتا تھا۔ اُس کے پاس سات سو روپے نہیں تھے۔ اس لئے بشیری کے نجومی باپ نے اُسے اپنی لڑکی دینے سے انکار کر دیا تھا۔ کیونکہ اگر اُس کے باپ کے پاس سات سو روپے آجاتے تو وہ کپڑے کی چھوٹی سی دکان کھول سکتا تھا۔ وہ سارا دن پوسٹ آفس کے پاس فٹ پاتھ پر بیٹھا بیٹھا تھک جاتا تھا۔ کسی دن چند آنے مل جاتے اور کبھی وہ بھی نصیب نہ ہوتے۔ فاقہ ہی کرنا پڑتا۔ یہ بھی ایک عجیب سلسلہ ہے۔ جس کی ہر کڑی پُر اسرار ہے۔

ان پُر اسرار کڑیوں کا میں الگ الگ مشاہدہ کرنا چاہتا تھا۔ چند ایک نوجوان

لڑکیاں آیا کرتی تھیں۔ میں نے اُن کو مزدوری کے لئے کام زیادہ دینا شروع کر دیا
یہ اُن پر بڑا احسان تھا۔ کام کرنا پیسے لینے احسان کس بات کا؟ یہ کسی اور ملک
کی داستان ہوگی۔ کام ملتا ہی کہاں ہے؟ تھوڑے دنوں کے بعد عمر رسیدہ عورتیں
آڑے میں تنگ رہ گئیں۔ کیونکہ اُن کا کام گھٹتے گھٹتے بالکل گھٹ گیا تھا۔ کبھی کبھی ناغہ
بھی ہو جاتا۔ میرا ذرا سا رجحان بدلتے ہی سارا ماحول بدل گیا۔ نوجوان لڑکیوں کو
مزدوری زیادہ مل جاتی مگر صرف کام کی۔ دوسری بچاریوں کے حصے میں جب بہت
تھوڑا کام رہ گیا تو ایک عورت یہ کہنے پر مجبور ہو گئی "بابو جی میری دھی بھی
کہتی تھی میں بھی کارخانے میں جایا کروں گی۔ برقعہ اوڑھتی ہے۔ میں نے کہا
برقعہ پہنے کام کا گٹھڑ سر پر۔ اُس لئے انسان بہت بڑا لگتا ہے۔ اُسے بہت منع
کیا ہے وہ مانتی ہی نہیں۔ ضد کرتی ہے۔ اگر آپ کچھ کام دے دیا کریں تو میں
کل سے اُسے بھیجا کروں" مجھے اُس کی بیچارگی پر افسوس بھی ہوا اور سخت صدمہ بھی
پہنچا۔ میں اصل معاملہ سمجھ گیا۔ اس لئے میں نے اُسے اُسی دن سے کام زیادہ
دینا شروع کر دیا۔ میری اس نئی روش پہ مزدوروں کی خوشی نظر آرہی تھی۔ چند
عقلمندوں نے تو جذبات کے ریلے میں بہہ کر یہاں تک کہہ دیا۔ اب آپ نے بڑا اچھا
انتظام کیا ہے۔ سب کارخانوں میں ایسا ہی ہے۔ تمام کارخانوں میں جوان لڑکیاں
جاتی ہیں۔ کچھ کنواری کچھ بیاہی ہوئیں۔ سارے کارخانوں میں یہی ایک کارخانہ
ایسا تھا جس میں بوڑھی عورتیں آیا کرتی تھیں۔ میں نے انہیں جھڑک دیا "ہر وقت

بکواس مت کیا کرو۔ جاؤ اپنا کام کرو" وہ سر نیوڑھائے باہر نکل گئے" آج پتہ نہیں کیا بات ہے؟" ایک نے دوسرے سے پوچھا" گھر گئے دیر ہو گئی بابو جی کو" دوسرے نے مفکرانہ رائے قائم کی۔ ایک اور نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا" بچارے اُداس اُداس رہتے ہیں۔ ان کو ہفتے میں ایک مرتبہ ضرور گھر بھیج دینا چاہیے۔ سب مل کر مجبور کیا کرو کہ چھٹی کے دن گھر سے ہو آیا کریں" واقعی میری طبیعت میں کچھ چڑچڑا پن پیدا ہو گیا تھا

لڑکیاں آتی رہیں میرا مشاہدہ جاری تھا ایک دن تنہائی میں ایک لڑکی میرے پاس آئی۔ یوں کپڑے پہنے ہوئے تھے مگر ننگی ہی تھی۔ میلے کچیلے بدبو دار چیتھڑوں میں چھاتیوں اور رانوں کی نمائش ہو رہی تھی۔ بڑی معصومیت سے کہنے لگی "بابو جی بڑے چکر لگانے پڑتے ہیں کام پھر بھی نہیں ملتا۔ کہیں سے بھی نہیں ملتا اگر آپ"

اُس کا فقرہ پورا ہونے سے پہلے ہی میں نے پوچھ لیا "تمہارا خاوند کیا کام کرتا ہے؟"

"کچھ نہیں"

"کیوں؟"

"کام ملتا ہی نہیں۔ بابو جی بہت ڈھونڈتا ہے نہیں ملتا"

"اِدھر آؤ بیٹھ جاؤ"

"میری ماں پیچھے آرہی ہے"

"کوئی حرج نہیں!"

اُسی ساعت میں نے دُودھ کی چپچپاہٹ محسوس کی۔

"چھوڑ دیجئے میرے کپڑے خراب ہو جائیں گے"

"اور بنا دوں گا۔ میرے ساتھ چلو گی"

"اب نہیں"

"پھر کب؟"

"چالیس دن بعد"

"اچھا"

"ایک چونی دیجئے"

"صرف چونی"

"شام کے لئے آٹا نہیں ہے"

وہ چلی گئی اور میری آنکھوں میں خون کے آنسو اُتر آئے۔ مجھے نہیں پتہ تھا مفلسی اتنی بُری ہوتی ہے۔ اُف اس قدر موحش بھیانک میں تو تخیل ہی سے حالتِ رعشہ میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔ میں خفت محسوس کرتے ہوئے اپنے آپ کو سرزنش کرنے لگا۔ مجھے ایسا مشاہدہ ہرگز نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ ان کیڑوں کو اسی طرح پڑا رہنے دو۔ میں ان کو چھُونا بھی نہیں چاہتا۔ یہ تو نری مردہ ہے" میں نے

سوچا تھا ان کڑیوں کی زنجیر بنا کر سرمائے کی خوبصورت گردن میں پہنا دوں گا مگر سرمائے کا اثر تو ان بدقسمتوں کی نس نس میں خون کی ایک ایک بوند میں رچ چکا ہے۔ غلامی کا زہر اُن کی ہڈیوں تک میں سرایت کر گیا ہے۔ احساس کا نام و نشان نہیں رہا۔ عزت کا لفظ ان بیچاروں کی لغت میں ہی مفقود ہے۔ ان کی حسرتیں ان کے چہروں کی طرح زرد ہو کر خاک میں مل چکی ہیں۔ اس کے باوجود سرمایہ اور سماج کی اصطلاح میں ہڈیوں کے یہ ڈھیر قوم کے ناسُور ہیں۔ گھٹیا سا پیٹ لیے مارا مارا پھرنا انہیں کس نے سکھایا؟ ان کے خُون سے پچکاریاں بھر بھر ہولی کس نے کھیلی؟ اُن کی معصوم اُمنگیں کن کے محلوں میں مسلی گئی ہیں؟ یہ سب کچھ میں بتانا نہیں چاہتا انہیں میری ضرورت نہیں۔ تیز تیز نشتروں کی ضرورت ہے اقتصادیات کے ایسے ماہر کی ضرورت ہے جو بیچارگی کا قلع قمع کر سکے۔ اُف۔ تو یہ بیچارگی کس قدر بھیانک شے ہے۔ اگر آج بھی اس بیچارگی کا تریاق ہو سکے تو کئی خاندانوں کی عزت بچ جائے کئی اذلی بیماریاں رُک جائیں۔ "چپڑاسی" میں چلایا سوچ سوچ کر میرے ذہن کے تقاضے سوکھ گئے تھے۔ چوکیدار کو کہہ دو "کل سے کوئی جوان لڑکی اندر نہ آئے" ضبط کی طنابیں ٹوٹ گئیں۔ احساس کا کرب گھٹتا ہی نہ تھا۔ میں پھر سوچنے لگا اگر مجھے کوئی ایسی شے مل جائے جو ان سب کے دکھوں کا مداوا ہو تو میں ڈکیتی سے بھی گریز نہ کروں۔ اُف۔ میں نے خوا مخواہ مصیبت مول لے لی۔ مجھے کس نے کہا تھا مشاہدہ کرو۔ اُف۔ توبہ۔ توبہ سر میں شدید درد

شروع ہو گیا۔

اس درد کے علاوہ دل کا درد بھی تھا جو ابھی تک کم نہ ہوا تھا۔ دو ہفتے گزر چکے تھے۔ باوجود اپنے آپ کو روکنے کے میں پھر چلا گیا اگرچہ نا اُمید ہو کر آیا تھا پھر بھی ایک مبہم سی اُمید تھی اور یہ اُمید اُس وقت ٹوٹ گئی۔ جب چق کے عقب سے دیکھنے کے باوجود کہ میں یہاں آیا ہوا ہوں۔ اُس نے اشارہ تک نہ کیا۔ مکان کے پیچھے ایک وسیع میدان تھا جہاں ہماری کلب کے چند ممبر بیڈمنٹن کھیل رہے تھے۔ کلب تو خیر اُس وقت ہی وفات پا گئی تھی جب میرا عزیز ترین دوست لفٹیننٹ ہو کر چلا گیا تھا۔ میں اور وہ، ہم دو ہی اس کے موجد تھے۔ گاڑی کا ایک پہیہ رہ گیا تو گاڑی خود بخود رُک گئی۔ اس کے بعد میں بھی اسسٹنٹ منیجر ہو کر چلا آیا۔ اور آج کلب پھر رینگ رہی تھی۔ میں یہ دیکھ کر اُن کے پاس بھاگتا ہوا۔ مجھے دیکھتے ہی کھیل بند ہو گیا اور خوشی کا ایک نعرہ بلند ہوا جس میں کئی ... کئی پیام تھے، شاید یہ پیام ہی سننے کی غرض سے وہ چق کے پیچھے آکر کھڑی ہوئی تھی۔ میری آواز سب سے بلند تھی۔ میں جان بوجھ کر زور زور سے بول رہا تھا مقصد وہی تھا جو ... ہو گیا۔ کنکھیوں سے میں نے اُسے دیکھ لیا۔ مجھے اُمید واثق تھی کہ وہ آج ضرور ... گی۔ چاہے چند لمحوں کے لئے ہی کیوں نہ ... مگر نہ ... آنا تھا نہ وہ آئی۔ میں چارپائی پر لیٹا تمام رات ستاروں کی اٹکھیلیاں دیکھتا رہا۔ نہ ... رو رو ... والا، نہ ہی اُٹھ کر کوٹھے تک گیا ... گو اُسے ذرا بھی احساس ہو گا

تو خود ہی آجائے گی" لیکن احساس ختم ہو چکا تھا، خلوص کی دیوار میں شگاف پڑ چکے تھے۔ باہر "ٹن" کی آواز آتی۔ شاید کسی راہ چلتے نے دروازے سے ملحق کھمبے کو چھیڑ دیا تھا۔ میرے دل کے تار جھنجنا اٹھے۔ اس "ٹن" کی آواز سننے کے لئے میں بڑی بے تابی سے انتظار کیا کرتا تھا۔ پھر کہیں جاکر دل کو سنبھالنے والی یہ ٹن سنائی دیتی۔ اس ٹن میں ایک ترنم تھا، ایک صوتی جھنکار تھی جسے صرف میں ہی محسوس کر سکتا تھا۔ یہ صوت ولایت کی آمد کا پیش خیمہ تھی۔ میں جلدی سے کنڈی کھول دیتا۔ ولایت اندر آجاتی۔ میں اُسے گلے سے لگا کر بھینچ لیتا جیسے ہم صدیوں کے بعد ملے ہوں۔

"جان تم مجھے اسی طرح مار دو گی۔ اتنا انتظار نہ کروایا کرو۔ جلد آجایا کرو تم میری حالت کا اندازہ نہیں کر سکتیں"

"جلد کیسے آجایا کروں؟ سب سوئیں تو آؤں نا۔ ابھی سب جاگ رہے ہیں جائے نماز سے اُٹھ کر ننگے پاؤں ہی بھاگ آئی ہوں۔ بیٹھک میں نماز پڑھ رہی تھی۔ ذرا یہ لوگ سو لیں۔ پھر آؤں گی"

"جانے یہ کب سوئیں گے"

پھر جب دوبارہ وہ آئی تو ہمارے صحن کا دروازہ کھلا ہی تھا۔ سونے سے پہلے میں دروازہ کھلا چھوڑ دیا کرتا تھا اور سوتا اُس وقت تھا جب والد صاحب سو جاتے۔ اُن کو یہ بہت بری عادت تھی کہ سونے سے پہلے تمام دروازے

اچھی طرح دیکھ لیتے۔ جب وہ ایک مرتبہ تسلی کر چکتے تو میں اُن کے جانے کے بعد کنڈی کھول دیتا۔ ولایت اندر آجاتی۔ کبھی میں تارے گن رہا ہوتا، کبھی غنودگی سی طاری ہوتی۔ وہ میرے ساتھ ہی آلیٹتی اور زور سے گال کھینچ کر کہتی

"جی بھر کر سوئیے۔ آپ کو کسی کی کیا پرواہ ہے"

اور میں نیند ہی میں بول اُٹھتا

"کون کمینہ سو رہا ہے۔ مَیں تو اُسی وقت سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ تمہاری ان پھڑکتی ہوئی نیلی رگوں کی قسم بالکل سچ کہتا ہوں" مجھے گوری گوری گردن میں وہ نیلی نیلی رگیں بڑی پیاری لگتیں۔ اُس نے ہونٹوں تلے سے اپنی گردن ہٹالی

"میں اچھی طرح جانتی ہوں آپ کو لڑکیاں پھنسانا خوب آتا ہے۔ ایسے ہی فریب میں لپٹے ہوئے فقرات سُنا سُنا کر آپ بھولی بھالی لڑکیوں کو پھانس لیتے ہیں"

"اس کا مطلب یہ ہوا میں یونہی بکواس کیا کرتا ہوں" میں نے روٹھ کر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ اُس نے میرا بوسہ لیا اور ہماری صلح ہو گئی۔ ایک مرتبہ میرے دماغ میں عجیب ساخبط سمایا

"جان ایک بات تو مانو۔ صرف ایک منٹ کے لئے ہتھیلیاں بستر پر رکھ دو"

"کیوں؟"

"تم رکھو تو سہی"

"ہائے" وہ اُچھل کر پرے جا پڑی

"کیا ہوا؟ سر دباؤں ؟"

"نہیں۔ دل گھٹ رہا ہے" تھوڑی دیر کے بعد دل کا گھٹنا بند ہو گیا۔

"یونہی ڈرا دیتی ہو۔ دل ہے کیا ہے۔ کہیں اتنی سی بات سے بھی دل گھٹا کرتا ہے"

"جی ہاں آپ کو تکلیف ہو تو پتہ چلے۔ آپ کو تو عجیب عجیب حرکتیں سوجھتی ہیں کہاں سے سیکھ آتے ہیں آپ یہ۔ میری تو جان ہی نکل گئی تھی"

"کورامین کے انجکشن لگوایا کیجئے"

"آپ کے انجکشن تو ختم ہولیں"

"میں کب مجبور کرتا ہوں"

"میں کرتی ہوں"

"ہاں"

"میری طرف سے نہ کیا کیجئے"

"اچھا اب دیکھوں گا۔ جلد ہی پتہ چل جائے گا۔ تکلیف تمہیں ہوتی ہے یا مجھے۔"

پھر دیکھتے ہی دیکھتے خود بخود "تکلیف" بڑھ جاتی۔ اسی میں نئے تجربے بھی داخل ہوتے۔ پروانہ گر گر کر سنبھلتا۔ شمع جلتی ہی رہتی، کبھی مدھم، کبھی بھڑک اٹھتی۔ صبح ہو جاتی۔ میرے سوکھے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل جاتی۔ میں ولایت کی چمکیلی آنکھوں میں ڈوب کر کہتا "شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر

ہونے تک اُس کے رُخساروں کے گلاب مُسکرا اُٹھتے۔ وہ میرے گال پر ایک چُٹکی بھر دیتی اَور پھر ایک ہی زقند میں غائب ہو جاتی۔

آج شب یونہی گذر گئی۔ شمع سو رہی تھی پروانے کے پر ٹوٹ چکے تھے۔ صبح ہوئی تو میں نے اللہ کی اَور نہ جانے کیسی کیسی قسمیں کھائیں کہ اب اُسے کبھی نہیں بلاؤں گا۔ اگر اُسے احساس نہیں تو مجھے بھی انتظار نہ کرنا چاہیئے"۔ میں واپس آگیا مگر ایک ہفتہ بھی نہ گذرا ہو گا کہ میں پھر لوٹ آیا" دیکھوں تو سہی اب یہ محفل کہاں جمتی ہے، یہ تتلی کس بزم کی رونق بڑھا رہی ہے اس شمع کے گرد گھومنے والے، پروانے کیسے ہیں، اس مہ جبیں کے گورے ہاتھوں سے بادۂ ساغر تھامنے والا کون خوش قسمت ہے" دوپہر کا عالم تھا۔ گرمیوں کے دن تھے۔ گلی میں سناٹا تھا۔ بڑی گلی کی طرف کی سب کھڑکیاں اور دروازے بند تھے میں نے اُن دروازوں کے سامنے رُکنا مناسب نہ سمجھا اور آگے بڑھ گیا۔ گلی کے اختتام پر چودھری جگ پال صاحب کا کمبلوں کا کارخانہ تھا۔ میں اُن کے دفتر کی چک اُٹھا کر اندر داخل ہونے لگا تو پیچھے بھی مُڑ کر دیکھ لیا۔ میں یہاں تک آیا ہی اسی مقصد کے لئے تھا، یہاں تک آنے کی غرض و غایت ہی یہی تھی میں اس طرف کی بھی کھڑکیاں دیکھنا چاہتا تھا۔ کھڑکیاں کھلی تھیں۔ وہ کھڑکی میں بیٹھی تھی۔ جب میں چودھری صاحب سے رسمی گفتگو کرنے کے بعد واپس آیا تو شمع بجھ چکی تھی۔ کھڑکیاں بند ہو گئی تھیں۔ مگر قدیر ایس۔ ڈی۔ او کے مکان

کی کھڑکیاں جو اُس کے عین سامنے تھیں ابھی تک کھلی تھیں۔ " اتنا پردہ؟ پھر ہم سے؟ واہ وا۔ تیری ادا کا بھی جواب نہیں۔" دل تھلتل ہو گیا۔ یہ شہتی دوپہریں تو تھیں۔ جب چھت پر کھڑے کھڑے اُس کے پاؤں میں آبلے پڑ جاتے تھے۔ اُس کی آپا منع کیا کرتی تو بھی وہ اس تپتی ہوئی راہ کی پروا نہ کرتے ہوئے ننگے پاؤں ہی اُوپر چلی آتی تاکہ نہ کھٹکا ہو نہ پتہ چلے۔ اکثر میں کسی کتاب کی دلچسپ عبارت میں غوطہ زن ہوتا۔ اُدھر ولایت کو دیکھنا بھول جاتا وہ دانت پیستی رہتی۔ ایک دفعہ کافی دیر تک اُس کا خیال نہ آیا۔ اُس نے غصہ میں آ کر سالم اینٹ ہمارے صحن میں دے ماری۔ والدہ برآمدے سے ملحقہ کمرے میں بیٹھی سلائی کا کام کر رہی تھیں۔ کھڑکا سُن کر جلدی سے باہر آ گئیں۔ ولایت دیوار سے پرے ہٹ گئی۔" ایک دن کو ٹلے بکھرے ہوئے تھے۔ آج اینٹ گری ہے" " بچے ہونگے" کسی نے اندر سے ہی جواب دے دیا۔ مجھ سے تو خیر والدہ نے بات ہی نہ کرنی تھی۔ میرا اُدھر جانا مشکل ہو گیا کیونکہ والدہ کی نظر صحن پر صاف پڑ رہی تھی۔ میں بیٹھک کا دروازہ کھول کر گلی میں چلا گیا۔ اس نے اشارہ کیا میں اُن کی سیڑھیاں چڑھ گیا۔ دوسری منزل کا سب سامان وہ نیچے لے گئے تھے۔ نیچے گرمی کم تھی اور شاید مکان کے اُس حصے کو کرایہ پر دے دینے کا بھی خیال تھا اس لئے یہ کتنے ہی دنوں سے خالی پڑا تھا۔ میں نے ولایت کو کہہ دیا کہ اگر کوئی اسے کرایہ پر دینے کی حامی بھرے تو تم ٹانگ اڑا دینا۔ یہی ایک جگہ تھی جہاں ہماری ملاقات آسانی سے ہو جاتی۔ مجھے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے قدیر کی ماں

نے دیکھ لیا جس کا ہمیں بہت بعد میں پتہ چلا۔ وہ چوروں کو چوری کرتے ہوئے
پکڑنا چاہتی تھی۔ بھاگی بھاگی ولایت کی آپا کے پاس آئی مگر اُس کے پاس قصبہ
سے چند عورتیں آئی بیٹھی تھیں۔ اس لئے قدیر کی ماں کی خاموش رہتے ہی بنی۔
چور چوری کرتے رہے۔ چوری ہو گئی مگر چور پکڑے نہ گئے۔ چور اُس وقت بھی
پکڑا نہ گیا جب ایک دُھندلی شام ولایت اپنے چھوٹے بھائی کو لئے اُوپر کی منزل
پر کھڑی تھی۔ میں نے اُسے گلی سے دیکھا تھا۔ دو چار چکر لگانے کے بعد میں گھر آکر
کوٹھے پر چڑھ گیا۔ پھر دیوار کی مینڈ پر کھڑا ہو گیا۔ وہ سیڑھیاں اُتر رہی تھی اور
میں مینڈ پر کھڑا تھا۔ میں کھڑا رہا اور وہ آدھی سیڑھیاں اُترنے کے بعد رُک گئی
اُس نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ یہ کیا قصہ ہے؟ کہیں کوئی اور نہ ہو؟ اب
وہ پہلے سے نزدیک تھی۔ جب اُس نے میری طرف دیکھا تو میری گردن جھک گئی،
میں پانی پانی ہو گیا۔ جلدی سے اپنے کوٹھے پر کود آیا۔ دل زور زور سے دھڑک
رہا تھا۔ رات کو جب ولایت آئی تو میں نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ "ہاں آپا بھی
کہہ رہی تھی" پتہ نہیں ولایت آج اُسے کیا ہوئی دیر تک کھڑا میری طرف دیکھتا
رہا۔ پہلے تو کبھی اُس نے ایسی حرکت نہیں کی تھی۔" "مکان خالی پڑا تھا پھر کیا
ہوا آپا جی" "نہیں ولایت میں یہ نہیں کہتی وہ یہاں نہ آئے ہم کونسا اُس سے
پردہ کرتے ہیں بے شک آئے۔ مگر سیدھے راستے۔" جان آج ہوا کمال۔ میرے تو
پاؤں تلے سے زمین ہی نکل گئی۔ اُس وقت میری صورت قابل دید تھی۔ میں

ندامت سے ڈوبا جا رہا تھا۔ میں نے اٹل فیصلہ کرلیا ہے اب اُن کو کبھی شکل نہ دکھاؤں گا۔ پتہ نہیں میرے بارے میں انہوں نے کیا خیال کیا ہوگا۔ اب یہی بات وہ چاچا چاچی کو بھی بتادیں تو؟" "نہیں بتاتے" وہ مسکراتے ہوئے مجھ سے لپٹ گئی۔

اُن دنوں شعلہ زن محبت شباب پر تھی تمام رات اکٹھے رہنے کے بعد بھی پیاس کم نہ ہوتی۔ ہم ایک عرصہ سے پیاسے تھے۔ کبھی پیاس بجھائی ہی نہ تھی۔ جب چند گھونٹ ملے تو پیاس جالا ٹکسی کی طرح بھڑک اُٹھی۔ جس طرح پانی سے آگ بھڑک اُٹھے۔ وہ دن میں کئی کئی مرتبہ اُوپر آتی۔ اُن کی سیڑھیوں کے درمیان ایک جگہ پر بڑھاؤ سا تھا جس کو انہوں نے نلکا لگوا کر غسل خانہ بنالیا تھا۔ ولایت وہاں کپڑے دھونے یا نہانے آجاتی حالانکہ نیچے کا پمپ اس سے زیادہ پانی دیتا تھا اور بھاری بھی نہ تھا وہ چھت پر چڑھ کر روڑا مار دیتی۔ میں دیوار پھاند کر اُنکے صحن میں کود آتا

"کسی نے دیکھا تو نہیں"؟

"نہیں۔ اگر کسی نے دیکھ بھی لیا ہو تو ہمارا کیا بگاڑے گا"

"غسل خانہ میں آجایئے میں کپڑے دھونے کے بہانے آئی ہوں"

غسل خانہ میں پہنچکر وہ ہر دو چار چار منٹ کے بعد ہتھی ہلا دیتی تاکہ پتہ چلتا رہے کہ کپڑے دُھل رہے ہیں۔ کپڑے بالکل ٹھیک دُھل جاتے

"اب میں نہالوں"

"میں نل چلاتا ہوں"

"نہیں اب آپ جائیے کافی دیر ہوگئی ہے۔ کوئی آنہ جائے"

"آجائے۔ میں تو نہلا کر ہی جاؤں گا" پھر وہ ہاتھ جوڑ دیتی

"اتنا نہ ستایا کیجئے۔ اب آپ کو کبھی نہیں بلاؤں گی۔ آپ تو جان ہی نکال لیتے ہیں"

"پھر یہ کبھی نہ" بہت جلد ختم ہو جاتی۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد وہ آتی۔ دیوار کے ساتھ کھڑے کھڑے سر سے اشارہ کر کے پرے چلی جاتی۔ میں دو ہی قدموں میں اپنی چھت پر آجاتا۔

"اتنی جلد کیسے آگئی ہو؟"

"آپا گاؤں موسے نہ کسی کے ہاں تعزیت کے لئے گئی ہے"

اس نے صحن کی کنڈی لگا دی اور میں تہبند گھٹنوں تک اٹھا کر چارپائی پر بیٹھ گیا

"بڑی گرمی ہے"

"صفاچٹ"

"ہاں"

"توبہ اتنی پتلی ٹانگیں" مردوں کی ٹانگیں کم از کم میری طرح ہونا چاہئیں"

"ہُنہ پتلی۔ کوئی خاص فرق تو نہیں ہوگا۔ لاؤ دھاگا ابھی ماپ لیتے ہیں۔ لو اتنی۔ اور تمہاری اتنی۔ صرف یہ فرق نکلا، چار انگل۔ یہ بھی کوئی فرق ہے"

"تھوڑا ہے؟"

"موٹاپے کا کیا فائدہ ۔ طاقت ہونا چاہیئے ۔ دکھاؤں طاقت"؟

"نہ بابا ابھی ہنڈیا پکانی ہے ۔ شام ہو رہی ہے اور پھر رات بھی تو آ رہی ہے"

کوئی جلد جلد سیڑھیاں چڑھتا آ رہا تھا ۔ ایک ہی لمحہ میں ہمارا سارا نشہ ہوا ہو گیا ۔

"دروازہ کھول ۔ کیا کر رہی ہو اندر"؟

اس حرامزادے نے بھی اسی وقت ہی آنا تھا ۔ کس طرح بولتا ہے ۔ آپ کا گھر بھی ہے بڑے چھوٹوں کا باجی باجی کہتے منہ نہیں تھکتا ۔ اچھا اب آپ جلدی چلے جائیے"

"کیسے جاؤں ؟ دروازے کی درازوں سے سب کچھ نظر آتا ہے"

ولایت کے باہر جانے سے پہلے ہی دروازے کی کنڈی اپنے آپ کھل گئی وہ صحن میں آ گیا ولایت جلدی سے باہر بھاگ گئی اور اسے وہیں روک لیا ۔

"ننکو ایک کام تو کر ۔ بڑا اچھا ہے میرا بھائی ۔ یہ چونی قلفی لا دے ۔ دونی تم لے لینا"

"مجھ سے نہیں لائی جاتی"

"میرا بڑا اچھا بھائی ہے ۔ یہ لے تو بھی چونی لے لے ۔ اب جا"

"پر گلی میں تو قلفیوں والا ہے ہی نہیں ۔ میں گلی ہی سے تو آ رہا ہوں"

"میں نے ابھی آواز سنی ہے ۔ ادھر گیا ہوگا"

وہ نیچے اُتر گیا ۔ ورمیں تین الوداعی بوسوں کے بعد اُس سے جُدا ہو گیا ۔ دل نہ لگا کمرہ پھر کر مجھے سرا گئی ۔ بس میں اپنے کوٹھے پر چڑھ آیا ۔ ہنڈیا چولہے پر پک رہی تھی ۔ ننکو بھی کہیں کھیلنے نکل گیا تھا ۔ میں نے پوچھا "ماں" ؟ نہیں ۔ اب تو آیا

آنے والی ہے''، ہم کافی دیر تک کھڑے رہے۔ پھر وہ مجھے نیچے جانے کے لئے کہہ کر اندر چلی گئی۔ میں نے روڑے مارنے شروع کر دیئے۔ عین اُس وقت دروازہ کھلا۔ اُس کی آپا اندر داخل ہوئی ''یہ مٹی ہی مٹی کہاں سے آگئی ہے؟'' مٹی کے روڑے ٹوٹ ٹوٹ کر سارے فرش پر بکھر گئے تھے ''شکر بڑا تنگ کرتا ہے آپا' اُسے ساتھ ہی لیجایا کیجئے۔ میں نے ابھی جھاڑو دیا تھا۔ ابھی پھر وُہی مصیبت'' اس طرح ہم دن میں کئی کئی بار ملتے اور بچے رہتے۔ اُن کے پچلی منزل میں جانے سے اور بھی آسانی ہو گئی تھی۔ کیونکہ بچے روز ہی بار بار اُوپر کے دروازے کھول جاتے تھے۔ اور ولایت کو دن میں کئی بار دروازے بند کرنے کے لیے اُوپر آنا پڑتا۔ ہر بار دروازے بند کرنے میں کتنی ہی دیر لگ جاتی۔ کوئی ایک دروازہ تو نہیں تھا۔ پھر کواڑ بھیڑنے چٹخنی لگانی۔ دروازہ بند کرنا کوئی آسان کام تھوڑا ہے۔

پھر بھاری بھرکم بڑی توند والے منشی کی بڑے پیٹ والی رجسٹری ولایت کے چاچا کے نام آگئی کہ ''آپ کی لڑکی اور آپ کے ہمسایوں کا لڑکا سارا دن کُوا کادی کرتے ہیں اس لئے آپ اپنی لڑکی کو اُوپر جانے سے روک دیں اور گلی میں بھی نہ آنے دیا کریں'' یہ تھا اتنی بھاری رجسٹری کا لُبِ لباب۔ ''ہم بھی تیرے چاہنے والوں میں قدم رکھتے'' منشی صاحب سپاہیوں کو سُنایا کرتے۔ سُنا ہے ولایت بھی کبھی کبھی اُن کے مکان کی دیوار تک ہو آیا کرتی تھی۔ ولایت نے اس کا ذکر مجھ سے کبھی نہ کیا تھا۔ ایک مرتبہ

صرف اتنا بتایا تھا کہ منشی صاحب بستر لینے آئے ہیں۔ میں نے چق کے عقب سے کہہ دیا
چاچاجی گھر نہیں ہیں وہ آئیں گے تو بتا دیں گے۔" "سچ یہ منشی بڑا حرامزادہ ہے
کہنے لگا تحصیل والوں کے لئے تو نرم نرم لال لال بستر ہیں۔ ہم ہی بُرے ہیں" میں
نے اُس کی بات پر توجہ ہی نہ دی۔ منشی صاحب کو میں نے کبھی مشکوک نگاہوں سے
نہ دیکھا تھا۔ عمر کے پینتیس چالیس سال گذر چکے ہونگے ولایت کو اُن سے عشق کی سُوجھے
یہ تو ایسے ہی تھا جیسے سفید جھوٹ۔ منشی صاحب سی۔آئی۔اے سٹاف میں تھے۔
یہ سٹاف چوکی ہمارے مکان کے ایک پہلو میں تھی جہاں سے وہ اندر بیٹھے سارا تماشہ
دیکھا کرتے۔ ولایت کے چاچا نے اس کے اگلے ہی روز بڑی بڑی چقیں منگوا کر برآمدہ،
دروازوں اور کھڑکیوں پر لگا دیں اور ولایت نے یا اُس کی ماں نے یا چاچا نے
دُوسری منزل کی سیڑھیوں کا دروازہ اندر سے بند کروا کر تالا لگوا دیا۔ یہ تب
پتہ چلا جب غریب ہمسائے کی جوان لڑکی تالا لگا کر ہمارے مکان کے راستہ باہر نکلی۔
اس لڑکی کے بارے میں بھی میں نے ولایت سے کہا تھا کہ یہاں تو آسانی سے ملاقات کرا
سکتی ہو" "ہنوں بڑے لاڈے ہیں نا آپ" وہ میرے گال پر بڑی زور سے چُٹکی
بھر دیتی یا کبھی کہتی "یہ ساتھ ہی تو میدان میں سوئی ہوتی ہے۔ ہمت کیجئے کام
بن جائے گا" "بالکل نکمی ہو اللہ تمہارے جیسی جلاد بیوی تو کسی کو بھی نہ دے"
وہ مُسکرا دیتی کبھی کبھی وعدہ بھی کر لیتی کہ ضرور ملاقات کروا دُونگی۔
اس واقعہ کے بعد مجھے خانصاحب نے بلایا تھا۔ بیٹھک کے دروازوں کے پٹ بھیڑ

دئے۔ منہ میرے کانوں کے قریب لاکر بڑی دھیمی آواز میں فرمانے لگے "دیکھئے آپ
میرے بھائی، دوست، عزیز سب کچھ ہیں" تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد پھر بولے
"آپ خود عقلمند ہیں میں کیا بتاؤں۔ یہ بات اچھی نہیں ہے" "کیا ہوا خانصاحب؟"
میں نے سب کچھ سمجھتے بوجھتے ہوئے بھی بڑی حیرانی سے پوچھا
"آپ سب کچھ سمجھ چکے ہونگے دو خاندانوں کی عزت ملیامیٹ ہو جائے گی۔ پولیس
تک کو اطلاع ہو چکی ہے۔ آپ جانتے ہیں۔ یہ لوگ اچھے نہیں ہوتے۔ اور بھی کئی
دشمن ہیں جو آپ کا تعاقب کیا کرتے ہیں۔ یہ قصہ ہیں بھائی صاحب کو بتانے والا
تھا۔ پھر میں نے سوچا ان بیچاروں کو اپنے کاموں سے ہی فرصت نہیں ملتی خوامخواہ
پریشان کرنے سے کیا فائدہ؟ سنبھل کر چلئے بھائی زمانہ بڑا خطرناک ہے"
باوجود کانی کر یدنے کے انہوں نے میرے سامنے کسی کا نام نہ لیا۔ میں فوراً سنبھل
گیا کیونکہ انسپکٹر کے چپراسی رانا کو جب میں نے کہا کہ ایک تم ہی میرے غمگسار
ہو۔ یہاں تم سے اچھا میرا دوست اور کون ہے؟ محلے میں کچھ گڑبڑ سی ہے
میں تو کبھی باہر نکلا ہی نہیں۔ تمہیں کچھ معلوم ہو تو بتا دو" وہ ہنس دیا
مجھے پتہ تھا اسے ضرور معلوم ہوگا کیونکہ وہ بات بات پر مجھے پُراسرار انداز
میں پوچھا کرتا "بادشاہو خوش تو ہو" میں ہنس دیتا۔ وہ بھی دیر تک ہنستا
کرتا اور اسکی آنکھوں میں غیر معمولی چمک پیدا ہو جاتی۔ اُس نے مجھے بتایا کہ
اس قصے کا قدیر کے والد کو بھی پتہ ہے سٹاف کے منشی کو بھی اور اسسٹنٹ

کو اپر ٹرانسپکٹر نے بھی اُسے دُھوپ میں کھڑے کو اور مجھے اُن کی دیوار پھلانگتے دیکھ لیا تھا۔ جوں جوں میں ٹوہ لگاتا گیا پتہ چلا کہ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ ان بدعنوانیوں کو جانتے ہیں اور ہمیں موقعہ پر پکڑنے کے لئے کوشاں ہیں۔ رات کو ولایت میرے پاس آئی تو میں نے حرف بحرف تمام واقعات سُنا دئے۔

"تمہیں کہا تھا نا ہمارا دن کو ملنا ٹھیک نہیں اور جناب کے اتنے لمبے لمبے چھٹے آ جاتے تھے۔" "ہمیں کون دیکھتا ہے دوپہر کو گلی میں کون ہوتا ہے؟ قدیر کی بیوی اور ماں اگر دروازے میں بیٹھی ہوتی ہیں تو آپ کو تھوڑا دیکھتی رہتی ہیں۔ دُنیا کو اور بھلا کوئی کام ہوتا ہے اب کیا ہو گا؟ میرا خیال ہے جب تک تمہاری شادی نہ ہو جائے میں کہیں دُور نکل جاؤں۔ کہو تو میں کہیں چلا جاؤں۔ چلا جاؤں؟"

"ہاں" اُس نے سر ہلا دیا تھا

"بہت اچھا۔ میں بہت جلد چلا جاؤں گا اور پھر کبھی لوٹ کر نہ آؤں گا"

اُس نے دوپٹے کے پلو سے بہتے ہوئے آنسو پونچھ ڈالے

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کبھی اپنا گھر بھی کسی نے چھوڑا ہے؟ کبھی اپنا گھر بھی کسی سے چھوٹتا ہے؟"

"جان تمہارے لئے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ سب کچھ ہو گا۔ میں بہت جلد چلا جاؤں گا"

اس واقعہ کے بعد میں بہت جلد اسسٹنٹ منیجر ہو کر چلا آیا تھا اور ولایت نے اپنی

ماں سے کہہ دیا تھا "عشق کی چھٹی ٹھیک آئی تھی مگر وہاں میں نہیں انو کھڑی تھی۔ مجھے بہن جی کی لڑکی نے بتایا ہے نہ یقین ہو تو آپ انو سے پوچھ لیں" ولایت نے بہن جی کی لڑکی کو مل کر گواہی کے لئے تیار کر لیا۔ انو کو بلا کر پوچھا گیا تو وہ بیچاری رو پڑی اور "ہاں" کہتے ہی بنی۔ اُس روز سے انو کا یہاں آنا بند ہو گیا تھا۔ اُس کی ماں کو کہہ دیا گیا کہ اپنی لڑکی کے ہاتھ پاؤں جلد پیلے کر دے۔ بہت آزاد ہو گئی ہے پھر ولایت کی ماں نے ولایت کے چاچا کو بھی یقین دلا دیا کہ ہماری لڑکی میں ذرا بھی نقص نہیں۔ دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں گے"۔ پتہ نہیں کیوں ولایت کے چاچا کی تشویش پھر بھی دُور نہ ہوئی۔ انہوں نے مجھ سے بولنا چھوڑ دیا تھا۔ میں پہلے پہل تو سلام کرتا رہا مگر جب دیکھا کہ جواب اٹک اٹک کر نکلتا ہے۔ اور کبھی کبھی رُکا ہی رہ جاتا ہے تو میں نے بھی پرواہ نہ کی۔ مگر مجھے اس کا سخت افسوس ہوا۔ مجھے ولایت جب بھی ملتی یہی کہتا دیکھا جان تمہاری وجہ سے میرا ایک بہترین دوست چھن گیا۔ ہمارے کتنے اچھے تعلقات تھے۔ ہم میں کتنی محبت تھی۔ سچ پوچھو تو جب وہ قریب سے منہ بنائے گذر جاتے ہیں دل سے ایک ٹیس سی اٹھتی ہے میرا جی چاہتا ہے ان کو بلا لوں پھر خیال آتا ہے شاید بُرا مان جائیں۔ "بلاؤں کہ نا؟" میں بھی سوچتا رہ جاتا ہوں اور وہ گذر جاتے ہیں۔" ولایت کے چاچا کچھ زیادہ ہی ناراض نظر آتے تھے جب انہوں نے ولایت کو اشاروں میں سمجھایا کہ یہ بات اچھی نہیں شریف گھروں کی لڑکیاں اپنے بزرگوں کی عزت پر اس طرح دھبہ نہیں لگایا کرتیں تو اُس نے

اُسی لڑکی کو بھیجکر سیڑھیوں کا دروازہ بند کروا دیا تھا یہ ولایت ہی کی چال تھی جس کا مجھے بہت بعد میں پتہ چلا۔
اُس کے لئے رشتہ ڈھونڈا جانے لگا مگر کوئی بھی ایسا لڑکا نہ ملا جو اُن کی تمام خواہشات کا سرچشمہ ثابت ہوتا۔ اِس لئے معاملہ ابھی تک کھٹائی میں پڑا رہا اور کھٹائی میں پڑا ہوا معاملہ میں آج پھر اُٹھانا چاہتا تھا وہ آج بھی نہیں آئی تھی۔ میں نے بہت قسمیں کھائی تھیں، اپنے آپ کو بے شمار گالیاں دی تھیں کہ کبھی اُسے نہیں بلاؤں گا مگر آج پھر ضبط کی عنان ہاتھ سے چھوٹتی نظر آرہی تھی۔ میں اُوپر چلا گیا اور روڑے مارنے شروع کر دئے "اس پردہ داری کا آخر مطلب کیا تھا؟ کیوں مجھے دیکھ کر کھڑکی بند کی گئی تھی؟" مجھے سخت غصہ آرہا تھا اور اس غصہ میں مَیں نے حقیقت کے نشیب و فراز تک کو نظر انداز کر دیا۔ پہلے کچھ خوف سا محسوس ہوا مگر جوش میں آکر جانے میں نے کتنے روڑے مار دئے۔ روڑے ختم ہو گئے تو میں نے آخری روڑا ڈوری سے باندھ دیا۔ اُسی کو کھینچ لیتا اُسی کو مار دیتا۔ وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ صرف ایک ذرا سی جُنبش ہوئی وہ بھی اس طرح کہ چادر لپیٹ کر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ روڑے کی رفتار پہلے سے بھی تیز ہو گئی پھر اس کی ماں جاگ اُٹھی "دفعتاً منہ" میں نے جلدی سے مُنہ پرے کر لیا۔ دیوار سے نیچے کود آیا۔ اس کے بعد میں نے جھروکوں سے جھانکا اُس کی ماں چودھری صاحب کو جگانے کے بعد ہماری دیوار کی طرف اشارہ کئے کچھ کہہ رہی تھی۔ میں نیچے چلا گیا۔ غصہ اور خوف سے میری حالت عجیب سی

ہنا دی تھی۔ تھوڑی دیر بعد صبح ہو گئی اور میں لاری پر سوار ہو کر اپنے کارخانہ میں پہنچ گیا ۔

# ۲

میں نے جوش میں آ کر بڑا غلط قدم اُٹھایا۔ مجھے ضبط کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیئے تھا۔ ہؤا تو یہ بہت بُرا مگر روز کا ٹنٹا ختم ہو گیا۔ دوپہر کو میں معمول کے مطابق فارسی کا درس لینے آ رہا تھا کہ راستے میں ممانی کا چھوٹا بھائی رفیق مل گیا۔ دوستانہ گفتگو کے بعد سبب پُوچھا تو کہنے لگا "میاں جی کو بھائی جان سے کوئی ضروری کام تھا۔ اُنہیں سکول کا پتہ نہیں تھا اس لئے اُنہیں چھوڑنے کے لئے آیا تھا" میں اندر آیا

تو نانا جی والد صاحب سے سرگوشیانہ انداز میں گفتگو کر رہے تھے ۔ مجھے دیکھتے
ہی چُپ سادھ لی ۔ میں رسمی سلام کے بعد سٹاف روم میں چلا گیا ۔ کوئی آدھ گھنٹہ
تک درس لیا پھر اپنی ڈیوٹی پر پُہنچ گیا ۔ نانا جی کی باتیں ابھی تک ختم نہ ہوئی تھیں ۔
شام کو گھر پُہنچا تو والد صاحب کوٹ شاہ میں جا چکے تھے ۔ یُوں تو وہ روز ہی شام کو
پیدل جایا کرتے اور اگلے دن واپس آ جاتے مگر ان دنوں کسی ضروری کام کی وجہ سے
وہ چند دنوں تک نہ جانا چاہتے تھے ۔ اسی لئے آج ہی چھوٹے بچوں کو اکیلے بھیج دیا
گیا تھا ۔ نانا جی کی گفتگو کے انداز اور والد صاحب کی پیشانی کے بل صاف بتا رہے تھے
کہ دال میں ضرور کالا ہے ۔
میں نے درس لینا بند کر دیا یہاں جان کے لالے پڑے تھے درس کا کسے ہوش تھا ۔
سارے جہان کی بے اطمینانی شاید میرے ہی دل میں آ گھُسی تھی ۔ اگلے دن جب چپراسی
میرے دفتر میں اپنے صاحب کی سائیکل لینے آیا تو میرا رنگ فق ہو گیا ۔ صبح میں
والد صاحب کی سائیکل لے آیا تھا ۔ درس کا وقت ہو چکا تھا ۔ مگر میں آج جانے کے لئے تیار
نہ تھا ۔ کون موت کے مُنہ میں جائے ۔ موت میرا انتظار کرنے کے بعد خود ہی آ گئی "صاحب
بلاتے ہیں جی" چپراسی پھر آ گیا تھا ۔ پاؤں آگے بڑھنے سے منحرف تھے ۔ اٹل قسم کا حکم تھا ۔
اس لئے دل آزادی کی پرواہ نہ کرتے ہُوئے میں آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا اُن کے دفتر
میں پُہنچ گیا ۔ اُن کے پاس چند ملنے والے بیٹھے تھے ۔ جب تک والد اُن سے باتیں کرتے
رہے میں اُن کے چہرے پر سنجیدگی اور غصہ سے اُبھرے ہُوئے نقش دیکھتا رہا ۔ اُن

آدمیوں کے اُٹھنے کے بعد بھی وہ کچھ نہ بولے صرف ورق گردانی کرتے رہے۔ ایک دُوسری ورق گردانی اُن کے دماغ میں بھی ہو رہی تھی۔ اسے میں خُوب سمجھتا تھا۔ میں نے نفسیات کا مطالعہ بڑے شوق سے کیا ہے۔ اس مطالعہ نے مجھے بہت کچھ سکھا دیا تھا۔
بات کسی نہ کسی طور شروع ہونا ہی تھا۔ مخاطب ہوتے وقت والد صاحب کی پیشانی کی شکنوں میں اضافہ ہو گیا

"آج پڑھنے نہیں آئے؟"

"دو تین دن سے طبیعت کچھ ٹھیک نہیں"

اب طبیعت بہت جلد ٹھیک ہو جائے گی۔ جانا اب وہاں۔ وہ لاٹھیاں لئے تیرا انتظار کر رہے ہیں۔ اوئے اُلو کے پٹھے ساری عمر میں ایک ہی اچھا کام کیا ہوتا۔ پرلے درجے کے نالائق ہو۔ آج تک تُو نے کوئی بھی کام کی بات کی؟ کیا ہے تم میں؟ کیا ہو تم؟ کس بل بوتے پر اکڑے پھرتے ہو؟ تمہاری نالائقی اب تک برداشت کرتا آ رہا تھا مگر اب میں تمہیں دیکھنا بھی نہیں چاہتا۔ جاؤ جہاں جی چاہے خاک چھانتے پھرو۔ آج کے بعد میرے گھر میں کبھی قدم نہ رکھنا۔ حرامزادگی کی بھی حد ہوتی ہے۔ اپنے ہی ہمسایوں کے گھر میں روڑے مارے۔ وہ تیری بہنوں کی سہیلی تھی۔ تیری بہنوں جیسی تھی۔ بے شرمی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ پہلے اس کے ماموں کی لڑکی کو کوٹھے پر دیکھ کر اُن کے مکان میں چلے گئے تھے۔ اب اُس کو روڑے مارے۔ اُسی نے سب کچھ بتایا ہے۔ تمہارے متعلق جس بات کا مجھے بھروسہ تھا وہ ناشائستہ

حرکت بھی تم نے کر دکھائی۔ جاؤ دفعہ ہو جاؤ۔ پھر کبھی اپنا کالا منہ نہ دکھانا۔ میں تمہاری شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتا اور یہ بھی تمہیں بتا دوں اگر اب اُس گھر میں قدم رکھا تو حوالہ پولیس کر دوں گا" لاٹھیاں ؟ میرے ذہن میں صرف لاٹھیاں رہ گئیں۔ میں اندر ہی اندر پیچ کھائے جا رہا تھا۔ کونسے سورمے ہیں وہ لاٹھیوں والے؟ میں ابھی جاؤں گا اور ان بہادروں کی لاٹھیاں ہی نہیں ہڈیاں بھی توڑ دوں گا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک اور کیفیت طاری تھی۔ وہاں جانے کی اجازت کیسے ملے گی؟ پھر مجھے ولایت پر غصہ آ رہا تھا۔ اتنا سفلہ پن۔ سب کچھ خود ہی بتا دیا۔ الو تک کا قصہ بتا دیا۔ حرامزادی۔ گھٹیا پن کی بھی حد ہوتی ہے۔ کمینگی تو اُس کی گھٹی میں پڑی ہے۔ اپنے آپ کو کس طرح صاف بچا گئی ہے جیسے سچ مچ اسے کسی بات کا علم ہی نہیں ہے۔ اُف اِس قدر دھوکے باز۔ شاطر۔ دیرینہ قربت کا بھی احساس نہ کیا۔ میرے تفرع کا مجھے یہ صلہ دیا۔ میری محبت کا کوا یہی نتیجہ تھی؟ اُس کے محبت کی تنہائیوں میں لکھے ہوئے فقرات میرے سامنے گھومنے لگے "میرے پیارے والے بچھڑے ہوئے ساتھی کبھی نہ کبھی مل ہی جاتے ہیں،" "اگر کوئی تارے توڑ کر میرے پاؤں میں ڈال دے میں پھر بھی آپ سے اسی طرح محبت کرتی رہوں گی" "جی چاہتا ہے ہر وقت آپ کے ہی پاس رہوں۔ لیجیے گن گن دن گذارتی ہوں۔ چاند میرے آپ کے بغیر ذرا دل نہیں لگتا۔ بہت کوشش کرتی ہوں کیا کروں کسی صورت چین نہیں پڑتا۔ آپ نے لکھا تھا آج رات ضرور ملو۔ کیسے ملوں؟ سب لوگ ہر وقت گھر میں ہوتے ہیں۔ دس بارہ دن اور ٹھہر جائیے

میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ پھر سے روز ملا کروں گی۔ جہاں اتنی جوانی گذر گئی ہے یہ دس بارہ دن بھی گذر جائیں گے۔ پھر میں اپنے چاند کے پاس آپ ہی پہنچ جایا کروں گی۔ اُمید ہے آپ مجھے معاف کر دیں گے۔ میں سخت مجبور ہوں" کیا یہ ساری باتیں اسی کے ہاتھ سے لکھی گئی تھیں۔ ان سطور سے تو ایک ایک لفظ سے محبت کی بُو آ رہی ہے۔ ولائیت اور اپنے وعدے اتنی جلد بھُول جائے۔ وہ ولایت جس نے کہا تھا دُنیا کی تمام لڑکیاں دغا دے سکتی ہیں لیکن ولایت کی محبت میں کبھی فرق نہیں آ سکتا۔ کچھ ایسا محسُوس ہوتا ہے جیسے یہ سب کچھ جھُوٹ ہے۔ ولایت مجھے کبھی فریب نہیں دے سکتی۔ میں جس نے اپنی ساری محبت اُس کے قدموں پر نچھاور کر دی وہ مجھے دُھوکا دے؟ ایسی کمینگی تو اُسے چھُو بھی نہیں گئی۔ کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا؟ اور حقیقت میرے سر پہ بھاری بھاری ضربیں لگا کر ہوش میں لا رہی تھی۔ خوش فہمی بڑی دلفریب شے ہے پر اس میں بزدلیوں کی سی کڑواہٹ ہے۔ اسی دوران میں میرے ذہن میں ایک سوال اُبھرا۔ جانتے ہو ولایت نے تمہیں کیوں کہا تھا "ہاں چلے جاؤ" آج مجھے احساس ہوا کہ اُس نے میرے استفسار پر کیوں "ہاں" کی تھی۔ اور جب میں نے کہا تھا ولایت تم مطمئن رہو میں بہت جلد چلا جاؤں گا تو اُس نے آنچل سے آنسو پُونچھ ڈالے تھے۔

مجھے اتنا بڑا حکم ملا تھا "دفعہ ہو جاؤ پھر کبھی اپنا کالا منہ نہ دکھانا" لیکن پھر بھی میں دفعہ نہ ہُوا۔ نااُمید ہونے کے باوجود ابھی تک ایک مبہم سی اُمید تھی کہ

شاید ایک آدھ ملاقات ہو جائے شاید میں بھی دل کا بخار نکال سکوں۔ اگر میں چلا گیا تو ملاقات کی کوئی صورت نہ رہے گی۔ شام کو سونے سے پہلے میں ہزاروں گالیاں اُس کو دیتا اور لاکھوں اپنے آپ کو۔ اس کے اس کے اقدام پر غور کرتا۔ جوں جوں غور کرتا میرے دل سے ایک مہیب نفرت اُبھرتی مگر اس نفرت کے عقب میں بھی محبت کا جذبہ کارفرما ہوتا جیسے ہیں سانپ بجھ کر کچل دیتا اور وہ دیر تک بس گھولتا رہتا۔ یہ محبت یہ ناگن میرے ساتھ اس طرح چمٹ گئی تھی کہ بڑھتی ہی جاتی۔ اسے میں شعور سے نکالتا تو لاشعور میں پنپنے لگتی۔ دن گزر رہے تھے۔ عیدالاضحیٰ قریب آرہی تھی۔ عیدالفطر سے پہلے ہم نے کتنے ہی سہانے خوابوں کا سہارا لے کر تاج محل کھڑا کیا تھا۔ رمضان میں میں وہیں تھا۔ وہ نماز پڑھتے پڑھتے جائے نماز سے اُٹھ کر میرے پاس بھاگ آتی۔ کبھی سحری پکانے کے لئے رات کے دس بجے ہی اُٹھ بیٹھتی۔ ایک آدھ گھنٹے میں فارغ ہو جاتی۔ پھر ہم پیار کے دلکش ایوانوں میں اپنے گرد موہنی باتوں کے جال بنتے۔ یہ گھڑیاں جانے کب بیت جاتیں۔ ولایت کے چاچا جاگ اُٹھتے۔ سالن ٹھنڈا ہو چکا ہوتا چپاتیاں سوکھ چکی ہوتیں۔ "ولایت روٹی اتنی جلدی نہ پکایا کرو۔" پھر اُس نے جلد روٹی پکانا چھوڑ دیا۔ وہ دروازہ کھول دیتی یا پہلے ہی کھلا ہوتا۔ ہم اندر بیٹھ جاتے۔ گرمی کی شدت پسینہ ایڑیوں تک بہہ جاتا پر مجبوری بھی کوئی شے ہے۔ جب ولایت کے چاچا کھانا کھا رہے ہوتے اُس وقت بھی ولایت کو بار بار اندر آنا پڑتا۔ کبھی گلاس لینے کے لئے کبھی چمچ اور کبھی کچھ اور۔ صبح ہو جاتی۔ میں لاڈ سے

وہ تین چپتیں رسید کر دیتا "کل جلاؤ گی یا ماروں دو اور؟" "آؤں گی" وہ ہنستے ہوئے سر ہلا دیتی۔ میرے پاؤں وہیں جم جاتے "اسی طرح ہنستی رہو" "جایئے بھی کوئی آ جائے گا" وہ مجھے بڑے پیار سے ہولے سے دھکیل دیتی "درویشوں کو دھکا نہ دیا کرو مبادا کوئی بد دُعا نکل جائے" پھر میں اُس کے ہاتھ کو بوسہ دے کر دل میں خوشیوں کے انبار چھپائے صحن کے دروازہ کے راستہ اندر پھلانگ جاتا۔

میری چارپائی پر چادر کے نیچے چھوٹی چھوٹی چھڑیاں ہوتیں اور سرہانا ویسے ہی سویا ہوتا جس طرح میں اُسے رات سلا جاتا تھا۔ عید قریب آ رہی تھی

"جان عید آ رہی ہے۔ عیدی کون دے گا تم یا میں"؟

"آپ" وہ مسکرا پڑتی

"نائیں۔ ہم تو عیدی لیں گے۔ نا دوگی تو روٹھ جائیں گے۔ سُن لیا؟" میں اُسکی ناک مروڑ دیتا

اُسے چھینک آ جاتی اور میں پیار بھری ڈانٹ بتاتا۔ چادر اُس کے منہ سر پر لپیٹ دیتا "خبردار جو چھینک ماری۔ ابھی تمہارا چاچا لاٹھی لے کر آ گیا تو اپنی ایک ہڈی بھی سالم نہ رہے گی" "ہائے میرا دم گھٹ رہا ہے" "چلو اچھا ہے اس طرح ہی عید کی بچت تو ہو جائے گی پھر میں چادر ہٹا دیتا "اپنی اس جان پر ہزار عیدیں قربان"۔

مگر ہمارا یہ سارا پروگرام دھرا رہ گیا تھا۔ والدہ دو دن پہلے ہی بچوں کو لیکر یہاں پہنچ گئیں۔ میں سوچتا ہی رہ گیا "ولایت کو عیدی پر کونسا تحفہ دینا چاہیئے"؟

اب عیدالاضحیٰ آرہی تھی اور میرا وہاں جانا بند کر دیا گیا تھا۔ میری زندگی ایسے ہی تھی جیسے چلچلاتی دھوپ میں دُور تک پھیلی ہوئی کوئی ویران سڑک۔ جانے یہ سڑک کب ختم ہو گی؟

"سڑک ختم ہونے والی تھی" موٹر قصبہ خاہ کی سول لائن میں داخل ہو رہی تھی اور میں اُترنے کی تیاری کر رہا تھا۔ کوٹ وہاب الدین بالکل قریب آچکا تھا۔ آج صبح میں اُداس بیٹھا اس دُور تک پھیلی ہوئی ویران سڑک کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ والد صاحب نے پوچھا "عید کہاں کرو گے؟" "کہیں نہ کہیں ہو ہی جائیگی" چلے آنا وہاں۔ دُنبہ خرید رکھا ہے۔ قصاب آگیا تو بہتر ورنہ دونوں بھائی مل کر خود ہی ذبح کر لینا۔ میں خاموش رہا۔ دادی بھی پاس ہی بیٹھی تھیں "جانا ہے تو جاتے ہی ماں سے معافی مانگنا۔ نہیں مانگی تو یہیں رہو خوامخواہ اس کا دل خراب کرو گے" دادی کی بہن بھی آئی بیٹھی تھیں اُن سے مخاطب ہو کر کہنے لگیں "یہ اپنی ماں سے نہیں بولتا" "ہونہہ بیٹیا ماں کے پاؤں میں تو جنت ہوتی ہے" چاہے ماں کے پاؤں میں جہنم ہوتا ہو اس وقت تو میں کسی قیمت پہ بھی رُکنے کے لئے تیار نہ تھا۔ پھر دادی کا اصل مطلب بھی میں سمجھتا تھا۔ یہ دادیاں بڑی تیز نگاہ رکھتی ہیں۔ اُن کے اُٹھ کر جانے کی دیر تھی کہ میں دبے پاؤں نیچے اُتر آیا، سوٹ کیس سنبھالا اور چلتا بنا۔

گلی میں ولایت کا چاچا چارپائی پر بیٹھا حقہ گڑگڑا رہا تھا۔ اُس کے پاؤں کے پاس کچھ آدمی بیٹھے باتیں سُنا رہے تھے۔ اپنی طرف آتے ہوئے سب نے مجھے دیکھا

ولایت کے چاچا کی نگاہ تو میرے دل میں کھُب گئی۔ میں لطریں جھکائے چھوٹی گلی میں داخل ہو گیا۔ شام ہو چکی تھی۔ پھر رات آ گئی۔ سنسان رات۔ ویران رات۔ تھکا دینے والی رات۔ آس پاس در و دیوار گہری نیند سو رہے تھے۔ درختوں کے پتے تک غم کی شدت سے ساکت ہو گئے تھے۔ مجھے اس ماحول سے خوف سا محسوس ہو رہا تھا۔ اس سنّاٹے میں مَیں تنہا تھا اور کسی کی دل موہ لینے والی یادیں انگڑائیاں لے رہی تھیں۔ احساس تنہائی مجھے عمیق ترین پستیوں میں دھکیل رہا تھا۔ اُس کے قرب میں بسر کئے ہوئے دن میرا منہ چڑا رہے تھے۔ عجیب کشمکش تھی۔ بیتا ہوا وقت خواب کا سا سماں پیدا کر رہا تھا۔ جی چاہتا ولائیت کو پھر بلاؤں مگر خودداری مزاج اجازت نہ دیتا۔ اس لئے جی چاہتے ہوئے بھی میں پتہ نہیں کس طرح رُکا رہا مگر کان اُدھر ہی تھے۔ میں سوچتا اُس کی آواز ہی سُنائی دے جائے۔ وہ کسی بچے کو ہی جھڑک دے۔ آج یہ آواز ہی میرا سہارا بن سکتی ہے۔ کبھی وہ دن تھے کہ محبت کے جھولے میں اُوپر تلے کئی راتیں بیت جاتیں اور طبیعت سیر نہ ہوتی اور آج اُمنگیں تڑپ رہی تھیں۔ حسرتیں مچل رہی تھیں۔ حشر کی زندگی پانے والی رات بھی ختم ہو گئی۔ سحر قریب تھی۔ گھر میں بڑی گہما گہمی تھی۔ بچوں کا شور و غوغا تھا۔ برتنوں کے قہقہے فضا پر چھا گئے۔ میں خاموش میلے کپڑے پہنے سمندر کی عمیق گہرائی میں ڈوبا ہوا تھا۔ نماز پڑھنے کو بھی جی نہ چاہتا تھا۔ مگر جب والد صاحب نے چھوٹے بھائی کے ذریعہ حکم بھیجا کہ جلد تیار ہو کر آؤ تو کپڑے بدلنا پہاڑ نظر آیا۔ پہاڑ اُٹھانا تھا اس لئے اُٹھایا۔ الماری

سے کپڑے نکال رہا تھا کہ باہر گلی میں تانگا نظر آیا۔ سُرخ رنگ کے ملبوسات میں ولائیت کے رُخسار جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔ ٹھیک اُس وقت گلی میں چھوٹا بھائی دکھائی دیا۔ میں نے کھڑکی کا دوسرا پٹ بھی کھول دیا "کہاں جا رہے ہو؟" "یہیں ہوں بھائی جان" تانگا گذر گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہم عید پڑھنے جا رہے تھے اور دل محبت کا ماتم کر رہا تھا۔ گلی میں قدیر بھی مل گیا تھا۔ چند ہی قدم چلنے کے بعد ہم دونوں باقی لوگوں سے الگ ہو گئے۔ کبھی سب سے آگے نکل جاتے کبھی بالکل پیچھے رہ جاتے۔ قدیر کہہ رہا تھا

"بڑا اچھا ہوا جو تم یہاں سے کھسک گئے"

"کیوں؟" پہلے تو میں حیران ہوا پھر اُسی لمحے کچھ خیال آیا "پھول کے ساتھ کانٹے نہ ہوں تو پیار کرنے کو کس کا جی نہیں چاہتا۔ یہ سُرخ اور سفید رنگ کا امتزاج کتنا دلفریب ہے۔ واہ اللہ۔ منہ میں پانی بھر آتا ہے" میں ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ وہ مُسکرا دیا۔

"پھول چاہے کانٹوں سے لدا ہوا ہو چُومنے والے پھر بھی چُوم لیتے ہیں"

"اسی لئے تو خاطر ہو گئی تھی۔ کانٹے دامن بھی تھام لیتے ہیں۔ میاں صاحب ہمارا مال اصلی ہے نقلی نہیں۔ اپنے مالک کو پہچانتا ہے" میں نے خالص گھوڑوں کے سوداگر کے انداز میں کہا اور اُس کا رنگ اُڑ سا گیا

"میرا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوا" اُس نے جھینپ مٹانے کی کوشش کی

"اب جو ہو گیا"

"یہ تو خوش فہمی ہے" اُس نے چہرے پر بکھرے ہوئے تفکرات کو رومال سے سمیٹ لینا چاہا۔

"میں نے ساری کہانی سُن لی تھی۔ کہو تو اور خاطر کرا دوں؟" اُس نے سمیٹے ہوئے تفکرات پرے پھینک دئے اور ہم دونوں مُسکرا دئے

"تمہیں تو اُس نے کہنا ہی تھا۔ سناؤ تمہاری ملاقات ہوئی؟" اسکے سوال میں طنز تھی

"ملاقاتیں تو ہوتی ہی رہتی ہیں میں نے جھوٹ بولا "تم بتاؤ اُس دن کیا ہوا تھا؟"

"ہٹاؤ یار وضو نہ خراب کرو" وہ اس مجھ سے نجات چاہتا تھا

"کوئی آگیا" گفتگو خود ہی بند ہو گئی۔ ہم عیدگاہ پہنچ گئے۔ قدیم نے پھر وضو کیا اور میں یونہی بیٹھ گیا۔ میں نے صف پر بیٹھتے ہوئے بھی یہی قصہ چھیڑنا چاہا مگر اُس نے توجہ ہی نہ دی۔ وہ قرات کی طرف مائل تھا۔ عید کی نماز پڑھ لی گئی تو ہم گھر آگئے۔ میں نے آتے ہی کپڑے اُتار دئے۔ یہ بھی ایک بوجھ تھا جو مجھ سے اُٹھا نہ جا رہا تھا۔ کمرے میں بیٹھے گھٹن محسوس ہونے لگی تو میں سڑک پر چلا آیا۔ گھر سے سڑک تک چند قدموں کا فاصلہ ہی تو تھا۔ سڑک کو غور سے دیکھنے لگا "کیسی ویران سڑک ہے؟" مجھے دیکھ دیکھ خوف آرہا تھا۔ پھر مجھے خیال آیا یہاں تو پھر بھی اِکا دُکا لاریاں گذر رہی ہیں اور اِدھر، اس سنسان لمبی سڑک سے تو کسی کے گذرنے کی اُمید تک بھی نہیں ہے "جانے یہ ویرانی کب ختم ہو؟ اتنی لمبی! اس قدر پھیلی ہوئی شاید یہ کبھی ختم نہ ہوگی" یہ سفر

کبھی ختم نہ ہوگا" بعید نہیں تھا کہ میں اُونچی اُونچی چیخنا شروع کر دیتا۔ مسعود نے سائیکل روک لی

"کب آئے؟"

"کل آیا تھا"

"سڑک پر کھڑے ہو؟"

"دیکھ رہا تھا منزل کتنی دُور ہے؟ سوچ رہا تھا یہ سفر کبھی ختم بھی ہوگا یا نہیں"؟

"منزل تمہاری حدِ نگاہ سے بھی کوسوں دُور ہے۔ کچھ نہ سوچا کرو۔ ایک انگریز کا قول ہے "آج کا دن خوشی سے گذارو "کل" اپنے ساتھ خدا لا رہا ہے"

"کل بھی خار ہونگے آج بھی خار ہیں۔ یہ سنگلاخ سڑک اسی طرح ویران رہے گی۔ ہٹاؤ یار اس خواہ مخواہ کی اُلجھن کو کوئی اور بات سناؤ۔

"کیا سناؤں آپ کے بعد سب کچھ ویران ہو گیا"

پھر جانے وہ کیا کہتا رہا۔ میں دُوسری طرف دیکھنے لگا۔ وہی تانگا واپس آ رہا تھا۔ ولائیت منان فرعونیت کے ساتھ جھلمل کرتے لباس میں ٹانگیں گدی پر پھیلائے بیٹھی تھی۔ کیوں نہ بیٹھتی۔ عید تھی سب سے بڑا خوشی کا دن۔ سب سے بڑے چودھری کی محجوب لڑکی۔ اپنی سہیلیوں کو مُبارک کے ساتھ تحفے تحائف نہ دینے جاتی تو اُس کا محجوب پن کیسے قائم رہتا؟ تانگا گلی میں گھوم گیا۔ میں ولائیت کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔ مسعود کی قُربت کا بھی احساس نہ رہا۔ اُس کے چاچا کی بھی پرواہ نہ کی جو حقہ سامنے رکھے

بہادری کے کارنامے سنا تھا۔ پھر میں اندر ہی اندر بل کھانے لگا۔ مجھے سخت غصہ آرہا تھا ادھر جان کے لالے پڑے ہیں اُدھر رنگ رلیاں منائی جارہی ہیں۔ بے حیا کسی کی بربادی کا احساس ہی نہیں۔ بے شرم

دن گذر گیا۔ سوچ سوچ کر ذہنی قوتیں شل ہوگئیں، خیالات دماغ میں منجمد ہوگئے دماغ! یوں لگ رہا تھا جیسے منوں بوجھ اُٹھائے ہو۔ تفکرات کے ریلے تہ بہ تہ جم گئے تھے اور زندگی کی پوری حرارت سے بھی بے حرکت رہے تھے۔ اسی عالم میں بیٹھک بیٹھا تھا کہ اچانک مجھے یوں لگا جیسے ولایت برآمدے میں کھڑی ہے۔ میں صحن کا دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔ ولایت مچ مچ اپنے سب سے چھوٹے بھائی کو اٹھائے کھڑی تھی اُسے دیکھتے ہی میری پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اور چہرے پہ ایک لا محدود سنجیدگی چھا گئی وہ جلدی سے اندر جانے کے لئے مُڑی تو میں نے کہا

"اچھا کیا ہے۔ ایسا ہی چاہیئے تھا" میرے الفاظ میں بیحد تلخی تھا

"جی"

وہ اندر چلی گئی۔ پیچھے مُڑ کر دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہ کی۔ سارے جہاں کی تلخیاں اُس کی اس ایک "جی" میں سمائی ہوئی تھیں۔ پہلے ہی غصہ بیرومیٹر کے آخری ہندسے تک پہنچا ہوا تھا۔ یہ سن کر تو چنگاریاں شعلے بن گئے۔ سوکھے ناسوروں میں گہرے گھاؤ پڑ گئے۔ جی چاہتا تھا کپڑے پھاڑ کر ننگا ہو کر ناچنے لگوں یا پھر یہی دروازہ جو وہ بند کر گئی ہے اتنا کھٹکھٹاؤں کہ اس کے کواڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور پھر

یہی ٹکڑے اُس کے سر پر دے ماروں۔ اسی طرح اوٹ پٹانگ سوچتے آدھ گھنٹہ گذر گیا۔ میں نے تھک کر ٹیک لگالی۔ جی میں آئی ایک گلاس پانی پی لوں پر اُٹھنے کو ہی ہو چقیں پھر کھڑکھڑائیں۔ اُسی لمحہ مجھے سے ٹن کی آواز بھی آئی۔ میں جلدی میں ننگے پاؤں ہی باہر بھاگ گیا۔ برآمدے میں ولائیت کھڑی تھی۔ اُس نے ایک رقعہ میری طرف پھینک دیا اور جلدی سے اندر جانے کے لیئے مڑی۔
میں نے تلخ لہجے میں کہا
"دو منٹ کے لیئے ٹھہر جاؤ"
"میں ایک منٹ کے لیئے بھی نہیں ٹھہر سکتی"
"بڑی پتھر دل ہو"
"میں بڑی نرم دل ہوں"
میں نے آگے بڑھ کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "ولائیت!" اور میرے آنسو اس کے ہاتھ پر جا گرے
"آپ کو اس طرح کرنا چاہیئے تھا۔ روڑا میری آنکھ پر لگا تھا اور اتنا بڑا زخم ہو گیا تھا۔ آپ نے میرا ذرا بھی خیال نہ کیا۔ کوئی اس طرح بھی کرتا ہے"
میں بُت بنا رہا۔ قوتِ گویائی پتہ نہیں کہاں غائب ہو گئی۔ وہ چلی گئی۔ میں پھر بیٹھک میں آبیٹھا۔ یہ بھی عجیب قصہ ہوا۔ شکوہ میں نے کرنا تھا، دل پر شکایتوں سے بھرا پڑا تھا اور دھونس وہ جا گئی ہے۔ یہ بھی خوب رہی۔ میں نے رقعہ کھولا

جو جلدی جلدی پنسل سے لکھا گیا تھا۔ معلوم ہوتا تھا "جی" کہنے کے بعد دیر تک رقعہ ہی لکھتی رہی ہے لکھا تھا

میرے چاند

کیا بتاؤں میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ میں نے سارا معاملہ ٹھیک کر لیا تھا۔ آپ کے روڑوں کے باعث پھر کام خراب ہو گیا۔ آپا کہتی تھی ولائیت کوئی ایسے ہی تو کسی کو روڑے نہیں مارتا تمہارا بھی ضرور قصور ہے اُس دن میں سب دروازے بند کئے سوئی تھی۔ اتنے دروازے کیسے کھولے جا سکتے تھے؟ آپ کو معلوم تو ہے کہ جب میں نے آنا ہوتا تو شام ہی کو دروازے کھلے چھوڑ کر سوتی۔ آپ کا ایک روڑا میری آنکھ پر ایسا لگا کہ کافی گہرا زخم ہو گیا صبح اٹھی تو آپا نے پوچھا یہ کیا ہوا ہے۔ میں کیا جواب دیتی؟ میں تو بس روتی رہی۔ پھر قدیر کی ماں نے اُس دن کی ملاقات کا سارا واقعہ آپا کو بتا دیا تھا۔ آپا دیر تک مجھ سے پوچھتی رہی "ولائیت بتا دو کچھ اور تو نہیں کیا؟ انسان سے غلطی ہو ہی جایا کرتی ہے" میں نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔ اب سوائے آپا کے میرے ساتھ کوئی بھی اچھی طرح نہیں بولتا

کہاں اتنے رُعب اور ٹھاٹھ سے رہتی تھی، میں نے کبھی
بھی کسی سے کوئی بات نہ کہلوائی تھی اب تو جو بھی کوئی
کچھ کہہ دے چُپ سادھے سن لیتی ہوں۔ اچھا پھر ملوں گی
اگر آپ نے بھلا نہ دیا تو؟

کہتے ہیں شیخ چلی نے کہیں سے سُن لیا عشق لڑانا ہو تو لڑکیوں کو پہلے روڑا مارنا چاہیئے
شیخ بھاگے بھاگے گھر آئے ان کے ہمسایوں کی ایک لڑکی تھی۔ خوبصورت بھی
اور جوان بھی۔ آتے ہی کوٹھے پر چڑھ گئے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ دو تین روڑے
دے مارے۔ کوئی جواب نہ ملا تو ایک سالم اینٹ اُٹھا کر مار دی۔ بچاری
کے سر کا بھیجا نکل گیا اور وہیں ڈھیر ہو گئی۔ میں نے بھی تو شیخ والا قصہ ہی
کیا۔ پہلے چھوٹے چھوٹے روڑے مارے نہ جاگی تو اندھا دُھند بڑے روڑے
چلانا شروع کر دیئے۔ مجھے ہنسی بھی آئی اور افسوس بھی ہوا کہ بچاری کو
اتنی سخت چوٹ آئی سوئی ہوئی محبت پھر جاگ اُٹھی۔ میں نئے نئے منصوبے
باندھنے لگا۔ پچھلی سب کدورتیں دل سے دُور ہو گئیں۔ بچاری واقعی
مجبور ہو گی اگر مجھے بھول گئی ہوتی تو اس قسم کی تحریر کیوں بھیجتی۔ اُس نے
مجھ سے جھوٹا وعدہ نہ کیا تھا پھر بھی میں تمام رات اس کا انتظار کرتا
رہا۔ اُمید کے سہارے رات کٹ گئی۔ اگلا دن بھی یونہی بیت گیا۔ وہ کہیں
نظر نہ آئی۔ یوں میں بھی گلی میں زیادہ نہ گیا کیونکہ اب تو اہلِ محلہ کے علاوہ

اُس کے گھر والے بھی سب کچھ جانتے تھے۔ شام ہوئی تو پھر وہی "ٹن" سُنائی دی جس میں لاکھوں راگنیاں پنہاں تھیں۔ میں جلدی سے باہر نکل گیا۔ صحن کے دروازے کے کواڑ بند کرنا بھی یاد نہ رہے۔ وہ اپنے برآمدے میں خوبصورت حریری لباس پہنے کھڑی تھی۔ پتہ نہیں اتنا جوبن کہاں سے اُمنڈ آیا تھا۔ رنگ نکھرا ہوا اور گالوں کے گلاب مسکرا رہے تھے۔ سفید سفید دو بڑے دانت جیسے کچی کلیاں اور آنکھوں میں سمندر کی سی گہرائی تھی۔ انہی اس گہرائی سے محبت کی لہریں اُٹھ رہی تھیں۔ میں نے اُسے گلے سے لگا لیا اور گال اُس کے رخساروں پر رکھ دیئے

"اندر آجایئے"

"گھر میں کوئی نہیں؟"

"سب ہیں"

"کہاں؟"

"آپا صحن میں سوئی ہے اور چاچاجی باہر خانصاحب سے گپ بازی میں مشغول ہیں"

میں طوفانِ محبت کو نہ روک سکا اور اُسے سینے سے لگا کر زور سے بھینچ لیا

"اِتنا دُکھ تو نہ دیا کرو جان۔ مجھ میں اتنی سکت کہاں ہے"

"وہ مسکراتی ہوئی پرے ہوگئی اپنا ہاتھ میری جیب میں ڈال دیا۔ اُسے کچھ چُبھن سی محسوس ہوئی تھی۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی یہ چُبھن کیسی ہے۔ اُس نے سارے نوٹ نکال کر گننا شروع کر دیئے"

"کتنے ہیں؟"

"پتہ نہیں۔ لے لو"

اُس نے پورے نوٹ گن کر پھر میری جیب میں ڈال دیئے

"نہیں"

مَیں اُسے آئینے کے سامنے لے آیا اور ہم دونوں مسکرانے لگے

"کون خوبصورت ہے؟"

"میں"

"نہیں۔ ہم خوبصورت ہیں" وہ ہنستی رہی۔ پھر کہنے لگی

"میرے چاند پتہ نہیں آپ نے کیا کر دیا ہے۔ سچ بڑا تنگ کرتی ہے"

مَیں نے پیشانی پر بل ڈال کر ترچھی نظروں سے گھورتے ہوئے پُوچھا

"تمہیں؟"

"مجھے کیا تنگ کرے گی۔ اپنے آپ ہی کو کرتی ہے"

"پھر وہ باہر چلی گئی اور ریڈیو کی آواز اُونچی کر کے واپس آگئی۔ ریکارڈ بج رہا تھا

"یاد رکھنا چاند تارو اس سہانی رات کو"

"آواز اُونچی کیوں کر دی؟"

"یونہی"

"بند کر دو"

"نہیں"

"سارا دن بجتا ہے جناب کا ریڈیو۔ تین دن تو مجھے بھی دیکھتے ہو گئے ہیں۔ پچھلے زمانے میں بھوکے جاٹ کو کٹورا ملا تھا اور اب جٹنی کو ریڈیو مل گیا ہے"

"ہمارا تو نہیں غفور چھوڑ گیا ہے"

غفو ان کے پیر صاحب کا جوان اور خوبصورت لڑکا تھا۔ وہ کبھی کبھی تاجور آتا تو ان کے گھر بھی آجاتا۔ جانے میں ولایت سے کیا کیا پوچھ لیتا۔ وہ ہنستی رہتی۔ ان پیر صاحب کا ہر سال میلہ لگتا۔ بڑے بڑے امیر لوگ ان کے مُرید ہیں۔ ولایت کہتی تھی بلکہ ان کے سب مُرید کہتے ہیں کہ وہ کسی سے بھی ایک پائی نہیں لیتے۔ اگر کوئی اپنی خوشی سے کچھ دے جائے تو اسی وقت غُربا میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ اچنبھے کی بات یہ ہے کہ پیر صاحب کے سارے خاندان میں نہ کوئی ملازم ہے نہ کوئی کاروبار کرتا ہے۔ مَیں پوچھ بیٹھتا یہ کھاتے کہاں سے ہیں؟ اور ہر سال مربعوں میں اضافہ کیسے ہو جاتا ہے؟" اس بات کا مجھے آج تک کسی نے جواب نہیں دیا۔ ہمیشہ آئیں بائیں شائیں ہوتی رہی۔ مجھے حنک کی بہت بڑی عادت ہے مَیں نے ولایت سے پُوچھا

"جب تم سال کے بعد جایا کرتے ہو تو مرد اور عورتیں ایک ہی جگہ ٹھہرتے ہیں"

"نہیں۔ عورتوں کے لئے شامیانے لگا دئے جاتے ہیں۔ پردہ ہوتا ہے"

"اور لڑکیاں؟"

"وہ" ولایت ہنس دی

"تم نہ جایا کرو" میری پیشانی پر کتنے ہی بل پڑ گئے تھے

"میں اکیلی کیسے رہا کروں۔ سب جاتے ہیں مجھے بھی ساتھ لے جاتے ہیں"

"تو حضور سے پردہ کیا کرو"

"یہ چاچی ٹھٹھے ہوتے ہیں"

"ولایت" باہر سے ولایت کی آپا نے آواز دی۔ ریڈیو گھر رگھر رکر رہا تھا اور ولایت کی آپا جاگ اٹھی تھی۔ ولایت باہر بھاگ گئی۔ میں جلدی سے برآمدے میں سے ہوتا ہوا اپنی بیٹھک میں آبیٹھا۔ دیر تک انتظار کرتا رہا کہ شاید وہ پھر آئے مگر وہ نہ آئی۔ اس کے باوجود طبیعت بشاش تھی۔ اگر آجاتی تو اور بھی اچھا ہوتا۔ آئندہ ملاقات کے لئے پروگرام بنا لیا جاتا۔ صبح مجھے اپنی ڈیوٹی پر جانا تھا۔ عید کی چھٹیاں ختم ہو چکی تھیں۔ کیا اچھا ہوتا اگر میں اُسے بتا دیتا کہ فلاں دن آؤں گا۔ نیند آج رات بھی نہ آئی۔ کچھ تو انتظار تھا اور زیادہ خوشی تھی۔ کبھی غم نے سونے نہ دیا اور کبھی خوشی کی وجہ سے آنکھ نہ لگی۔ ہر وقت جاگو اور سوچو۔ عجیب تماشا ہے یہ سُسرا عشق بھی۔

میں واپس آگیا۔ ناظرہ آج بھی کھڑکی میں کھڑی تھی۔ میں نے حسب عادت اس کو دیکھا تک نہیں اور آج خلاف معمول اکڑ کر گذرا۔ ناظرہ کیا آج تو میں اندر کے اکھاڑے کی اپسراؤں کو بھی ٹھکرا دیتا۔ مدت سے سوئی ہوئی اُمنگوں میں بجلی کی سی تیزی اور چمک پیدا ہو گئی تھی۔ یہ ہفتہ بھی کمبخت بڑا طویل ہوتا ہے ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔ کب ختم ہو کب چھٹی کا دن آئے۔ گھڑیاں گن گن ہفتہ بیتا۔ میں پھر

وہاں پہنچ گیا۔ دل میں مبہم سا خوف بھی تھا کہ کہیں دوبارہ تہدید نہ ہو جائے مابکی بھی میں نے روٹا نہ مارا اور نہ ہی کھمبے سے "ٹن" کی آواز پیدا کی۔ صرف بیٹھک کی بتی جلا دی۔ اس بیٹھک میں گھر کے دُوسرے افراد کم ہی بیٹھا کرتے اور پھر جب کافی رات گئے تک بھی بتی جلتی رہتی تو وہ سمجھ جاتی کہ دل جلوں کے سوا اتنی رات گئے جدگئے کی کیسے مصیبت پڑی ہے۔ میں دیر تک بیٹھا انتظار کرتا رہا پھر لیٹ گیا۔ اُجالا اندھیرا کو نگل گیا مگر وہ نہ آئی۔ میں مایوس ہو کر واپس چلا آیا۔ چھٹی کا دن آیا تو میں پھر آ گیا گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے کا تو کُل راستہ تھا۔ میں بیٹھک کی بتی جلائے بیٹھا سوچ میں غرق تھا کہ چقیں کھڑکھڑائیں۔ ہلکی سی "ٹن" کی آواز پیدا ہوئی جیسے کھمبے کو صرف ہاتھ سے چھُوا گیا ہو میں باہر آ گیا ولایت کھڑی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ اپنے دونوں

ہاتھوں میں لے لیا

"پچھلی دفعہ کیوں نہ آئیں"

اُس نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اُن کی بیٹھک میں اُس کے چاچا چند آدمیوں سے الیکشن کے سلسلے میں بات چیت کر رہے تھے۔ ہمارا ذکرِ خیر ہو رہا تھا۔ میرا اور میرے ایک دوست کا۔ جو حال ہی میں لفٹیننٹ ہو کر چلا گیا تھا۔ چودھری صاحب کے کھڑپینچ ہم تھے۔ ہم نے ہی دو ماہ کچی سڑکوں کی خاک پھانکی تھی۔ سارا دن کار میں گشت کرتے جہاں رات کے دو، ایک کبھی تین بج جاتے وہیں کار میں سو جاتے۔ دس بارہ دن کے بعد گھر آتے گرد میں اَٹے کپڑے اُتار پھینکتے اور دوسرے پہن

لیتے۔ پھر وہی چکر ہوتا۔ وہی راستے ہوتے۔ ایسے ایسے راستوں پر کار دوڑانی پڑی
کہ قلیں بھی توبہ کر اُٹھتا۔ چودھری صاحب کو ہم نے کئی سٹنٹ بتلائے تھے مگر
ایک پر بھی عمل نہ ہُوا۔ اتنے پیسے کون خرچ کرے جی۔ وہ تو اللہ توکل الیکشن لڑنا
چاہتے تھے۔ پہلے بھی اُنہوں نے اللہ توکل ہی الیکشن لڑا تھا اور وہ کونسلر مقرر
ہو گئے تھے۔ اب ایم۔ ایل۔ اے کے لئے الیکشن لڑنا تھا اور ابکے تو لنگر پیر صاحب
نے بھی کہہ دیا تھا کہ "تم خوش قسمت ہو"۔ چودھری صاحب نے اس کا مفہوم یہی نکالا
تھا کہ وہ کامیاب ہو جائیں گے۔ ابکی اس لئے بھی اُن کو زیادہ فکر نہ تھا پھر انہوں
نے داتا دربار میں چڑھاوا بھی تو چڑھا رکھا تھا۔ وہ کیسے ہار سکتے تھے۔ جب
اللہ والے کہہ دیتے ہیں پھر کوئی نہیں ہار سکتا۔ اسی لئے اتنے سارے پولنگ اسٹیشنوں
میں صرف دو قریبی اسٹیشنوں پر ہمارے نمائندے پہنچے۔ باقی اسٹیشنوں پر اللہ کا نام
تھا یا پیر صاحب کا ورد۔ الیکشن ختم ہو گیا۔ ووٹ اتنے کم نکلے کہ ضمانت بھی ضبط ہو
گئی۔ اب جب بھی پچھلے الیکشن کا ذکر ہوتا ہمارا نام ضرور لیا جاتا "مجھے تو ان
دو لڑکوں نے برباد کر دیا" ہم دل میں بڑا کُڑھتے۔ اگر ہمیں اپنی خدمات کا صلہ یہی
ملنا تھا تو گھر میں ہی آرام کرتے۔ اسی الیکشن کی وجہ سے ہماری کلب فیل ہو گئی
تھی اور ہم چاہتے تو دُوسرے اُمیدواروں کے ساتھ بھی مل سکتے تھے جو دھڑا دھڑ
روپیہ خرچ کر رہے تھے۔ مگر ہمارا ضمیر بیہُودہ حرکتیں گوارا نہ کر سکتا تھا۔ دلایت
اندر چلی گئی اور ایک دراڑ سے جھانکنے لگی۔ معاملہ ٹھیک تھا۔ چودھری صاحب

ابھی برآجمان تھے۔ وہ واپس آگئی

"آپ نے کوئی ایک مصیبت ڈال رکھی ہے۔ وہ قدیر کا بچہ۔ پھر بتاؤں گی" اُس نے چھاتی پر ہاتھ رکھ لیا۔ اُس کا سانس پھُولا ہُوا تھا۔

"نہیں ابھی بتاؤ۔ کیا ہوا؟" میں نے متجسس نگاہوں سے اُسے دیکھا

"اب آپ جائیے"

اندر شاید پاؤں کی آواز سُنائی دی تھی یا شاید ویسے ہی کان بج اُٹھے ہوں۔ اس نے دروازہ بند کر لیا۔ میں پھر بیٹھک میں آکر بیٹھ گیا اور بیٹھے بیٹھے صبح ہو گئی قدیر نے کیا کیا ہو گا؟" میں تمام رات اس کا جواب ڈھونڈتا رہا۔ عید کو ذرا سا ذکر ہُوا تھا کوئی خاص بات تو ہوئی نہیں تھی۔ کچھ بتا کر بھی نہیں گئی۔ پتہ نہیں کیا ہُوا شاید اسی وجہ سے پچھلی مرتبہ بھی نہ آئی ہو۔ دھوپ کی شدت نے مجھے چونکا دیا اپنے آپ پر سخت غصہ آیا۔ یُونہی ذرا سی بات پر خواہ مخواہ اپنے آپ کو پریشان کر لیتا ہوں اسکے باوجود یہ پریشانی ایک ہفتہ تک دُور نہ ہُوئی۔ ایک ہفتہ بعد اسی پریشانی کو لئے میں بیٹھک میں بیٹھا تھا "ٹن" کی آواز آئی میں ابھی دروازے میں ہی تھا کہ ولائیت نے کہا

"صحن کا دروازہ کھلا رکھئے گا۔ آج میں آؤں گی"

"برآمدے میں آجانا وہیں چارپائی پر میں لیٹا ہوں گا"

"اچھا" وہ فوراً اندر چلی گئی۔

مَیں چارپائی پر لیٹا تھا۔ عین اسی جگہ پر اُنہی دِنوں ہماری پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ پہلی ملاقات سے مُراد رات کی ملاقات ہے دن کو تو ہم کئی مرتبہ مل چکے تھے۔ جیسے آج خود کہہ کر گئی تھی اسی طرح اُس دن رُقعہ بھیجا تھا کہ "آج رات میں آؤں گی ابا کہیں گئے ہیں۔ صرف مَیں ہی ہوں گی۔ چاچا جی بھی ساتھ ہی گئے ہیں" اُس وقت دل بلیوں اُچھل پڑا تھا اور شاید بیٹھک کا پردہ گرا کر قدِ آدم آئینہ کے سامنے میں نے اپنا ناچ بھی دیکھا تھا۔ اگر ولایت میرے پاس ہوتی تو ہم ضرور رمبا ناچتے۔ میں صحن میں لیٹا اُس کا انتظار کر رہا تھا کہ رات کے پہلے ہی پہر بارش آ گئی۔ میں نے چارپائی برآمدے میں کر لی۔ ان کی چارپائیاں بھی اندر چلی گئیں۔ وہ ابھی تک صحن میں بکھری ہوئی چیزیں اکٹھی کر رہی تھی۔ قمیض بھیگ کر اُس کے جسم سے چپک گئی تھی اور گستاخ زلفیں رخساروں سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی مَیں دیوار پر کھڑے سب کچھ دیکھتا رہا۔ جب کافی دیر تک اُسے میرے آنے کا پتہ نہ چلا تو میں نے ایک چھوٹا سا روڑا صحن میں پھینک دیا۔ اُس نے میری طرف دیکھا اور پھر دبے پاؤں قریب آ گئی "میں ابھی آتی ہوں" میں وہیں کھڑا رہا وہ اندر چلی گئی۔ اُس نے دونوں کمروں کے درمیان کے کواڑ بند کر دیئے۔ چند ہی منٹوں کے بعد وہ واپس آ گئی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ نرم گداز میرے بدن میں ایک جھرجھری سی آ گئی۔ مَیں نے پہلی مرتبہ اس طرح تنہائی میں کسی نوخیز دوشیزہ کا ہاتھ پکڑا تھا۔ مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے کوئی بند کلی میرے ہاتھ آ گئی ہو۔ کلی کھلنے کے لئے ہوتی ہے

کلی کھل کر پھول بن جاتا ہے۔ پھول میں لاانتہا کشش ہوتی ہے اس کا سُرخ و سفید رنگ کتنا پیارا ہوتا ہے۔ میرے جی میں آئی اسے فوراً پھول بنا دُوں۔ میں نے اُسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ ہم پیچھے آکر چارپائی پر بیٹھ گئے۔ وہ بستر کی سفید چادر لپیٹ آئی تھی۔ میں نے اُتار کر پرے پھینک دی۔ چکور چاند سے لپٹ گیا۔ دیر تک یہی کیفیت رہی پھر اندھا دُھند بوسوں کی بوچھاڑ ہوگئی۔ میں پاگل سا ہوگیا تھا۔ میں لیٹ گیا "سخت سردی ہے" ہم دونوں ابھی تک کانپ رہے تھے خون کی رفتار میں کافی تیزی تھی۔ پہلی مرتبہ اتنی بڑی چوری کی تھی۔ سردی تو محض ایک بہانہ تھا خوف کانپنے پر مجبور کر رہا تھا۔ میں نے چادر اوڑھ لی" ٹانگیں چادر کے اندر رکھ لو۔ توبہ بڑی سردی ہے۔ اُس نے رسمی پس و پیش کے بعد ٹانگیں اندر رکھ لیں۔ ہمارے سانسوں میں پہلے سے کہیں زیادہ تیزی آگئی

"لیٹ جاؤ"

"نہیں"

"آپ کو سردی نہیں لگتی"

"نہیں"

"نہیں کیوں نہیں۔ لیٹ جاؤ"

پھر میں نے خود ہی اُسے لٹا دیا۔ چادر نے ہم کو حرارت دی اور دلوں کی دھڑکنوں نے یکرنگی پیدا کی "سردوز آجایا کیجئے" اس سے پہلے کہ کوئی جواب ملتا میرے ہونٹوں

میں سو گئے تھے دیر تک میں ان کی خیریتی سے حظ اُٹھاتا رہا دیر تک ہم لپٹے رہے اور دیر تک ہم کوئی بات نہ کر سکے۔ پھر اچانک۔ ایک آواز آئی "ولایت" اور ولایت پہلے سے کہیں زیادہ کانپنے لگی۔ "مجھے سب ڈھونڈ رہے ہیں" وہ دیکھتے ہی دیکھتے کلانچیں بھرتی نکل گئی۔ اور میں ساری رات پریشانی میں کروٹیں بدلتا رہا۔ پتہ نہیں کیا ہوا ہوگا صبح ایک رقعہ ملا

میرے چاند

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ راز، راز ہی رہا۔ اگر میں ایک منٹ بھی دیر سے پہنچتی تو بھانڈا ہی پھوٹ جاتا۔ گھر کے سب لوگ مجھے ڈھونڈ رہے تھے تاج دین تو سیڑھیوں تک میں تلاش کر آیا تھا یہ بڑھیا جسے آپا جی میاں چھوڑ گئے ہیں بڑی عیار ہے۔

ہائے اللہ یہ جاٹ بہت بڑے ہوتے ہیں۔ جان ہی سے مار ڈالتے ہیں۔ رات۔ جو میرے ساتھ ہوا وہ کچھ مجھے ہی معلوم ہے میں خوف سے کانپ رہی تھی اور میں ڈر کے مارے سب کچھ بھول گئی

آپ نے پہلے خط میں لکھا تھا "ہم مل کر کچھ پروگرام بنائیں گے" آپ نے پروگرام بنانے کی بجائے کچھ اور ہی پروگرام بنا دیا۔ مجھ کو یقین تھا کہ آپ مجھے چھوئیں گے تک نہیں لیکن آپ نے مجھے پکڑتے ہی سب کچھ کر دیا۔ کیا ان باتوں سے زیادہ محبت نہیں

ہو گی؟ میرا دل تو چاہتا تھا اکٹھے بیٹھ کر پیاری پیاری باتیں
کرتے رہیں بس اور کچھ نہ ہو۔ آپ نے میرے ساتھ کوئی ایسی بات
نہیں کی بس آپ کے منہ میں تو یہی تھا "لیٹ جاؤ"
خدا حافظ۔ غسل خانہ میں بیٹھ کر یہی چند ٹوٹے پھوٹے الفاظ
لکھ سکی ہوں۔ کسی نے آواز دے دی ہے۔ مجبوراً تحریر ختم
کر رہی ہوں۔

چاند میرے بچھڑے ہوئے ساتھی کبھی نہ کبھی مل ہی جاتے ہیں۔

آپ کی پیاری
ولایت بیگم

میں نے غلطی کی ہے کہ اپنا نام لکھ دیا ہے
میرا نام مشاد بیگم ہو گا۔

یہ خط کتنا پیارا ہے اس کے ایک ایک سطر و ایک ایک لفظ سے محبت کی شیرینی پھوٹ رہی ہے۔ تحریر کا رنگ خلوص میں ڈوبا ہوا ہے ہر حرف جگر کا قطرہ معلوم ہوتا ہے۔ میں نے اسے اتنی بار پڑھا کہ مجھے حفظ ہو گیا۔ ولایت آئی تو میں نے اسے کہا "تم تو سچ مچ ادیب بن گئی ہو کیسی شگفتہ تحریر ہے۔ الفاظ کی ہم آہنگی کی معراج ہے ولایت آئی تو میں نے کہا جان اب کیوں ایسے خط نہیں لکھتی ہو؟ کتنا پیارا خط تھا۔ پڑھ کر سناؤں؟ مجھے تو زبانی یاد ہے"

"مجھے تو کچھ بھی یاد نہیں۔ اور یہ ادبی تو آپ ہی سے سیکھی تھی۔ آپ ہی کے الفاظ الٹ پھیر کر بھیج دیتی تھی۔ سچ مجھے تو خط لکھنا بھی نہیں آتا تھا یہ تو بزم نشاط کی عنایات ہیں، شاید آپ کو یاد ہو میں نے آپ کے پہلے خط کا کافی دنوں تک جواب نہ دیا تھا۔ آپ کی تحریر میں نفاست کوٹ کوٹ کر بھری تھی، الفاظ خوبصورت تھے ان میں رچاؤ تھا۔ میں خط لکھتی تھی اور پھاڑ ڈالتی تھی۔ اچھی طرح لکھا نہیں جاتا تھا۔ مجھے اپنی ناقص تحریر بھیجتے شرم آتی تھی۔ پھر جب آپ کا دوسرا خط آیا تو مجبوراً جواب دینا پڑا۔ آپ نے میرے خط کی خوبصورت فقرات میں تعریف کی تو میری ساری جھجک دور ہو گئی۔ اس کے بعد میں نے لمبے لمبے خط لکھنا شروع کر دئے"

یہ بات میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا۔ پھر تمہارے خط نے بھی اسکی تائید کر دی۔ تمہاری تحریر پر وہ شاعری اسی لئے تو ہوتی تھی کہ تمہیں احساس کمتری نہ رہے۔ تمہارے اُن خوبصورت خطوط کو میں نے سوٹ کیس میں بچھے ہوئے کاغذوں کے نیچے رکھ چھوڑا ہے تاکہ اگر تم بھول جاؤ تو وقتاً فوقتاً تمہیں وہ وعدے یاد دلا دیا کروں جن کو صرف دلوں کی دھڑکنوں نے سُنا تھا"

"مجھے تو کچھ بھی یاد نہیں" وہ ہنس رہی تھی

"ابھی سے بھول گئی ہو۔ تم نے تو بڑے بڑے عہد پیمان باندھے تھے جس کو ابھی سے سب کچھ بھول گیا ہے وہ بعد میں بھلا ہمیں کیوں یاد کرنے لگی۔ مجھے پتہ ہے تم مجھے کبھی بھی یاد نہ کرو گی۔ لیکن جب بھی ہو سکا تمہیں یاد دلا دیا کروں گا۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ وہ خط اپنے پاس

رکھو جو میں تمہیں بھیجنے کی بجائے ایک فلمی رسالے میں چھپوا دیا تھا۔ سناؤں تمہیں ؟

"سنایئے"

"ٹھہرو میں ذرا دیکھ لوں۔ پتہ نہیں اُس وقت غصہ میں مَیں نے تمہیں کتنی ہی گالیاں

سُنا دی تھیں"

میں نے الماری سے نکال کر پورا خط پڑھنا شروع کر دیا۔

میری زندگی کی روشنی

سلام خلوص

پیار کی ڈوری !

ٹوٹ گئی

میں نے دیکھا ڈوری کے سرے پر کوئی ایسا نشان نہ تھا جہاں کبھی پہلے محبت اور نفرت

کا اتصال رہا ہو، ملاپ رہا ہو۔

ڈوری جو میں نے تمہاری طرف پھینکی "محبت کا دھکتا زرپاشیاں کرتا تار تھا اور وُہ

رسّا جو اُس کے ساتھ بندھا تھا میرے دل سے کہیں زیادہ حساس تھا۔ ڈوری ٹوٹ گئی

اور میرے پاس ڈوری کی گوٹ "نفرت کی گوٹ" رہ گئی جو پھیلتی ہی جا رہی تھی جیسے

زندگی کی ویرانی

تم نے روڑے کی ٹھک ٹھک کو محض ٹھک ٹھک ہی سمجھا۔ پگلی یہ دل کی دھک دھک تھی

اس دھک دھک کو سُن کر تم نے اُلٹا چادر اوڑھ لی۔ تم نے سمجھا اس طرح میں تمہیں سویا ہُوا

سمجھ لیتا۔ اس دھک دھک کی آواز میں اتنی تیزی تھی کہ تمہاری ماں تک جاگ اُٹھی

اُس نے ملحقہ دیوار کی طرف دیکھا اور چیخی "دُھندلے مُنہ" تم پھر بھی سوئی رہیں جیسے تمہیں کچھ پتہ ہی نہیں۔ کیا تم وہی ولایت نہیں ہو جس نے کہا تھا میں آپ کے ساتھ شادی تو نہیں کر سکتی مگر ساتھ پُورا دُوں گی" آج پتہ چلا تمہاری ہر بات کس قدر فریب میں لپٹی ہوتی تھی اور وعدے۔

"وعدے!" وعدے تو تم نے بڑے بڑے کئے تھے جن کو میں ہمیشہ سمجھتا رہا کہ تمہارے تحت الشعور سے اُبل رہے ہیں اور جب تم نے ایک بات رو رو کر اپنی آنکھیں سُرخ کر لی تھیں تو مجھے یقین ہو گیا تھا کہ تم جھوٹ سے یکسر مبرا ہو اور تمہیں دیکھ کر میں بھی رو دیا تھا۔ ایسا شخص رو دیا تھا جو اپنے عزیز ترین معصوم بھائی کی وفات پر بھی ایک آنسو تک نہ گرا سکا تھا آج پتہ چلا تم ولایت نہیں نفرت کا ڈھیر ہو۔ گناہ کا پلندہ ہو جھوٹ کا سمندر ہو۔

جھُوٹ بھی نہایت ہی زہریلے قسم کا مگر یہ زہر جو میری ہڈیوں تک میں رچتا چلا جا رہا تھا اس کا ذمہ دار میں خود ہوں جس نے دیدہ دانستہ سب کچھ کیا۔ میں نے تم سے کہا میرے ساتھ شادی کر لو تم نے کئی جھوٹ تراشے۔ میں نے کوئی بات پوچھی تو تم جواب گول کر گئیں۔ تمہاری عشوہ طرازیوں کا جواب میں نے ہمیشہ منت سے دیا کبھی تم نے بھی میری کوئی بات مانی؟ کبھی تم نے بھی مجھے اپنانے کی کوشش کی؟ جب ہمارا راز افشا ہوا تو میں نے تم سے کہا اگر تم کہو تو میں دو ایک ماہ کے لئے کہیں باہر چلا جاؤں؟" اور تم نے بغیر سوچے سمجھے بغیر ہمدردی جتائے بڑے کورے لہجے میں سر ہلا دیا۔ "ہاں" تم اتنا تو سمجھتی تھیں

جو تمہاری خاطر اتنی قربانی دے رہا ہے اُسے جھوٹ مُوٹ ہی کے دو میٹھے بول کہہ دوں۔ مجھ ایسے جیتے جاگتے ستائے ہوئے انسان کے لئے تم ہمدردی اور تسکین کے الفاظ تک نہ کہہ سکیں ولایت کاش تم مجھے سمجھ سکتیں۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ میں تمہیں ایک دوست دیکھنا چاہتا ہُوں۔ کیونکہ دوست جیسی دُنیا میں کوئی شے نہیں مگر تم فاسد نیت لئے ہوئے تھیں تم کیا جانو کسی دوست کی قدر۔

میں نے تمہارے رویے پر اچھی طرح غور کیا ہے۔ جب میں کچھ دنوں کے لئے باہر چلا آیا تو تم مجھے بھُول گئیں۔ میں جس کے بغیر تم ایک منٹ بھی زندہ نہ رہ سکتی تھیں صرف تم سے ملنے کے لئے آیا اور تمہارے نفرت بھرے روکھے رویے نے میرے حوصلے کے پر توڑ ڈالے۔ مجھے خواہ مخواہ احساس ہونے لگا کہ تم نے کسی اور کو اپنا لیا ہے اور شیخ سعدی کا قول روئیں روئیں سے چیخ چیخ کر بول اٹھا۔ تم نے بہانہ تراشا کہ آج والدہ گھر پر نہیں ہے صرف والد سوئے ہیں اس لئے والدہ آلے پھر آؤں گی۔ کتنی کچی تھی تمہاری بات۔ تم اُس ہستی کے متعلق کہہ رہی تھیں جس کی نگاہیں ہر وقت تمہارا تعاقب کیا کرتی تھیں اور پھر اگلے دن جب تمہاری والدہ آگئیں تو تمام رات میں نے تمہارے انتظار میں بسر کر دی۔ تم یہ بتلانے تک نہ آسکیں کہ آج میں نہیں آسکوں گی۔ دو منٹ کا راستہ ہی تو تھا دو منٹ کی بات ہی تو تھی۔

اور دوبارہ جب میں کافی دنوں کے بعد تم سے ملنے کے لئے واپس آیا۔ تو تم پہلے سے کہیں زیادہ کٹڑی ہو چکی تھیں۔ تم مجھے دیکھ کر سلام تک نہ کر سکیں۔ تمہارے ہونٹوں

پھر ذرا سی رُوکھی پھیکی مسکراہٹ تک نہ آ سکی۔ تمہاری نگاہوں کا جادو، مسکراہٹوں کی بے پناہ لطافت اور معصوم باتیں عنقا تھیں۔ تم میں خلوص کی کمی اور غیض و غضب کی فراوانی تھی۔ دو دن دو راتیں صدیوں کے دن اور پہاڑ ایسی راتیں میں نے تمہارے انتظار میں گزاریں۔ مگر تم نے ایک اشارا تک نہ کیا۔ کیا تم وہی نہیں ہو جس کے ناولوں کی طوالت ایسے خطوط کی فائیل ابھی تک میرے پاس پڑی ہے؟ کیا تم ایک خط لکھکر اپنی الجھن تکالیف نہیں بتا سکتی تھیں پہلے بھی تو تم آخر ایک ایک بات لکھا کرتی تھیں۔ تم سمجھتی ہو میں کچھ نہیں جانتا؟ میں ہر بات سمجھتا ہوں اور اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ میں وہ بھی جانتا ہوں جب میں تمہارے مکان کے آگے سے گزر کر جا رہا تھا تو تم نے مجھے دیکھ کر کھڑکی بند کر لی تھی تم سمجھتی ہو میں اتنا بھی نہیں جانتا کہ تم کھڑکی میں بیٹھی کس کا انتظار کر رہی تھیں۔ تم نے میری شکل تک دیکھنا گوارا نہ کی۔ ولایت شمیم تو ہوں جس کے انتظار میں تم راتیں جاگا کرتی تھیں جس سے تم نے قسمیں کھا کھا کر کہا تھا کہ "میں تم سے صرف تم سے محبت کرتی ہوں اور جس کے پہنچنے پر تم بتایا کرتی تھیں آپ اتنے قدم چل کر آئے ہیں۔

آج تمہیں مجھ سے نفرت ہو گئی ہے اس لئے کہ میں نے تمہیں ہر حالت میں خوش رکھنا چاہا، اس لئے کہ میں تمہاری ناشائستہ حرکات برداشت کرتا رہا اس لئے کہ میں نے تمہارے لئے اپنی عزت تک کو بٹہ لگا لیا اس لئے کہ تمہارے لئے زمانے بھر کو اپنا دشمن بنا لیا۔ اس لئے کہ تمہارے اشاروں پر کوٹھوں تک کی دیواریں پھاندیں۔

اگر تمہارے کہنے پر دیواریں نہ پھاندتا۔ راتوں کو ننگے پاؤں آ آ کر تم سے نہ ملتا تو کتنے سکھ کی کتنے چین کی زندگی بسر کر رہا ہوتا۔ میرے معیار سے کتنی گری ہوئی تھیں یہ باتیں مگر تمہیں احساس تک نہیں ہے۔

تمہارے کہنے پر میں نے کئی بار "بھنڈی" تک توڑ ڈالی شاید تم آج بھی کہو کر "میں نے کبھی مجبور نہیں کیا یا کبھی نہیں کہا ہاں اگر آپ نے خواہش ظاہر کی تو انکار نہ ہو سکا" مگر میں کبھی نہیں مانوں گا۔ ابتدا تمہیں نے کی تھی۔ بظاہر سہی اشاروں کنایوں میں بھی تو خواہش کی جھلک نظر آ سکتی ہے۔ اور بعد میں ہمارا یہ معمول ہو گیا تھا کہ رات میں دو ایک بار ضرور ملتے۔ اور تم جانتی ہو یہ ملاپ کیسا تھا؟ کیا یہ ملاپ وہ نہیں تھا جو چاند اور چکور سے منسوب ہے کیا یہ ملاپ وہ نہیں تھا جو لوہا اور مقناطیس سے متعلق ہے جو کچھ بھی ہوا، اُس کے متعلق اب کچھ کہنا اچھا نہیں لگتا۔ لیکن میں اب بھی محسوس کرتا ہوں کہ تم جو مجھ سے چمٹ کر الگ ہو گئی ہو اب تک میری رُوح کے ساتھ منسلک ہو۔

آج میں سوچتا ہوں اپنے معیار سے کتنی گری ہوئی باتیں میں محض تمہارے کہنے پر کرتا رہا ہوں۔ اگر تم سمجھتی ہو میری اپنی خواہش ہوتی تھی تو کیا آج اس کے بغیر میں زندہ نہیں ہوں یا اس سے پہلے زندہ نہ تھا۔ جب میں تم سے ملنے آیا تو تمہارے چہرے پر تلخ جذبے کی ایک رَو دوڑ گئی۔ تم نے کہا: "مطلب پڑا ہے تو آ گئے ہیں۔ اتنے دن کیوں نہ یاد کیا؟" تم نے یوں کہا جیسے لق و دق صحرا میں میٹھے پانی کا تنہا چشمہ تم ہی تو ہو جیسے ہوس کی تسکین، درماندہ آرزوؤں کو اطمینان اور آوارہ خیالات کو

تبدیلیاں دینے کے لئے تمہارا پاس ہونا ہی تو ضروری ہے ولائیت تمہاری زبان کو
بہتے الفاظ زیبا نہیں دیتے۔ میں نے تم سے کبھی بھی مطلب نکالنے کی کوشش نہیں کی۔
تم سمجھتی ہو اتنے دن میں نے شکھ سے گزارے ہونگے؟ تم سمجھتی ہو اتنے دنوں تم مجھے
یاد نہ آئی ہوگی؟ تم نے یہ کیوں نہ دیکھا غم میری رگ رگ میں رچا ہوا ہے۔
کاش تم میری حالت کا اندازہ کر سکو۔ میرے دل کو ٹٹول کر دیکھ سکو۔ ولائیت تم
اتنی کٹھور اتنی کٹھور کیوں ہو گئی ہو؟ آخر تم نے مجھ میں کیا کمی دیکھی؟ میں نے تم
سے ہمیشہ اپنی خامیوں کے متعلق پوچھا تاکہ انہیں میں دُور کر لُوں مگر تم نے کبھی کچھ
نہ بتایا اور شادی سے ہمیشہ انکار کیا۔ مجھے بتاؤ میرے اندر اند وہگیں خیالوں نے
زبردست طوفان برپا کر رکھا ہے بتاؤ کہ میری ذہنی گندلاہٹیں دُور ہو جائیں۔
ولائیت! میں نے تمہیں ہمیشہ دوست سمجھا، اپنے غم کا مداوا سمجھا مگر تم میرے جذبات
کی قدر نہ کر سکیں۔ میں حساس اور جذباتی انسان ہوں ہر کسی کو اپنا سمجھ لیتا ہوں
آج تک کوئی میرا نہیں بنا۔ میں نے تم سے بارہا کہا۔ ولائیت تم مجھے ایک دوست
سمجھو۔ میاں میری بہن بھائی ماں باپ کسی سے بھی کھلم کھلا باتیں نہیں ہو سکتیں
جس طرح ایک دوست دوست سے کر سکتا ہے۔ یہ میرے جیسا دوست ہی
تھا جس نے بھنڈی کی چپچپاہٹ سے نفرت کے باوجود ہر روز بھنڈی کھائی۔ ہر روز
متلی پیدا کر دینے والی چپچپاہٹ کی اذیت سہی۔ یہ بھی میں تسلیم کر دوں گا کہ یہ تم ہی تھیں
جس نے مجھے گرم خشک مونگ پھلی تک کھا لینے دی اور جب یوں آسانی سے نہ کھائی گئی تو

تیل تک میں بھونا لی گئی۔ تمہیں اس سے سخت کوفت ہوتی تھی مگر پھر بھی تم میرے اصرار پر رضامند ہو جاتیں اور لوگ بھی بھنڈی کھاتے ہیں مگر ہماری طرح نہیں تم اس واہیات بھنڈی کی خاطر میرے انتظار میں راتیں گزارا کرتی تھیں۔ تمہارا شوق کیسا عجیب و غریب تھا۔ تم آنکھ تک نہ جھپکتی تھیں اور آج میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم آرام سے ٹانگیں پسارے پڑی ہوتی ہو۔ تمہیں کسی بات کا ہوش تک نہیں ہوتا۔ ایسا شوق جس میں اتنی شدت ہو۔ کیا اتنی جلد ختم ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ولائیت مجھے یقین نہیں آتا کہ تم وہی ولائیت ہو اور تمہارا دل وہی دل ہے جو رات کے سناٹے میں دھڑکا کرتا تھا۔ تمہاری رگ رگ سے محبت پھوٹ پھوٹ پڑتی تھی اور آج تم اتنی کوری ہو گئی ہو اتنی چار چشم کہ مجھے دیکھنا تک پسند نہیں کرتیں۔ کیا ہم وہ نہیں جن کے دل رات کی تنہائی اور سناٹوں میں دھڑکا کرتے تھے؟ کیا ہم وہ نہیں جنہوں نے زندگی کے تمام درمیانی راستے جانے کب عبور کر لئے؟ تمہیں یاد ہو گا ایک دفعہ میں نے کہا تھا ولائیت کہیں مجھے چھوڑ تو نہ دو گی۔ اور تم نے جواب دیا تھا۔ "اب تو اوپر نیچے سے آپ کی ہو چکی ہوں"۔ میں نے کہا "مگر اندر سے ابھی تک نہیں ہوئی"۔ اور تم ہنس دی تھیں اب بتاؤ کیا میں نے ٹھیک نہ کہا تھا؟ اب تم میری تسلی کے لئے دو لفظ تک نہیں کہہ سکتیں میری سسکیاں سنتے ہوئے بھی مزے سے خراٹے لیتی رہتی ہو۔ خدا کے لئے بتاؤ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم اتنی سفلی کیوں ہو گئی ہو؟ کیا میں وہی نہیں ہوں؟ کیا میری محبت پہلے سے بھی دگنی نہیں؟ میں نے تم سے کہا تھا کہ اوروں کی محبت دن بدن گھٹتی ہے اور

میری محبت جنگل کی خود رَو گھاس کی بڑھتی جاتی ہے جانتی ہو کیوں؟ میں تم کو بتا چکا ہوں کہ تم میرے غم کا مداوا ہو۔ میں نے تم سے کہا تھا "ولایت جب بھی بیوفائی ہو گی تمہاری طرف سے ہی ہو گی۔ میں تمہیں کبھی دھوکا نہ دوں گا۔" آج میری کہی ہوئی باتوں کے متعلق سوچ لو۔ غور کر لو۔ کیا میں نے ایک بات بھی جھوٹی کہی تھی؟ جھوٹ سے مجھے نفرت ہے۔ میں سچ کہتا ہوں اور سچ ہی سُننا چاہتا ہوں میں نے تم سے ہمیشہ کہا جو بات ہو۔ مجھے سچ سچ بتا دیا کرو۔ مگر تم نے سچ سے ہمیشہ گریز کیا۔ میں نے بارہا کہا اگر تمہیں مجھے کل چھوڑنا ہے تو آج ہی بتا دو تاکہ میں تمہیں بھول جانے کی کوشش کروں۔ مگر تم نے ہمیشہ فریب سے کام لیا۔ تمہاری چرب زبانی نے مجھے ہمیشہ دھوکا دیا۔

میرا سرمایۂ حیات وہ لمحات ہیں جو تمہارے قرب میں بسر ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ آج میں تمہیں جتنا بھولنا چاہتا ہوں تم اتنا ہی یاد آتی ہو۔ مجھ میں اتنی طاقت کہاں ہے کہ ایسی دیرینہ رفاقت کو یکلخت بھول جاؤں۔ تم نے میرا کھانا پینا اُٹھنا بیٹھنا سونا سب کچھ حرام کر دیا۔ میرے اطراف کانٹے ہی کانٹے کلیاں ہی کلیاں بکھیر دیں۔ ناامیدی کے طوفان میں آس کی ایک لہر تک نہیں رہی۔ آخر تمہیں مجھے اس طرح برباد کر کے کیا ملا؟ میں تمہیں بھول جانا چاہتا ہوں۔ مجھے تم سے سخت نفرت ہو گئی ہے۔ مگر دل! یہ نامراد دل میری ایک نہیں سُنتا۔ دیدہ دانستہ تمہاری طرف کھینچے لئے جاتا ہے۔

تمہیں میرے لیے روڑے مارنے بہت بُرا کیا۔ اُس کی ڈوری جو شاید بعد میں تمہاری ماں نے پکڑ لی تھی۔ اس دل کے مجبور کرنے پر ہی میں نے یہ سفلی حرکت کی تھی۔ حالانکہ اس سے

پہلے جب تم مجھے بے حد دُکھ بن سے ملی تھیں تو میں نے دل میں سینکڑوں قسمیں اور گالیاں کھائی تھیں کہ اب تمہیں کبھی نہ بلاؤں گا۔ تم خود ہی آ ؤ گی تو صلح ہو گی۔ مگر تم سخت ڈھیٹ نکلیں میں نے دو دن اور دو راتیں یوں کاٹیں جیسے پھانسی پر لٹکا ہوں۔ انتظار کی کڑوی اور کسیلی گھڑی مجھے جیسے لگ رہی تھی۔ اور تم مزے سے سوئی رہیں تمہیں خیال تک نہ آیا۔ کہ میں تمہارے ملنے کے لیے کتنی دُور سے آیا ہوں اور کس قدر بے تابی سے انتظار کر رہا ہوں تیسری رات میرے دل نے مجھے چین نہ لینے دیا۔ انتظار کا قرب شباب پر پہنچکر مائل بہ زوال تھا تنہائی کے درد کی ٹیس اُٹھ اُٹھ کر لرزہ براندام کر رہی تھی۔ جانے کس وقت اُٹھ کر میں نے ڈوری سے روڑ باندھ کر تجھے جگانا شروع کر دیا۔ انتہائی خوف کا نام دلیری ہے تم نے یوں نہ سُنا۔ تو میرا سارا خوف دُور ہو گیا۔ روڑا زور زور سے زمین پر کبھی چارپائی پر بجنے لگا تم بجائے کوئی اشارہ کرنے کے اُلٹی چادر اوڑھ کر پھر لیٹ گئیں۔ مجھے سخت غصہ آیا۔ روڑے کی رفتار اور تیز ہو گئی جس کی کھڑکھڑاہٹ سے تمہاری ماں جاگ اُٹھی۔ تم کہو گی یہ بھی میری غلطی تھی۔ کیا تم ایک ہی روڑے سے نہ جگ جایا کرتی تھیں اور بعض دفعہ بغیر روڑے کے ہی۔ کیا تم آ کر بتایا نہ کرتی تھیں آج میں نے اتنے روڑے مارے اگر تم جگ جاتیں یا اشارہ ہی کر دیتیں تو تمہاری ماں کو بھلا کیسے پتہ چلتا۔

مجھے اس بات کا بھی افسوس نہیں کہ تمہاری ماں کو پتہ چل گیا اور اس نے تمہارے باپ کو جگا کر ہماری دیوار کی طرف اشارہ کیا کہ ادھر دیکھتا ہے اور ساری کہانی کہہ سنائی آخر پہلے بھی تو محلہ والوں نے دیواریں پھاندتے دیکھا ہی تھا اور تمہارے والدین کو بتایا تھا

مجھے افسوس ہے تو صرف تمہارے رویتے پر۔ دُنیا میں اتنا کورا کٹھور انسان بھی کوئی نہ ہو۔ میں نے تمہیں جتنا اچھا سمجھا تم اتنی ہی بُری نکلیں۔ میرا جی چاہتا ہے تمہیں خوب مغلظات سناؤں۔ خوب پیٹوں اور بعد میں بیٹھا دیر تک قسمت کو روتا رہوں۔ میں حیران ہوں۔ سخت حیران۔ میری حیرانگی کی کوئی حد نہیں رہی۔ کہاں تمہاری ولائیت کہاں اب یہ رویّہ کہاں ہے وہ چاند جس نے شہادت دینے کی حامی بھری تھی۔ کہاں ہیں وہ تارے جو ہمارے پاسباں ہوئے تھے۔ یہاں کوئی نہیں ہے کوئی نہیں ہے کیا تم نے اپنے متعلق بھی کبھی کچھ سوچا ؟ خدا کے لئے ذرا خیال تو کرو تم نے مجھ سے کیا کیا وعدے کئے تھے کس کس طرح یقین دلایا تھا

تم مجھے رُوکھے پن سے ملیں اور ایک مہمل سا بہانہ تراشا۔ مجھے اتنا تردد دیکھ کر بھی تمہارا دل نہ پسیجا۔ تم دوبارہ مجھے مل سکتی تھیں۔ میرے اتنے دن باہر رہنے کی وجہ سے سارا معاملہ ٹھنڈا پڑ چکا تھا سب لوگ ہماری کہانی بھول چکے تھے۔ وہی لوگ جو ہنسی ہنسی میں مجھے کچوکے لگایا کرتے تھے جب میں انہیں ملا تو انہوں نے ہماری اس محبت کے متعلق اشارہ تک نہ کیا مگر تمہاری اپنی نیت خراب تھی۔ تمہاری اپنی اڑچنوں کی وجہ سے ہماری ملاقات نہ ہو سکی۔ جان بوجھ کر تم مواقع گنواتی رہی ہو تم نے مجھے کہا تھا نا کہ "مطلب پڑا تو آگئے ہو ورنہ اتنے دن میں کیوں نہ یاد آئی،، ولائیت تم ہمیشہ تنگ نظری کم ظرفی اور بے انصافی کی راہ پر چلتی رہی ہو۔ ولائیت تمہارے نام میں اتنی فصاحت ہے۔ جانتی ہو ولایت کے معنی کیا ہیں۔ "خدا تعالےٰ سے تقرب ہونا" اپنے نام کی لاج رکھ لیتیں۔ میں پہلے بھی کئی بار کہہ چکا ہُوں کہ میں کسی

ہوس کا شکار نہیں ہوں، تم مجھے کیوں نہیں سمجھتیں؟ پھر تم نے خود ہی تو مجھے باہر جانے کی ترغیب دی۔ میں دو ہی دن کے بعد کیسے چلا آتا۔ اب تم سے ملے ہوئے مجھے کتنا عرصہ گزر گیا ہے۔ کیا میں زندہ نہیں ہوں؟ کیا وہ زندہ نہیں ہوتے جنہوں نے کبھی بھنڈی دیکھی تک نہیں چکھی تک نہیں۔ اگر مطلب ہی کی بات تھی تو میں تمہیں سینکڑوں کہانیاں سُنا چکا تھا جہاں سے ہر لمحہ مطلب نکال سکتا تھا اور نکال سکتا ہوں۔

ولایت! تم نے مجھے سمجھنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ خدا شاہد ہے میں نے تم سے کبھی جھوٹ نہ کہا۔ میں نے شائد تمہیں وہ رقعے نہیں دکھلائے جو تمہارے رُشتے پر سے ملنے سے دو دن پہلے اس عصمت باختہ لڑکی کی چھوٹی بہن سے مجھے ملتے تھے جس کے سینکڑوں پیغام مجھے پہلے بھی آچکے ہیں اور جو آج بھی اپنے دروازے میں کھڑی میرا انتظار کیا کرتی ہے کیا وہ لڑکی مجھے بھنڈی نہیں کھلا سکتی؟ تم خواہ مخواہ ایک معمولی سی بات پر مجھ پر اعتراض کیا کرتی ہو۔ بھلا یہ بھی کوئی مطلب ہوا؟ مجھے اس لڑکی کی چھوٹی بہن سینکڑوں پیغام دیتی رہی ہے مگر مجھے کسی سے کوئی مطلب نہیں۔ میں نے اُن کا کبھی جواب نہیں دیا۔ میں صرف تمہیں چاہتا ہوں۔ آج بھی کل بھی آئندہ بھی۔ مگر کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کیوں نہ اپنے غم کی کوئی اور دوا ڈھونڈ لوں جس طرح تم کسی اور کے لئے کھڑکی کھولے بیٹھ سکتی ہو۔ کیا میں اپنے دل کی کھڑکی کھول کے نہیں بیٹھ سکتا؟ کیا میں بھی اپنا مطلب نہیں نکال سکتا؟ اگر تم کجروی کر سکتی ہو، دل آزار باتیں کر سکتی ہو، تریا چلتر سے کام لے سکتی ہو تو کیا میں بھی اپنی چال نہیں بدل سکتا؟

مگر یہ مداوا میرے لئے ہمیشہ زہر میں بجھا ہوا تیر نکلا ہے۔ مجھے متعدد مرتبہ زک اُٹھانی پڑی ہے
اُس نے ان گڑھوں اور راستوں کو اور زیادہ مخدوش اور ڈراؤنا بنا دیا ہے، جو پہلے ہی پُرخطر
اور خوفناک تھے اس لئے سوچتا ہوں یونہی زندگی بسر کرتا چلا جاؤں مگر اپنے بس میں
کچھ نہیں۔ اس تاریکی اور گھٹن سے مجھے سخت گھبراہٹ ہوتی ہے۔ میں نے کبھی کسی کو دھوکا
نہیں دیا کبھی کسی سے فریب نہیں کیا اور میرے ساتھ کبھی کسی نے صاف دلی سے بات نہیں کی۔
تم نے مجھے جانکاہ غم دے دیا ہے اس کے مقابلے کی مجھ میں سکت نہیں۔ میں اسے برداشت
نہیں کر سکتا۔ میں اس کا مداوا چاہتا ہوں۔ بعض دفعہ میں نے تمہاری ایسی ایسی حرکات
دیکھی ہیں کہ اگر میں جاہل ہوتا تو زہر پھانک لیتا۔

تم عیش کی زندگی بسر کر رہی ہو اور میں عجیب و غریب جھنجھٹ میں پھنسا ہوں کبھی اپنے
غم کا مداوا چاہتا ہوں کبھی یونہی بسر کر لینے کی ٹھان لیتا ہوں کیونکہ یہ مداوا تا ابد
رہنے والا نہیں ہوتا۔ چند دنوں کے لئے ہے یا چند لمحوں کے لئے جیسے شراب کا نشہ اور
پھر وہی بے رنگی اور بے کیفی۔ وہی تلخی وہی کانٹے۔ میں سوچتا ہوں اس دُنیا میں کیوں
محبت کا عشر عشیر تک نہیں ملتا۔ ہمدردی کی ایک جھلک تک نظر نہیں آتی "مطلب"
ہر جگہ مطلب ہی مطلب ہے کوئی کام کوئی بات مطلب کے بغیر نہیں۔ محبت اور
شرافت کا تو کال پڑا ہے۔ کاش میں بھی مطلبی ہوتا جھوٹا ہوتا فریب کا ڈھیر ہوتا تو آج
میرے کان ہی بجتے۔ میری فریادیں دیواروں سے ٹکرا ٹکرا واپس نہ آتیں۔

مَیں تم سے بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ ابھی میں نے تم سے کچھ بھی نہیں کہا اس سے

کہیں طویل تمہارے خط میں نے ضائع کئے ہوئے ہیں مگر میں تم سے کیوں کہنا چاہتا ہوں؟
آخر کیوں کہوں؟ جس کو خود احساس نہ ہو اُس سے کہنے کا فائدہ؟ تم جو سب کچھ میرے متعلق جانتی ہو تم سے کچھ کہوں؟ تم جو میرے جذبات کے بہتے ہوئے دھارے کا شور میرے سینے پر کان رکھ کر بار ہا سُن چکی ہو، تم سے کہوں؟ کیوں؟ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں میں تم سے کچھ نہیں کہوں گا میں یونہی گُھٹ گُھٹ کر مر جاؤں گا مگر تم سے کچھ نہیں کہوں گا
مَیں نااُمید ہو چکا ہوں" نا امیدی" اُف کتنا ہیبت ناک اور ڈراؤنا تصور ہے۔ میں جب بھی تمہارے سامنے آؤں گا، ہنسوں گا۔ قہقہے لگاؤں گا۔ تم سمجھو گی میں بہت خوش ہوں مگر میرے اندر شعلے بھڑک رہے ہوں گے اور میں کہہ رہا ہوں گا "اے دل کی آرزو آؤ تمہیں گورِ حسرت میں دفن کر دوں" تم خوش رہو۔ میں تمہیں دل سے خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم ایک چھوڑ دس دوست بنا لو۔ اگر تمہاری اس میں خوشی ہے تو مَیں خوش ہوں اپنے لئے نہیں تمہارے لئے۔
تم سے نفرت کرتے ہوئے تمہیں اتنا بُرا سمجھتے ہوئے تمہیں پیٹنے کو جی چاہتے ہوئے بھی میرا دل تمہارا نگہبان ہے جانے کیوں تمہاری ہر حرکت پر کانپ اُٹھتا ہے۔
میں تمہیں جتنا بُرا سمجھتا ہوں دل اتنا ہی تمہاری طرف کھینچتا ہے میں تمہیں بھول جانا چاہتا ہوں اور یہ دل بیتے ہوئے دنوں کی تصویریں میرے سامنے کھینچ دیتا ہے۔ یہ عقدہ لاینحل میری سمجھ سے بعید ہے۔ یہ کڑوی کسیلی گھڑیاں جانے کب بیتیں گی۔ جانے کب بیتیں گی۔

تمہیں یہ دل نامراد جانے کیوں خوش دیکھنا چاہتا ہے جبکہ خود دکھ سے بھرا پڑا ہے میں تمہیں نفرت کرتے ہوئے بھی کیوں چاہتا ہوں۔ تم کو پیٹنے کی خواہش لئے ہوئے بھی کیوں پیار کرتا ہوں۔ تمہیں کبھی نہ بلانے کبھی خط نہ لکھنے کی بڑی بڑی قسمیں کھا کر بھی کیوں خط لکھ رہا ہوں۔ میں نہیں جانتا۔ میں نہیں جانتا۔ میں شاید پاگل ہو گیا ہوں ولائیت خدا کے لئے اپنے وعدے یاد کرو۔

جانے کب تک میں اس پتھر کی مورت کے سامنے جبیں سائی کرتا رہوں گا۔ میں نے ایک غلطی کی ہے اُس کی سزا مجھے ہر حالت میں بھگتنا ہے۔ بھگتوں گا۔ پریم کی ارتھی کو دوسروں کے کندھوں سے کیا سروکار۔

ایک پیاسا

جیسے تم نے سراب میں لا پھینکا

اور پھر وہیں رکھ کر تالا لگا دیا۔ تمہارے پڑھنے والا نہیں۔ خواہ تخواہ ناراض ہو جاؤ گی اُس نے ضد بھی کی مگر میں نے اُسے یہ خط نہ پڑھایا۔ میں نے بات کا رُخ بدل دیا۔ بھئی بات یہ ہے تم چاہے مجھ سے کبھی نہ بولو، کبھی نہ ملو، مجھے دیکھ کر پردہ کر لیا کرو۔ مگر میں جس طرح بھی ہو سکا ایک بات تو ضرور یاد دلایا کروں گا" میں شادی کے بعد بھی آپ کو اسی طرح ملوں گی، اسی طرح محبت کروں گی" اور تم پانی پانی ہو جایا کرو گی"

"میں کوئی جھوٹ کہتی ہوں"

"بڑے بڑے سچے جھوٹے ہو گئے"

"میں اُن میں سے نہیں ہوں"

"آپ بھولنے پر مجبور ہو جائیں گی۔ انسان میں ایک بہت بڑی کشش ہے جسے جنس کہتے ہیں جس کا محبت سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ یہ نہ ہوتی تو محبت مٹ چکی ہوتی۔ یہ بات میری کہی ہوئی نہیں۔ یہ نظریہ ڈاکٹر فرائیڈ کا ہے تم ہی بتاؤ جس سے تمہاری شادی ہو گی اُس سے کچھ نہ کرو گی؟"

میرے سوال میں تیزی تھی۔ وہ آہستہ سے بولی

"دُنیاداری تو نباہنا پڑتی ہے۔"

"بس اسی نبھانے میں محبت غرق ہو جاتی ہے۔" ولایت مُسکرا رہی تھی

"جس طرح تم اب مُسکرا رہی ہو اسی طرح پھر بھی مُسکراتی رہو گی اور مَیں؟ میرا کیا ہو گا ولایت؟ جب بھی وہ نقشہ سامنے آتا ہے دل ڈوبنے لگتا ہے۔ میں سوچتا ہوں اُس وقت سنبھل بھی سکوں گا؟ کہیں کچھ اور نہ کر بیٹھوں۔ پتہ نہیں اُس وقت کیا ہو جائے۔ جب تم راستہ کاٹ جایا کرو گی! جب تم مجھے دُور ہی سے دیکھ کر نقاب اُلٹ دیا کرو گی اُس وقت میرے دل پر کیا گزرے گی۔ کبھی تم نے ان باتوں کو سوچا؟ جانے کیا ہو گا"

"کچھ نہیں ہوتا۔ میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ میں آپ کی ہوں اور آپ کی رہوں گی۔ یہ آپ کیا چھیڑ بیٹھے ہیں" اُس نے میرا ہاتھ اپنی چھاتی پر رکھ لیا۔ دل کی دھڑکن نے مجھے اور قریب کر دیا۔ رُخسار رُخساروں سے پیوست ہو گئے۔ ہاتھ بھُول بھلیاں کو سلجھانے کے لئے کوشاں تھا

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"جان پہچان"

"وہ تو ہے ہی"

"پرانی یادیں تازہ کی جا رہی ہیں"

"ذرا ٹھہر جایئے"

"جانے یہ ذرا کب ختم ہوگی؟ یاد ہے ایک رات بھی خالی گذر جاتی تھی تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ہزاروں قیامتیں گذر گئی ہوں۔ ساری رات اکٹھے رہتے پھر بھی دن چین سے نہ گذرتا جب تک سات دفعہ کُٹا کاٹی نہ ہو جاتی۔ وہ دن کتنے اچھے تھے۔ اب تو صرف اُنکی یاد ہی رہ گئی ہے۔ اور اب تو وہ دن بھی آ رہے ہیں۔ جب تم بھی صرف ایک یاد بن کے رہ جاؤ گی میں تمہیں یاد کر کر کے رویا کروں گا، کبھی دیوانہ وار قہقہے مارا کروں گا، تمہارے انتظار میں سالہا سال تک لمبی لمبی راتوں میں اختر شماری کیا کروں گا پھر جب تم اپنے گھر آیا کرو گی تو مجھے دیکھ کر جلدی سے پردہ کر لیا کرو گی یا وہیں رُک جایا کرو گی تاکہ میں تمہارا راستہ چھوڑ دوں ہائے تم اندازہ ہی نہیں کر سکتی ہو کہ مجھ پر ایک ہی لمحہ میں کس قدر تیزی سے کتنے بجلی کے کوندے لپک جایا کریں گے"

"بار بار وہی بات۔ کچھ نہیں گذرتا۔ چلئے اُدھر چلیں"

"یہاں کیا ہے؟ بیٹھی رہو"

"سرور جاگ اُٹھا تو مصیبت پڑ جائے گی۔ اسکے پتہ چل گیا تو پھر بس"

"کیا تم پھر نہ ملو گی؟"

کیسے ملو نگی؟ کیسے مل سکتی ہوں؟ آپ کو کیا بتاؤں میرے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ اُٹھئے چلئے۔

اچھا ٹھہریئے۔ میں چلتی ہوں آپ تھوڑی دیر بعد چبوترے والے دروازے میں آجائیں۔

"مجھے نہیں پتہ کونسا چبوترے والا دروازہ ہے میں ساتھ ہی چلتا ہوں"

"نہیں۔ میں دیکھ تو لوں۔ کوئی جاگ نہ رہا ہو"

"وہ چبوترے والا دروازہ تو بتاتی جاؤ"

آپ کو بھلا پتہ ہے؟ ہم تو اُوپر ہوتے تھے آپ نیچے ہوتے تھے یا چاچی جی ہوتے تھے۔

آپ ہی نے تو اپنی نگرانی میں سارا مکان ٹھیک کروایا ہے اور اب جناب کو دروازہ ہی یاد نہیں رہا۔ جتنی بھولی صورت ہے اُتنے ہی چالاک ہیں"

اُس نے میرے گالوں پر چٹکی بھردی اور مسکراتی ہوئی بھاگ گئی "آہستہ بابا۔ تم نے تو فرش ہی ہلا دیا۔ اللہ کسی کو اتنا موٹاپا بھی نہ دے" اُس نے بھاگتے بھاگتے رُک کر کہا "آپ کر رہیئے" ابھی وہ پہنچی ہی ہوگی کہ میں بھی پیچھے چلا گیا۔ تمام دروازے بند تھے۔ دالان میں کھڑا سوچتا رہا۔ مجھے واقعی یاد نہ آرہا تھا کہ چبوترے والا دروازہ کونسا ہے۔ تین چار دروازے تھے سب سے آخر والے کے کواڑ تھوڑے سے کھلے تھے۔ میں وہاں جاکر کھڑا ہوگیا۔ کھول کر دیکھنے لگا تو مجھے خیال آیا یہاں تو ان کا نوکر دتو سوتا ہے پھر سوچ میں پڑ گیا۔ درمیان کے دروازے کا چھوا تو دروازہ تھوڑا سا کھل گیا۔ ولایت اُس کے پیچھے کھڑی تھی۔ منہ اُدھر ہی کئے ہاتھ ہلا دیا کہ

دیا تھا۔ کچھ دیر تک تو میں باہر ہی کھڑا رہا پھر لوٹ آیا۔ لیٹا نیلگوں چادر پر ستاروں کی تمتماہٹ دیکھتا رہا۔ ان کے حصے میں میری طرح جلنا بجھنا ہی آیا میرے ہی بھائی ہیں میں سوچنے لگا ان بچاروں کو کیوں سکون نہیں؟ ان کی تو کسی ولایت سے آشنائی نہیں۔ پھر یہ کیوں مر مر کر جیتے ہیں اور جی جی کر مرتے ہیں یہ سوال بہت ٹیڑھا ہے شاید کتنی ہی راتیں گزر جانے کے بعد بھی یہ عقدۂ لاینحل سمجھ میں نہ آتے۔ میں نے اس الجھن پر پردہ ڈالنا چاہا۔ رات بہت بیت چکی تھی اور صبح کا آخری ستارہ ٹمٹما رہا تھا۔ ولایت بھی تو اسی ستارے کی مانند ہے کبھی مدھم کبھی شوخ، کبھی محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر۔ کبھی منجمد کر دینے والی نفرت۔ ایک ہی قالب میں ڈھلی ہوئی متضاد کیفیتیں۔ عجیب لڑکی ہے بستارہ ڈوب گیا۔ امیدیں ختم ہو گئیں۔ کم ازکم اطلاع ہی دے دی ہوتی کہ میرا آنا مشکل ہے۔ مجھے خواہ مخواہ تمام رات پریشان کیا۔ میں غصے میں جل کھاتا واپس لوٹ آیا۔

جب سے میں کارخانہ میں آیا تھا منیجر صاحب نے یہاں آنا ترک کر دیا تھا کبھی کسی رجسٹر کی ضرورت پڑ جاتی یا پریذیڈنٹ صاحب نے پڑتال کرنا ہوتی تو وہ آجاتے۔ آج بڑی مدت کے بعد دکھائی دیئے۔ ان کے ساتھ ورکنگ کمیٹی کا ایک ممبر بھی تھا جو اُن کا یار غار بھی تھا۔ عشق و مشق کے قصوں سے ان کو بھی کافی دلچسپی تھی۔ مگر جب سے راشننگ کے محکمہ سے موقوف ہوئے تھے کام زیادہ کرنا پڑتا پیسے کم ملتے اس لئے یہ سارے قصے بھول گئے۔ فیض والی بات

دُنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے

کبھی میرے پاس آتے تو آس پاس کے لوگوں کے متعلق کچھ سُن سُنا کر دل خوش کر لیتے
۔ ان دنوں وہ ایک اور کارخانہ چلانے کے لئے جد و جہد کر رہے تھے۔ سب سے
پہلے اُن کو کسی سیٹھ کی ضرورت تھی جو اُن کو مل گیا تھا۔ مشینری بھی منگوالی گئی تھی اب
صرف جگہ کا انتظام باقی رہ گیا تھا۔ اس عرصہ میں منیجر صاحب کا کام بھی میں ہی کرتا رہا
اور تنخواہ منیجر صاحب ہر مہینے ہڑپ کر جاتے۔ میں نے اُن سے اپنی تکلیف کا کبھی ذکر نہ
کیا۔ میں سمجھتا تھا ملازمت اسی شے کا نام ہے۔ آج جب وہ آئے تو کچھ پریشان سے
تھے۔ رسمی گفتگو کے بعد فرمانے لگے "تیار شدہ مال کی ڈسپیکشن نہیں ہو رہی۔ کچھ
رُکاوٹیں آپڑی ہیں۔ ابھی تک نیا کنٹریکٹ ملے بھی نہیں ہوا میں کراچی چلا جاتا تو شاید
بات بن جاتی۔ ادھر سے ہی فرصت نہیں ملی۔ سمجھ میں نہیں آرہا ہماری تنخواہیں کیسے
نکلیں گی" اُن کو سمجھ نہ آرہا ہوگا مگر میں سمجھ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہیں میں
نے کہا "کام واقعی کم ہے۔ اس سے تو ملازموں کی تنخواہیں بھی نہیں نکل سکتیں۔ میرا
خیال ہے میں فی الحال تاجور چلا جاؤں۔ وہاں کسی اخبار میں ملازم ہو جاؤں گا۔ اس
طرح کچھ تو بچت ہوگی"۔ منیجر صاحب کہنے لگے "جی تو نہیں چاہتا۔ آپ نے اتنی محنت
سے کارخانہ چلایا تھا۔ انسان سوچتا کچھ ہے ہوتا کچھ ہے۔ آپ کو یاد ہو گا میں نے ایک
مرتبہ آپ سے کہا تھا اس سال ورکنگ کمیٹی میں تجویز پیش کریں گے کہ ہمیں کارخانہ

کے کام کاج کے لئے ایک کار ملنا چاہیئے" میں نے کہا "یہ تو خیر معمولی بات ہے مجھے افسوس یہ ہے کہ آپ کی زیادہ خدمت نہ کر سکا اور بہت زیادہ خوشی بھی ہے کہ کافی عرصہ کے بعد اپنے شہر جا رہا ہوں۔ آپ کے کارخانہ میں آنے کی وجہ سے میرا اتنا بڑا نقصان ہوا ہے کہ اب اسکی تلافی ناممکن نظر آ رہی ہے" وہ ہنستے ہوئے کہنے لگے "سب معشوق و شوق بھاگ گئے ہوں گے" اُن کے ہونٹوں پر وہی مسکراہٹ تھی جو پہلے دن میں نے دیکھی تھی۔

"کچھ سمجھ لئے"

ہم سب دیر تک ہنستے رہے۔ تلخ ہو کر ہم نے بڑی خوش اسلوبی سے نباہ لیا۔ یہ سُن کر کہ ایک زنجیر ٹوٹ گئی۔ مجھے واقعی بے حد خوشی ہوئی۔ طویل عرصے سے جی چاہ رہا تھا کہ یہاں سے بھاگ نکلوں۔ مگر کیسے؟ والد ماجد ناراض ہوتے اور اب تو بڑا اچھا بہانہ ہاتھ آیا تھا۔ دل بلیوں اُچھل رہا تھا۔ میں نے اسی وقت چارج دے دیا اور تنخواہ لے کر چلتا بنا۔ اس افراتفری میں والد صاحب کو بھی نہ جتلایا کہ آپ تو کہتے تھے پریذیڈنٹ میرا گہرا دوست ہے بہت جلد ترقی ہو جائے گی۔ یہ ہوگا وہ ہوگا مستقل ملازمت ہے تاجور میں نوکری کرو گے کیا پتہ کب جواب مل جائے۔ مجھے ایسا و فہمائش کی ضرورت ہی کیا تھی؟ یار لوگ تو پہلے ہی بیزار تھے مختصر سا سامان جو یہاں لایا تھا واپس لے آیا۔ ابھی بیٹھک میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ تانا آئی "بے شرم۔ شرم ہی نہیں آتی ان کو" اور پتہ نہیں اُس نے کیا کیا کہا۔ میں صرف اتنا

ہی سُن سکا۔ یہ ولایت کی آواز تھی۔ وہ کبھی بھی کسی سے نہ لڑی جھگڑی تھی۔ میں حیران
تھا یہ لڑکی عورتوں کی طرح کیوں بکے جا رہی ہے کہ اتنے میں مکان کے دُوسرے حصے سے
آپاجی بھی چلاتے ہوئے آئے "چھوٹے بڑھل نے جان کھائی ہے۔ یہ حرامزادے یہاں سے
ہمیں نکال کر ہی دم لیں گے" اُن کے ہاتھ میں ایک بڑا سا روڑا تھا۔ میرا رنگ فق ہو گیا
میں تو سمجھا یہ بڑھیا میرے ہی نام لگا کر مجید جلد کھُل گیا۔ یہ روڑا اُن کی نوکرانی لائی تھی
"اگر کسی کا سر پھوٹ جاتا تو؟" اُوپر دیوار کے پاس چھوٹا بھائی بیٹھا تھا اُس نے
کھیلتے کھیلتے ہاتھ جھروں میں ڈال دیا اور روڑا نکل کر اُن کے صحن میں جا گرا۔ جس
رات میں نے روڑے مارے تھے اُس کے اگلے دن ہی یہ سب جھرنے بند کروانے
گئے تھے تاکہ میں پھر کبھی ادھر سے نہ جھانک سکوں اور آج یہی روڑا پھر اُن کے صحن
میں جا گرا تھا۔ وُہ دیوار جس پر لٹک کر میں روڑے مارتا رہا تھا ابھی تک اُتنی ہی
اُونچی تھی۔ کبھی یہ دیواریں اور روڑے بھی محبت کے طوفانوں کو روک سکتے ہیں؟
کتنے بھولے ہیں ہمارے والدین ایک دیوار کے سوراخ بند کر کے سمجھ بیٹھتے ہیں
کہ ہم نے تارے توڑ لئے ہیں۔

"لیکن مجھے سخت غصہ آیا۔ رونی سی صورت بن گئی۔ اضطرابی بڑھتی ہی گئی۔ روڑا
اگر گر ہی گیا تھا تو کیا ہوا؟ پہلے بھی تو گر جایا کرتے تھے۔ پہلے تو وہ کبھی اس طرح
نہ بولا کرتی تھی۔ اسی کو گود میں بٹھا کر گھنٹوں پیار کیا کرتی تھی، انگلیاں دبا کرتی
شام تک میں اسی غصہ میں بیٹھا بل کھاتا رہا۔ رات کو بھی واپس آنے کی اطلاع

نہ دی۔ اگلی صبح وہ اپنی بیٹھک کے دروازے میں کھڑی تھی۔ میں بھی بیٹھک کا دروازہ
کھول کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کی طرف نگاہ کی لگ بلایا نہیں۔ وہ چق کے پیچھے ہو گئی۔ میں نے
بھی دروازہ بند کر لیا اور دیر تک بیٹھا کُڑھتا رہا۔ اس کے بعد سارا دن وہ نظر نہ
آئی اور نہ ہی اُس کی آواز سُنائی دی۔ جن دنوں میں یہاں ہوتا تھا وہ جان بُوجھ کر چیخا
کرتی، بچوں کو اُونچی اُونچی آوازیں دیا کرتی چاہے وہ قریب ہی کھڑے ہُوں۔ کواڑ
بند کرتی تو سارے محلّے میں آواز پہنچتی۔ صندوق اتنی زور سے بند کرتی کہ اُن کے
ڈھکنے اُکھڑ جاتے۔ یہ سب کچھ مجھے بتانے کے لئے ہوتا کہ اب فلاں کمرے میں ہُوں، اب
یہ کام کر رہی ہوں۔ اور ایک آج تھا کہ میں انتظار کر رہا تھا۔ اگلی رات بھی ختم ہو گئی
صبح وہ دروازہ میں کھڑی تھی "آج آؤ گی؟" میں نے پوچھ ہی لیا۔ اُس نے تیزی
سے کہا "پتہ نہیں" اتنا تاؤ آیا کہ جی چاہا پھر کبھی بات تک نہ کروں۔ مگر اُس کے
اگلے ہی دن میں نے پھر وہی سوال کیا اُس دن بھی اُس نے اپنا مخصوص جواب دیا۔ پھر
میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ چاہے کچھ ہو جائے۔ تڑپ تڑپ مر جاؤں گا مگر اُسے نہیں
بلاؤں گا۔ رات بھی گذر گئی۔ صبح ہوئی وہ پھر دروازے میں کھڑی تھی۔ میں باوجود
روکنے کے رُک نہ سکا۔ اور اس کی طرف بڑھ گیا۔ مگر اُسے بلایا نہیں۔ خاموش اُس کا
مُنہ تکتا رہا۔ چہرے پر بے پناہ غصّہ کے آثار تھے وہ خود ہی کہنے لگی "آج آؤ گے"
میں نے فرطِ محبت سے پُوچھا "بیٹھک کی بتی جلتی رکھوں؟" محبت کی گرمی سے دل
فوراً پگھل گیا "نہیں" "کیوں؟" وہ اندر چلی گئی۔ کیوں کے جواب میں کواڑ

زور سے بند ہو گئے۔

شاید کوئی آگیا ہو یا محض کھٹکا ہی سُنا ہو۔ اب اُس میں پہلی سی بیباکی نہ رہی تھی۔ وہ بڑا ڈر ڈر کر قدم رکھتی۔ پہلے تو سب کے سامنے ہی ملاقات ہو جایا کرتی ہمیں ان کی کیا پڑا ہے؟ ان کو کیا پتہ ہے ہم کس لئے کھڑے ہیں؟ وہ کہا کرتی اور اب بہت مشکل تھا۔ جب گلی میں کوئی نہ ہوتا اُس وقت بھی گلی کے اختتام پر چودھری جگ پال کے کارخانے کا چوکیدار بیٹھا ہوتا۔ وہ ہر وقت وہیں بیٹھا رہتا۔ ملاقات بھی ضروری امر تھا اس لئے میں اُن کی بیٹھک کے دروازہ کے سامنے ٹھہر جاتا جس کے عقب میں وہ کھڑی ہوتی۔ میں دھیان سامنے ہی رکھتا ولایت کی جانب ایک لمحہ کے لئے بھی نہ دیکھتا کہ کوئی دیکھ بھی لے تو یہی سمجھے کسی کی آمد کا انتظار ہے۔ ہم باتیں متواتر کئے جاتے اور اب یہ حالت تھی کہ آج کی رات بھی دیرینہ پریشانی میں گذری۔ وہ آج بھی نہ آئی۔ رات پریشانی ستاتی دن کو تنہائی کاٹتی۔ بیتے ہوئے لمحے نشتر کا کام دیتے۔ اس کا تریاق میں نے یہ سوچا کہ اپنی چلدیاری میں جا بیٹھا۔ میں اپنے آپ کو بھول جانا چاہتا تھا۔ میں اپنے آپ کو فریب کا ملمع چڑھانا چاہتا تھا۔ مجھے ہر ایک نے چونک کر دیکھا۔ "ابھی تک زندہ ہو؟" "ایک مرتبہ مر گیا تھا دوسری مرتبہ پھر مرنے والا ہوں" "یہ ہمارے کام سے گیا۔ دق کی تیسری سٹیج معلوم ہوتی ہے" وہ اسی طرح کی بکواس کرتے رہے کافی وقت گذرنے کے بعد میں گھر چلا آیا۔ پھر وہی غصہ اور پیٹ میں وہی بل تھے میں نے بہت سوچنے کے بعد ایک رقعہ لکھا مگر بڑے اختصار سے کام لیتے ہوئے

مجھے ڈر تھا اگر ذرا بھی قلم کو ڈھیل دی تو پورا ناول ختم ہو جائے گا۔

میری زندگی کی روشنی

ہمیشہ تابندہ درخشندہ رہو۔ جی نہیں چاہتا تھا کہ کچھ لکھوں مجبوراً لکھنا پڑ رہا ہے۔ بڑا ہی عرصہ صبر سے کام لیا مگر اب تو انتہا ہو چکی ہے۔ میں کیوں خط لکھ رہا ہوں؟ کیا لکھنا چاہتا ہوں؟ اگر ان سوالات کا جواب دیا تو یہ خط کبھی ختم نہ ہوگا۔ فی الحال اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ تمہاری خوشی میری خوشی ہے تم اگر اسی طرح خوش رہ سکتی ہو تو مجھے اس میں بھی کوئی اعتراض نہیں۔ تمہارا یہ رویّہ دیکھ کر میرے دل پر کیا گزرتی ہوگی اس کو تم خوب جانتی ہو۔ تم سے مجھے یہ اُمید نہیں تھی۔ وہ جو تم پرآمنے میں چلا چلا کر واپس چلی گئی تھیں میں نے لفظ بہ لفظ سُن لیا تھا۔ اُس تہدیدی انداز کا میرے سوا کسی کو پتہ نہیں لگا۔ میں اُس وقت ابھی آیا ہی تھا کہ خیر مقدم کے طور پر تمہارے یہ سُرخ سُرخ گرم سلاخ میرے کانوں میں گھُس گئے۔ تم حیران ہوگی کہ مجھے دو دن ہی تو گئے کو ہوئے تھے اتنی جلدی کیسے لوٹ آیا؟ میں نوکری چھوڑ آیا ہوں۔ ایک ناول لکھنے کا خیال ہے جس کی تم ہیروئن اور میں ہیرو ہوں گا۔ اپنے واقعات حرف بحرف

رکھ دُوں گا۔ تمہارا کیا خیال ہے؟ اِس زمانے میں بھی تو ہیر رانجھا
ہونا چاہئیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مجھے خود ہی وارث شاہ بننا
پڑ رہا ہے۔ ہاں ایک بات تو بھول ہی گیا اگر ابھی تک دِل کی
بھڑاس نہ نکلی ہو تو ہمارے گھر چلی آؤ۔ جو حضرات برآمدے میں
کھڑے ہو کر ارشاد فرماتے تھے۔ وہی آپا جی کے سامنے کہہ دینا
تم اچھی طرح جانتی ہو آپا جی اس طرف نہیں آیا کرتے مکان کے
دُوسرے حصّے میں ہوتے ہیں۔ تمہاری آواز اُن تک تو پہنچی ہی
نہیں۔ اگر کہیں عقل بکتی ہو تو تمہارے لئے ڈھیروں خرید لاؤں
مگر یہ ناممکن ہے اس لئے صرف اللہ کی رضا پر اکتفا کرتا ہوں۔
پیچھے کیا لکھوں؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔ یہ جو دو آنسو
گر کر تمہارے خط پر پھیل گئے ہیں۔ میں نے ان کو روکنے کی بہت
کوشش کی ہے مگر ناکام رہا ہوں۔ ان ناہنجاروں نے تمہارے
خط کی بے حُرمتی کر دی میں معافی چاہتا ہوں۔

ہمیشہ سلامت رہو

مجھے اُمید واثق تھی کہ وہ آج رات ضرور آئے گی مگر جب تلے اُوپر دو تین راتیں گزر
گئیں تو تمنّاؤں کے محل ریت کے گھروندوں کی طرح مسمار ہو گئے۔ مستقل نااُمیدی لئے
میں گھنٹوں بیٹھا خلا میں گھورا کرتا۔ گھنٹوں پہلو بدلنا یاد نہ رہتا۔ میں تھا، احساسِ تنہائی

تھا اور اضطراب تھا سکون کو شاید مجھ سے بیر تھا۔ میں نے سوچا ولایت کو غالباً اپنی بے پروائی نے ڈس لیا۔ وہ شرمندہ ہوگی کہ میں نے اُس کے کڑوے کسیلے الفاظ سُن لئے۔ میں ابھی تو اچانک ہی گیا تھا اس خط کے بعد اُن کے مکان میں رات تو رات دن کو بھی ایسی خاموشی رہتی جیسے صدیوں سے یہاں کوئی نہ آیا ہو۔ کھڑکیاں تک نہ کھلتیں۔ شام کو بتی بھی نہ جلتی۔ صُبح گلی میں بچے پھرتے نظر آتے تو احساس ہوتا کہ وہ لوگ یہیں ہیں۔ چار دن گزرنے کے بعد وہ اپنے دروازے میں نظر آئی۔ مَیں رونی سی صورت بنائے اُس کی طرف بڑھ گیا اور جاکر بُت کی طرح کھڑا ہوگیا۔ لبوں کو جُنبش تک نہ دے سکا "آج ضرور آؤنگی"
"اچھا" مَیں کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا مگر سب کچھ گلے میں ہی اٹک کر رہ گیا۔ شام کو جب سب سوگئے تو ہلکی سی "ٹن" سُنائی دی۔ میں نے بیٹھک کا دروازہ کھول دیا۔ وہ "ٹن" کرنے کے بعد پھر بیٹھک میں بھاگ گئی تھی۔ بتی جل رہی تھی اور اندر اُس کا چھوٹا بھائی کمالدین سویا ہُوا تھا۔ میں نے اشارہ سے پہلے بُلایا تو اُس نے بھائی کی طرف اُنگلی سے اشارہ کر دیا۔ مَیں نے آگے بڑھ کر اُس کا بازو کھینچ لیا "ابھی جاؤ" وہ کہنے لگی "دیکھا کتنا سخت پہرہ ہے۔ ہر ایک کمرے میں ایک ایک سپاہی ہے" ہم بیٹھک میں آکر بیٹھ گئے۔ اُس نے میرا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیا

"اُف کتنی زور سے دھڑک رہا ہے۔ پہلے تو نہ دھڑکا کرتا تھا۔ پہلی رات کی سی کیفیت ہے"

"بڑا ڈر لگتا ہے"

"دیکھو؟ آپ تو بڑی دلیر تھیں۔ بہادری کا وقت تو اب آیا ہے۔ اب دکھاؤ نا بہادری۔ ولایت لوگوں کو کہانیوں کی سالوں تک خبر نہیں ملتی اور یہاں افسانے کا آتی جلدی پتہ چل گیا۔ سب جناب کی عنایات ہیں۔ میں نا کہا کرتا تھا "جان ہمارا لون کو اس طرح ملنا ٹھیک نہیں" اور تم تلملا اٹھتی تھیں "تو ہمیں کون دیکھتا ہے؟ لوگوں کو بھلا اور کوئی کام ہے؟ اُن کے لئے بس ہماری پہرہ داری ہی تو رہ گئی ہے۔ اب کیا خیال ہے؟ میری بات مان لینا تو تمہیں قیامت نظر آتا تھا۔ بس اپنے دماغ سے کام لینا کوئی مرے کوئی جئے ہمارا ٹھینگے کو بھی پروا نہیں۔ ٹھیک ہے نا؟" جی ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ وہ آپ کا اخبار نامہ بھی بالکل ٹھیک تھا۔ کیا دیکھا ہے آپ نے میرے رویئے میں؟ یہ ولایت ہی ہے جو اس حالت میں بھی آپ کو ملنے آجاتی ہے۔ ذرا یہاں کا نقشہ تو دیکھئے۔ ایک طرف طرف چا چاجی اور دوسری طرف آیا درمیان میں میری چار پائی ہوتی ہے۔ اس پر بھی صبر نہیں ہو سکا باقی کمروں میں بھی کوئی نہ کوئی ضرور سوتا ہے تاکہ کسی دروازے سے بھی نہ نکل سکوں۔ پہلے تو میں دروازے کھلے رکھا کرتی تھی اب کھولتی ہوں تو وہ چوں چراؤں کرتے ہیں۔ بتایئے میں کیا کر سکتی ہوں؟

تمہارے دروازے بد معاش ہیں۔ بیجا شور کرتے ہیں ان کی ذرا خاطر کروا دو نا میرے دروازے بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔ میں نے بڑھئی کو بلا کر رندہ پھروا دیا۔ اب بالکل بھلے مانس ہو گئے ہیں۔ اچھا یہ بتاؤ خواہ مخواہ کی ڈھولس کیوں جمایا کرتی ہو؟ مجھے یہ ہو گیا مجھے وہ ہو گیا مجھے اس طرح کہتے ہیں۔ مجھے ہی کسی نے کچھ نہیں کہا ہوں؟

کبھی وقت ملا تو تمہیں بتاؤں گا میرے ساتھ کیا کیا گذری ہے"
وہ ہنس دی۔ میں نے اُس کا کان اینٹھا
"اس دن برآمدے میں کھڑے ہو کر دولہا مبارک سے کیسے پھول جھڑ رہے تھے اُن گہر ہائے بے بہا میں سے بندے کو بھی نوازا جاتے تو احسانِ عظیم ہوگا" اس نے ابدی مسکراہٹ سے کہا
"میں تو نہیں تھی۔ آپا ہوگی۔ میں تو ادھر صحن میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اگاؤں موبلے سے چند سہیلیاں آئی بیٹھی تھیں اُن سے ہی باتیں کرتی رہی"
"جی ہاں تم بھلا کیوں ہونے لگیں۔ مجھے بارہ سال ہو گئے ہیں یہاں رہتے ہوئے اتنا بُدھو نہیں کہ اتنے عرصے میں تمہاری آواز کی پہچان بھی نہ کرسکوں۔ جھوٹی کہیں کی۔ کبھی تم اُس وقت میرے پاس ہوتیں تو تمہارا خون پی جاتا۔ سچ مجھے اتنا غصہ آیا تھا کہ تم اندازہ بھی نہیں کر سکتی ہو" اُس کے ہونٹوں پہ وہی مسکراہٹ تھی
"پی جائیے تاکہ یہ روز کی دانتا کلکل ختم ہو جائے" اُس نے میرے گلے میں باہیں ڈال دیں۔
"ولایت"
"جی"
میں صوفے سے اُٹھ کر اُس کے قدموں میں بیٹھ گیا
میرے گناہوں کی سزا کب ختم ہوگی جان؟ یہ سختیاں کب معاف ہوں گی؟
اُس نے میرے ہاتھ کو آنکھوں سے لگا کر رُخسار پر رکھ لیا۔ میں نے اپنا سر اُس کے

پہلو پر گرا دیا۔ اُس نے جھک کر سر کو چُوم لیا پھر دیر تک وہ اسی طرح جھکی رہی
"اُٹھئے صوفے پر بیٹھئے"

"نہیں میں یہیں بیٹھوں گا۔ زندگی کی تمام راحتیں تمہارے قدموں میں پنہاں ہیں"
وہ بھی نیچے آبیٹھی اور گال پر چٹکی بھر دی "ہر وقت شرارتیں"
"ہر وقت کہاں اب تو مہینوں شرارت نہیں سُوجھتی۔ مدتوں ہنسی نہیں آتی۔ تم آتی ہو
تو جانے کس دیس سے یہ مسکراہٹیں لوٹ آتی ہیں۔ اپنی زندگی تو سُوکھی ہُوئی کانٹے دار
جھاڑی بن کر رہ گئی ہے جس کو نہ کبھی پھُول لگے ہیں نہ لگنے کی اُمید ہے جس سے کچھ اُمیدیں
وابستہ تھیں اب تو وہ بھی دل کی گہرائیوں سے نکلے ہُوئے الفاظ کو اخبار نامہ سمجھتی ہے"
وہ ابھی تک مُسکرائے جا رہی تھی
"آپ شاعری کرتے تھکتے بھی نہیں۔ لیٹ جائیے۔ لیٹنے سے زندگی کو سکون ملتا ہے"
ہم دیر تک قالین پر لیٹے رہے
"چاند کو چکور سے ملے ہُوئے کتنا عرصہ ہو چکا ہے؟"
"تین مہینے اکیس دن"
"بڑا حساب رکھتی ہو"
"جو گھڑیاں گِن گِن کاٹے اُسے حساب نہ ہو گا تو کسے ہو گا؟"
"بس اسی طرح اپنا سکہ جمالیتی ہو۔ بڑی ہوشیار ہو۔ میں پتہ نہیں کیوں تمہیں بھولین
کی دیوی سمجھتا رہا"

اُس نے میرا بازو اپنے سر کے نیچے سے نکال دیا

"تھک جائے گا"

"نہیں تھکتا۔ سُنو آج عابد ولت معائنہ کریں گے۔ کرلوں ؟

"آج نہیں۔ کل!"

"نہیں آج کر دی گا۔ تمہاری کل تو ختم ہی نہیں ہوتی۔ دیکھو گھر مرمت کیا کرو۔ یہ سب کچھ میلا ہے۔ میلا ہے۔ تم چاہے میری ہو نا ہو۔ یہ میلا ہے میلا ہی رہے گا۔ رہے گا نا ؟"

" ہاں "

"تو پھر راستے سے ہٹ جاؤ"

"راستہ صاف نہیں ہے"

"کوئی حرج نہیں ۔ اپنا مکان تو بغیر جھاڑ پونچھ کے بھی خوبصورت دکھتا ہے۔ یہ لو گداتھک جاؤگی"

مَیں نے صوفے کا ایک گدا اُٹھا کر اُسے پکڑا دیا

"آپ کو کراہت نہیں محسوس ہوتی "

"پہلے آپا کیا کرتی تھیں ؟ تم کیوں مجھے دوپہر کو کوٹھے پر چڑھ چڑھ دیکھا کرتی تھیں"

"میں تو آپا کو بھی دکھایا کرتی تھی" دیکھو آپا ادھر کیا بنا ہے۔ گیارہ بج چکے ہیں صاحب بہادر سوئے پڑے ہیں۔ تکیہ کہیں گرا ہے تہبند کہیں پڑا ہے اور خود جانے کہاں پہنچے ہوئے ہیں آدھے دن تک کس کے خواب دیکھا کرتے تھے آپ ؟

"ایک لڑکی ہے۔ بڑی خوبصورت۔ الوماس کا نام ہے۔ بس اُس کے خواب دیکھا کرتا

تھا، میرے پاس اُس کی فوٹو بھی ہے۔ دکھاؤں؟"

"دکھایئے"

"دیکھا کروگی دیکھ کر خواہ نخواہ دل بڑا ہوگا"

"نہیں ہوتا"

"مسکراہٹ تو تمہاری ابھی غائب ہوگئی ہے۔ گھبراؤ نہیں۔ میں نے آج تک کسی سے پیار نہیں کیا۔ یہ بات نہیں کہ میرا کسی سے واسطہ نہیں پڑا۔ میری زندگی میں اندر کی اپسرائیں بھی داخل ہوئیں مگر میں اُن سے دُور ہی بھاگتا رہا۔ اس کی وجہ مجھے بھی آج تک معلوم نہیں ہو سکی۔ میرے پاس البم بھرا پڑا ہے۔ میں تمہیں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ مَیں نے ان میں سے کسی سے بھی محبت نہیں کی۔ یہ فوٹو اُن کی خوشی کے لئے اُن کے ساتھ اُتروا لیا کرتا۔ اگر اُن تصاویر کو دیکھ کر کوئی یہ سمجھے کہ میں اُن سے محبت کیا کرتا تھا تو یہ اس کی حماقت ہوگی۔ اتنی خوبصورت لڑکیوں کو چھوڑ کر ایک عام سی لڑکی سے محبت کرنا تمہیں عجیب سا معلوم تو ہوتا ہوگا۔ مگر میں اسے عجیب نہیں سمجھتا جو دل کو بھا جائے وہی خوبصورت ہوتی ہے۔ کیوں ہوتی ہے؟ یہ ایک لمبا اور ٹیڑھا مسئلہ ہے۔ یہ فلسفہ اتنی جلد سمجھ میں آنے والا نہیں"۔

"آپ پاگل بناتے رہیئے میں پاگل بنتی رہوں گی۔ دُنیا اسی کا نام ہے" اُس نے ہنسی کو دبانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"بڑے بڑے علما عورت کو مجسمۂ حماقت سمجھتے رہے اور یہی بات اپنی کتابوں میں

لکھ گئے۔ میرا بھی جی چاہتا ہے اُس فہرست میں ایک اور نام کا اضافہ کر دوں۔"
"پتہ نہیں مٹھو اتنی باتیں کہاں سے سیکھ جاتے ہیں"
"جہاں سے ہتھنی ضد سیکھتی ہے"
"ہوں۔ میں ہتھنی ہوں؟" اُس نے میری ران پر ایک زور کا گھونسا دے مارا۔
"اُف۔ توبہ۔ سخت درد شروع ہو گیا ہے۔ دباؤ اب"
"ہوں دباؤں۔ نوکر نہیں ہوں۔ کتنے مکار ہیں" میں فوراً سیدھا ہو گیا
"لو ہم ہی نوکر بن جاتے ہیں"
"ہائے اللہ۔ رہنے دیجئے۔ سچ بڑی زور سے چٹکی بھری جاتی ہے۔ دیکھیے ساری جگہ سُرخ ہو گئی ہے"
"میں کیا کروں۔ میں تو نوکر ہوں۔ مجھے سُرخ یا سفید جگہ سے کوئی غرض نہیں"
"لو بابا ہاتھ جوڑا لیجئے آپ تو جان ہی نکال لیتے ہیں آپ کو ہاتھ لگانا بھی تو جن کو دعوت دینا ہے"
"اب تم کچھ سمجھدار ہوتی جا رہی ہو اسی گرما گرمی میں آج ایک بات بتا دو۔ پر یہ یاد رکھنا اگر ذرا بھی جھوٹ کہا تو اتنی زور سے چٹکیاں بھر دوں گا کہ نانی کی اماں یاد دلا دوں گا" پھر میں نے تھوڑی سی سنجیدگی اختیار کر لی "سچ سچ بتانا۔ میں بالکل بُرا نہ مانوں گا۔ کہو تو میں حلف اُٹھا لیتا ہوں۔ تمہارے ان دو موتیوں جیسے دانتوں کی سوگند کھا کر کہتا ہوں کہ دل پر ذرا بھی میل نہ آنے دوں گا۔ دیکھو میں خود بھی تو تمہیں اپنی

سب باتیں بتا دیا کرتا ہوں۔ صاف گوئی اصول ہے جب تک اُسے ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے دوستی میں کبھی فرق نہیں آتا۔ صرف اتنا بتا دو "کیا تم نے کبھی کسی سے محبت کی ہے؟"

"یہ سوال آپ مجھ سے کئی مرتبہ کر چکے ہیں۔ آپ کو قدیر یاد ہے نا؟ وہی وہ بڑا حرامزادہ ہے۔ ایک دن میں اکیلی تھی۔ آپا اور چاچا جی کہیں گئے ہوئے تھے میں چولہے کے پاس بیٹھی روٹیاں پکا رہی تھی کہ وہ آگیا۔ صحن کے دروازے کی کنڈی لگا کر کہنے لگا" سچ سچ بتاؤ تمہارے اُس سے تعلقات تھے؟" میں نے کہا میں اُس کی بہنوں کو ملنے جایا کرتی تھی وہ دوسرے کمرے میں بیٹھا ہوتا۔ میرے ساتھ اُس کی کبھی کوئی ایسی بات نہ ہوئی تھی نہ ہے"۔

"وہ ہم سے اچھا ہے؟" اُس نے مجھے چھیڑنا شروع کیا۔ میں بھاگ کر اندر چلی گئی سب دروازے بند تھے۔ میں نے گھبرا کر کافی آوازیں دیں۔ وہ بھی پتہ نہیں کہاں مر گئی تھی۔ پھر وہ چلا گیا"

"اُس نے تمہیں چھوا نہیں؟"

"نہیں"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جو شخص اتنی جرأت کر کے اندر آ گیا وہ چھونے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ پھر تم نے اُس کی خاطر کیوں نہ کی؟"

"ہائے وہ بڑا ڈھیٹ ہے میں کئی بار تو منع کر چکی ہوں۔ ایک مرتبہ ہمارے گھر آیا کہنے لگا پانی کا گلاس پلا دو۔ میں پانی لے کر اندر گئی تو کہنے لگا "کتنی پیاری ہو" " اپنی

"بہن سے جا کر کہو وہ بھی تو جوان ہے" مجھے اُس وقت بڑا غصہ آیا تھا۔ پھر دُوسرے دن آیا اور پانی مانگا۔ مَیں نے اُلٹی آپا کو کہہ دیا کہ خود ہی پکڑا دے۔ ایک مرتبہ اُن کا نلکا خراب ہو گیا تھا تو ہمارے گھر نہانے آ گیا۔ چاچاجی بھی گھر میں ہی تھے وہ ابھی نہا ہی رہا تھا کہ چاچاجی کو کسی نے آواز دے دی۔ غسل خانے کی کنڈی خراب ہے اپنے آپ دروازہ کھُل جاتا ہے اس لئے چاچاجی باہر کی کُنڈی لگا کر چلے گئے۔ وہ اندر کہتا ہی رہا "کوئی کُنڈی کھول دے" میں نے نہ ہی کھولی۔ ایک دن میں اپنے دروازے میں کھڑی تھی کہ اُس کی بہن اور ماں نے مجھے بُلا لیا۔ وہ بھی اپنے دروازے میں کھڑی تھیں۔ میں تو جاتی ہی نہ تھی آپا کہنے لگی چلی جاؤ ہم اُن کے صحن میں بیٹھے گپ بازی کرتے رہے۔ اُس کی ماں اپنے کام میں لگ گئی جب بہن اندر کڑھائی کا کوئی نمونہ لینے گئی تو وہ لوٹا لے کر جلدی سے باہر آ گیا "چھا ئے لاؤں ؟" "کیا ؟" میں نے بہت اُونچی پُوچھا۔ اُس کی بہن باہر آ گئی "کیا بات تھی ؟ کون تھا" "کوئی نہیں" "میں نے باتوں باتوں میں ٹال دیا"

"ترس آ گیا ہو گا ؟"

"آپ مجھ پر شک کیوں کرتے ہیں ؟" وہ مجھ سے رُوٹھ گئی

"میں نے تو یونہی پُوچھا تھا تم ایسے ہی خواہ مخواہ ناراض ہو رہی ہو"

"نہیں آپ کو ضرور شک ہے"

"چور کی داڑھی میں تنکا صاحب کی لاٹھ۔ وہی بات ہوئی نا ؟ ——— جان

تم نے ایک وعدہ مجھ سے کیا تھا یاد ہے؟"
"کیا؟"
"حالات کیسے بھی ہوں شادی سے ایک رات پہلے ضرور ملوں گی۔ ملو گی نا!"
"ہاں۔"
"میں نے سوچا تھا اپنی جان کی برات پر خود سارا انتظام کروں گا۔ تمہارے مہمانوں کی جس قدر بھی ہو سکا خدمت کروں گا۔ اپنے ہاتھوں تمہیں ڈولی میں بٹھاؤں گا اور لبوں پر مسکراہٹ پھیلاتے ہوئے آہستہ سے کہوں گا "خوش خوش رہنا، تمہاری خوشی میری خوشی ہے میری دلی تمنا ہے تمہارے قدموں میں زمانے بھر کی خوشیاں بکھری رہیں۔ ہمیشہ سلامت رہو جان"
پر اب تو حالات ہی بگڑ چکے ہیں، اب مجھے کون بلائے گا۔ اگر ہمارے معاملے کا پتہ نہ چلتا پھر یقیناً سارا انتظام میرے ہاتھ میں ہوتا۔ چاچی جی نے خود ہی سب کچھ میرے سپرد کر دینا تھا۔"
"میں بھی سوچا کرتی تھی آپ کی شادی پر بہت کچھ کروں گی۔ اُس وقت تک ایک گھر کی مالکہ بن چکی ہوں گی میرے ہاتھ پلے بھی کچھ ہوگا۔ اب یہ حسرتیں دل میں ہی رہ جائیں گی"
اُس کی اس بات سے دل پر کاری ضرب لگی کہ اس نے پہلے ہی سوچ رکھا ہے ہمارے راستے الگ الگ ہیں۔ دل کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ پہلے ہی سے

گھر کی مالکہ بننے کے خواب دیکھے جا رہے تھے۔ میں نے اپنے دل کی بات کہہ دی

"میں تو شادی نہیں کروں گا۔ کبھی نہیں کروں گا۔ دیکھ لینا"

"نہیں کر لیجیئے گا"

"تم سمجھتی ہو میں شادی کے بعد خوش رہ سکوں گا۔ میں نہیں چاہتا کسی بچاری کی زندگی کی بربادی کا سامان میں بنوں۔ آخر اس نے میرا کیا بگاڑا ہے کسی کی اُمنگوں کا خون کرنے کا مجھے کیا حق ہے۔ تمہیں ضرورت محسوس ہوتی ہے تم شوق سے شادی کرو۔ مجھے تو ایسی شادی سے نفرت ہے۔ تمہارے لئے ہر شخص "میں" ہو سکتا ہوں گا۔ میرے لئے ہر لڑکی ولائیت نہیں ہو سکتی۔ میری زندگی میں صرف ایک ولائیت آئی ہے جسے مَیں نے بے پناہ چاہا اپنی استطاعت سے بھی زیادہ۔ اُس کی شادی کے بعد میں اُس سے اسی طرح محبت کروں گا اور اُس کے مرنے کے بعد بھی میری محبت زندۂ جاوید رہے گی" وہ رونے لگی تو میں نے اُسے گلے سے لگا لیا "یہ آنسو تو میرے غم کی دوا نہیں۔ مسکراؤ۔ مسکراؤ بھی۔ میرے غم کا مداوا تمہاری مسکراہٹ ہے وہ تمہاری مسکراہٹ ہی تو ہے جس کی یاد سے میری زندگی میں بہاریں لوٹ آتی ہیں"

"اب میں جاتی ہوں"

"نہیں"

"دیر ہو جائے گی"

"مجھے بھی ساتھ لے جاؤ"

"میں کل آؤں گی"

"جھوٹ کہ سچ؟"

"آپ ناراض ہوں گے کہ میں جان بوجھ کر نہیں آتی۔ آپ کو کیا بتاؤں کس طرح آتی ہوں میں ہی ہوں جو آ جاتی ہوں"

"پھر وہی بات۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی تجھے منع کیا تھا یہ دھونس نہ جمایا کرو۔ تم تو صرف دس فٹ چل کر آتی ہو اور میں؟ پتہ ہے اپنا تو اس شہر میں آنا ہی منع ہے۔"

میں نے اُس کی ناک اُمیٹھی تو اُسے زور کی چھینک آ گئی "ہائے اللہ" "ہائے اللہ کی گھوڑی! کسی دن اسی طرح مار دو گی اور کیا۔" وہ اُٹھ بیٹھی "کل ضرور آنا" میں نے الوداعی بوسہ لیا اور وہ میرا ہاتھ چومتے ہی کلانچیں بھرتی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

پھر یہ ملاقاتیں اپنے پہلے رنگ پر آ گئیں۔ چند دنوں تک تو ایسا ہوتا رہا کہ وہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ ٹھہرتی اور چلی جاتی۔ پھر ایسا ہوا کہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کبھی میں کبھی وہ جا کر دیکھ آتی۔ سب سوئے ہوتے ہم پھر اطمینان سے بیٹھ جاتے حتیٰ کہ صبح ہو جاتی۔ دن گذرتے رہے کبھی کبھار دوپہر کو بھی آمنا سامنا ہو جاتا پر صرف دُور دُور سے۔ وہ اپنے دروازے میں کھڑی ہو جاتی اور میں اپنے میں۔ ذرا سی آہٹ سے ہم ہوا کی طرح غائب ہو جاتے میں سارا دن گھر ہی رہا کرتا اس لئے پہلے پہل تو اہلِ محلہ پر شک نہ گذرا مگر جب کافی دن گذر گئے تو میرے یہاں آنے کی خبر اُن تک بھی پہنچ گئی۔ لوگ چوکس ہو گئے ایک

وہی اسسٹنٹ کو اپر یڈو انسپکٹر کے چپراسی نے بھی ہمیں تانک جھانک کرتے دیکھ لیا۔
میں صحن میں کھڑا تھا کہ جیو بھنگن آئی آپا جی سے کہنے لگی "چند لوگ ہمارے بابو کے بڑے
خلاف ہیں۔ انسپکٹر کا نوکر کہتا تھا" یہ دروازے میں کھڑا رہتا ہے اور وہ سارا
دن چھتوں کے پیچھے کھڑی اشارے کیا کرتی ہے ان کے لئے یہ اچھی بات نہیں" بکواس
کرتا ہے اب تو یہ بچارا کبھی زنانہ کی طرف گیا ہی نہیں۔ بیٹھک میں بیٹھا اپنا
پڑھتا رہتا ہے۔ اُسے کہہ دینا پھر کوئی ایسی ویسی بات کی تو ہم وہ گت بنائیں گے کہ
ساری عمر یاد کرتا رہے گا۔ خواہ مخواہ بدنام کرتا ہے۔ ہمیں خود ایسی باتوں سے ڈر
لگتا ہے" آپا جی نے سختی سے جواب دیا تو خوشی کے مارے دل ناچ اٹھا۔ جیو نے بھی
تائید کر دی ہاں بی بی جی میں نے بھی تو ان کو کبھی نہیں دیکھا صبح سے شام تک اس
محلہ میں رہتی ہوں۔ میرا کام ہے ایک گھر سے دوسرے گھر میں دوسرے سے تیسرے میں'
ہر وقت پھرتے ہی رہنا۔ گلی کے بیسیوں چکر کاٹنے پڑتے ہیں۔ مجھے تو یہ کبھی نظر نہیں
آئے" آپا جی نے پھر کہا "اب نہ ہی کبھی یہ اُدھر گیا ہے اور اُس بچاری کی بھی
کبھی آواز نہیں سُنائی دی" آپا جی کے اس اقدام کی میں داد دیتا بیٹھک میں جا بیٹھا۔
زندگی میں پہلی مرتبہ ماں کے رویے سے خوشی نصیب ہوئی۔ واقعی ماں بہترین محسن ہے۔
پر یہ نشہ بہت دیر نہ رہ سکا۔ شام کو ہی یہ قصہ والدہ نے والد بزرگوار سے کہہ سُنایا
پھر کیا تھا جھڑکیوں کا ایک طوفان، غصے کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر "تمہیں کس نے کہا تھا
یہاں آؤ؟ جاؤ وہیں بھاگ جاؤ۔ آخر تمہارا یہیں آنے کا مطلب کیا ہے؟ کیوں تم

یہاں آئے تھے جبکہ میں تمہیں کئی مرتبہ منع کر چکا ہوں۔ تمہیں سو مرتبہ کہا ہے تمہارا اس گھر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ چودھری اگر کوئی شرارت کر دے؟ تمہارے پیچھے غنڈے لگا دے پھر؟ بس یہاں کبھی نہ آیا کرو۔ کیا کروں تمہارا۔ تم نے تو میرا ناک میں دم کر دیا ہے۔ حرامزادے اگر زندگی کی ضرورت ہے تو انسان بن جاؤ" اس کے کوئی آدھ گھنٹہ بعد چھتوں کے عقب میں مجھے ولایت ملی۔ میں نے کہا "آج ضرور آنا پھر مصیبت آپڑی ہے" اور جلدی سے واپس آگیا۔ سب سو گئے تو وہ بھی آگئی۔ میں نے سارا قصّہ کہہ سنایا۔

"اب بتاؤ میرے آنے کا تمہیں کیسے پتہ چلا کرے گا؟"

"سب مجھے پتہ چل جایا کرتا ہے"

میں بیٹھک کی بتی جلا دیا کروں گا۔ اگر کھڑکیوں میں سے روشنی چھن چھن کر باہر آرہی ہو تو سمجھ لیا کرو میں بیٹھا ہوں اگر کھڑکیاں بند ہوں یا بالکل کھُلی ہوں اور بیٹھک کی بتی جل رہی ہو پھر سمجھنا کوئی اور بیٹھا ہے۔ دھوکا نہ کھانا۔ یا کھمبے سے "ٹن" کر دیا کروں گا"

"چلیئے اُدھر چلیں"

"لیٹی رہو۔ یہاں کوئی تکلیف ہے؟"

"سرور جاگ اُٹھے گا"

"اُسے بھی یہاں لے آؤ"

"اچھا آپ ٹھہریئے مَیں اُسے دیکھ کر ابھی آجاتی ہُوں"

وہ چلی گئی۔ کافی انتظار کے بعد اُسے دیکھنے گیا اُس کا کچھ پتہ نہ چلا "تن" بھی کی پھر بھی کوئی جواب نہ ملا۔ اُن کی بیٹھک کا دروازہ ابھی تک کھلا تھا۔ واپس آکر پھر انتظار کرتا رہا۔ پتہ نہیں اُسے نیند نے آدبوچا تھا یا کوئی اور وجہ ہوگئی تھی تین چار مرتبہ باہر گیا اُن کی بیٹھک کا دروازہ تمام کُھلا رہا۔ حتیٰ کہ صبح ہوگئی کم ازکم اُٹھ کر دروازہ ہی بند کرلیتی۔

آج مجھے پھر واپس لوٹنا پڑا۔ میں سانپ کی طرح بس گھولتا لوٹ آیا۔ طبیعت پہلے ہی ملُول تھی اس پر طرّہ یہ کہ مجھے معلّم بننے پر مجبور کیا گیا۔ یہ بات طبیعت پر بے حد گراں گذری۔ میں نے صاف طور پر انکار کردیا "اتنی معمولی نوکری کرنے کے لئے میں بالکل تیار نہیں۔ یہ تو نری بے عزّتی ہے" "تم تو احمق ہو بیکار بیٹھے کیا کروگے؟ اس طرح کچھ نہ کچھ تو کماؤگے۔ بیوقوف معلم تو قوم کا معمار ہوتا ہے۔ یہ تو قوم کی خدمت ہے" میں قوم کی خدمت کے لئے تیار نہ تھا مگر مجبوراً معلم بننا پڑا۔ پرائے بس میں جو تھا۔ خواہ تنخواہ انگشت نمائی ہوئی۔ قوم کا معمار ۔ قوم کے معمار کی تنخواہ کیا ہوتی ہے؟ مجھے تو بتاتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ کھانا کھاؤ تو لباس کے لئے کچھ نہیں، لباس پہنو تو بھُوکا رہنا پڑتا ہے۔ اپنے ہاں تو قوم کے معمار کا یہی معیار ہے۔ ہم اتنے بیوقوف نہیں ہوسکتے کہ معلم کو دیکھ کر وزیرِ اعظم بھی کار کھڑی کرے اور سیلوٹ کرکے آگے بڑھے۔ ہماری قوم ترقی یافتہ ہے۔ سب ہی شائستہ زبان

بولتے ہیں بسنگڑے بیچنے والا بھی آگر کہتا اوئے ماسٹر کیہڑی گل دا جرمانہ مانگتے ہو۔ ہم روٹی کھائیں کہ تمہارے جرمانے پورے کریں۔ سلو پے کا ڈیڑھ سیر تو آٹا آتا ہے۔ آٹے سے چھٹکارا ملے گا تو جرمانہ بھی دے لیں گے۔ چل اوئے پتر جا اندر بیٹھ میں ابھی وڈے ماسٹر سے ملتا ہوں" چھوٹا ماسٹر اُس کا منہ ہی تکتا رہ جاتا ہے اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد ماسٹر جی صاحب کی گھرکیوں سے نوازا جاتا ہے۔ غلام در غلام کے لئے اس کے سوا چارہ بھی کیا ہے۔ میں معلم بن گیا۔ اُن کے منع کرنے کے باوجود کچھ دنوں کے بعد میں قصبہ میں واپس چلا آیا۔ ابکے اُس کی چارپائی بیٹھک میں بچھی تھی۔

"ولایت یہ تو بتاؤ تمہیں پچھلے دنوں ہوا کیا تھا"

"کچھ نہیں"

"کچھ نہیں کی گھوڑی۔ مجھے دیکھتے ہی کھڑکیاں بند دروازے بند۔ آواز تک سنائی نہ دیتی۔ تم مجھے دیکھ کر چھپ کیوں جایا کرتی تھیں ؟" وہ ہنس دی

"ایک مرتبہ ناجائز سزا دے چکی ہو کہیں دوبارہ ایسی سزا دینے کا خیال تو نہیں ؟"

میں نے اس کی ناک اینٹھنا چاہی وہ پرے بھاگ گئی

"میں پانی پی آؤں ابھی آتی ہوں"

"مجھے بھی پیاس لگی ہے"

"پانی لاؤں ؟"

"نائیں۔ ہم دودھ پئیں گے"

"دُودھ لاؤں؟"

"بڑی بدذوق ہو۔ تمہاری عقل کو کیا ہوتا جا رہا ہے۔ تمہیں بھی کچھ بنانے کی ضرورت ہے؟ تعجب ہے۔ اتنی جلدی۔ پچھلی ساری ڈسپلن ٹریننگ غارت ہو گئی؟ ہے نا؟..."

"نہیں"

"تو بیٹھ جاؤ"

"آپ بالکل معصوم بچے ہیں"

"بھتنی" تو نہیں ہُوں نا؟" اُس نے میرا کان مروڑ دیا

"دُودھ پیجئے۔ بچوں کو نہیں چھیڑنا چاہیئے"

"ہائے گدگدی ہوتی ہے۔ اِدھر آجائیے"

"میں تھک گیا ہُوں"

"جھُوٹ۔ آپ بدصُورتی سے گھبراتے ہیں"

"مجھے تو کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا"

"نہیں اس میں کچھ بھدّا پن ہے"

"تمہارا بھدّا پن بھی ایک خاص خوبصورتی لئے ہوتا ہے"

"شاعری کوئی آپ سے سیکھے"

"تمہاری ماں کرتی ہو گی شاعری۔ ہتھنی سی۔ مَیں نے تمہیں کئی مرتبہ بتایا ہے کہ

میں تمہارے سامنے جھوٹ نہیں کہا کرتا تم یقین کیوں نہیں کرتی ہو؟ اصل میں بات یہ ہے چور کو چور ہی نظر آتے ہیں"

"میں نے کونسی چوری کی ہے؟"

فوراً گرگٹ کی طرح رنگ بدل لیتی ہو۔ تمہارے رنگ میں خوب پہچانتا ہوں۔ مجھ سے زیادہ ولائت کو کون جانتا ہے۔ میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں بتاؤں تمہاری چوری؟

"ہاں" اُس نے سر ہلا دیا

"باجی سے کیا کہا تھا؟ مجھے تو کسی بات کی خبر ہی نہیں۔ تمہارے بھائی نے ہماری عزت لوٹ لی۔ اب بھلا چاچا جی کسی کو منہ دکھا سکتے ہیں" چاچا جی کی گھوڑی۔ تمہیں تو عزت کا بہت خیال تھا۔ اسی لئے پانچ منٹ بھی نہ گذرنے پاتے تھے۔ کہ کلانچیں بھرتی آجاتی تھیں۔ اگر تمہاری طرح میں بھی تمہیں بدنام کرنا شروع کر دوں پھر؟

قسم اللہ کی مَیں نے کچھ نہیں کہا۔ وہ آپا کے پاس ہی بیٹھی رہیں۔ میں تو اُس وقت بیٹھک میں بیٹھی رو رہی تھی"

"میں اُس سے پُوچھ لُوں گا۔ باجی کے سامنے اتنا کہہ دو گی؟"

"ہوں"

"وہ تو کہتی تھی ہم خالہ کے گھر سے واپس آرہے تھے ولایت دروازے میں بیٹھی

تھی۔ ہم نے سوچا پُرانی سہیلی ہے دیکھ کر گذر جانا کچھ مناسب نہیں چلو اس سے بھی ملتے چلیں باجی نے مجھے بتایا "ساری بات کا تو ہمیں یہاں ہی پتہ چل گیا تھا۔ جب میاں جی اُدھر گئے ہم وہیں بیٹھے تھے۔ دادی جی کہنے لگیں دیکھا تمہارے بھائی نے کیا کیا۔" باجی نے مجھے شروع سے آخر تک ساری داستان سنائی تھی وہ تو کہہ رہی تھی میں نے اُن کے دروازے میں قدم رکھتے ہی پُوچھا ولایت کا کیا حال ہے؟ اور تم نے جواب دیا "ہمارا تو جو حال ہونا تھا ہو گیا اب چاچا جی کہیں منہ دکھا سکتے ہیں۔ مجھے کیا پتہ تھا اس طرح ہو گا میں تو اپنا گھر سمجھ کر جایا کرتی تھی۔ مجھے اتنے بڑے بڑے روڑے مارے" یہ ہو گیا وہ ہو گیا۔ یہ سب کچھ تم نے نہیں کہا؟ کچھ تو میرا خیال کیا ہوتا۔ پہلے تمہیں میں نے ازراہِ مذاق آن کا قصہ بتایا تو تم نے سب کو بتا کر مجھے خوب بدنام کیا اور اپنے آپ کو بچا گئیں۔ ذرا خیال تو کرو اگر یہی طریق میں اختیار کر لوں تو تمہارے ہاتھ کیا رہ جائے"

اُس نے روتی صورت بنالی "آپ مجھ پر خواہ مخواہ شک کرتے ہیں اللہ کی قسم میں نے نہیں بتایا تھا"

کچھ دیر تک خاموشی طاری رہی مگر اس خاموشی میں بھی ہم ایک دوسرے کے کافی قریب ہو گئے۔ اس شفقت بھری قرابت نے پھر زبان کھلوا دی

"ہائے مجھے کچھ ہو گیا ہے۔ اب کیا ہو گا؟"

"کیا ہو گیا ہے؟"

"وہی اور کیا"

"وہی کیا؟ مجھے نہیں سمجھ آئی" میں نے مصنوعی سنجیدگی اختیار کر لی

"اب بھلا آپ کو کیوں سمجھ آئے گی۔ آپ تو خوش ہونگے"

"کیسے ہو گیا؟ ہم تو اتنی دیر ملے ہی نہیں"

"اُس دن بیٹھک میں جو ملے تھے"

"جھوٹ کہتی ہو۔ سچ سچ بتاؤ؟" میرے ہونٹوں پر خواہ مخواہ مسکراہٹ اُمنڈی آ رہی تھی

"سچ کہتی ہوں اُس نے اُسی سنجیدگی سے کہا

"ایسا نہ ہو کہ کبھی سچ مچ ہو جائے" تم خود ہی مچاتی رہو شیر آیا شیر آیا اور میں اطمینان سے بیٹھا رہوں۔ اگر کبھی ایسی ویسی بات ہو گئی تو ضرور بتا دینا

"آپ کیا کریں گے"؟

"یہ تمہیں اُس وقت بتاؤں گا"

"مجھے پتہ چل گیا ہے مجھے کبھی نہیں ہو گا"

"کیسے؟" میں سوچ میں پڑ گیا اُس نے یونہی نہیں اتنے وثوق سے کہہ دیا

"مجھے کبھی نہیں ہو گا" یہ نتیجہ اپنے مختلف تجربات کی بنا پر اخذ کیا ہو گا۔ ورنہ اسے کیسے پتہ چل سکتا ہے؟ یہ کیسے دعویٰ کر سکتی ہے؟ یہ جو ستارے کی طرح جلتی بجھتی رہتی ہے اسکی وجہ کہیں یہی نہ ہو؟

"آپ کس سوچ میں پڑ گئے ہیں؟"

"مَیں سوچ رہا ہوں یہ ستارے کبھی شوخ ہو جاتے ہیں کبھی ان کا رنگ پھیکا پڑ جاتا ہے۔ ان کا ایک ہی رنگ کیوں نہیں رہتا؟ مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی"

"یہ دُنیا ہے۔ یہاں کی ہر بات آپ کی مرضی کے مطابق ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے"

"ہاں تم ٹھیک کہتی ہو ولایت یہاں کی ہر بات میری مرضی کے مطابق کیسے ہو سکتی۔ وہ لڑکی جو حقیقی خدا کے سامنے بھی دلیرانہ جھوٹ بول سکتی ہے وہ مجازی خدا کے سامنے سچ کہے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں ہی غلطی پر تھا ولایت۔ سنبھلنا ہے تو ناممکن، پھر بھی کوشش کروں گا"

"یہ بُجھارتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں"

"ہاں ولایت یہ بجھارتیں بڑی ذلیل ہیں۔ دوسروں کو خواہ مخواہ ذلالت کے گڑھوں میں اُٹھا پھینکتی ہیں"

"آپ صاف صاف کیوں نہیں کہتے۔ ان طنز بھرے تیروں نے میرا کلیجہ چھلنی کر دیا ہے"

تمہارا کلیجہ پتہ نہیں چھلنی ہوا ہے یا نہیں میں سرتاپا انگارہ بنا ہوا ہوں"

"میں نے کیا کیا ہے؟"

"اور کر لو میں تجھے منع تو نہیں کر رہا۔ جو جی چاہے کرتی جاؤ۔ مگر یہ ہے کہ جب بھی میں یاد آؤں گا آٹھ آٹھ آنسو رویا کرو گی۔ میری قدر تم اس وقت

جان جاؤ گی"۔

"ہائے خدایا کچھ بتایئے بھی"

"کنجاہ والے چودھری صاحب کو تم نے ہی پیغام پہنچایا تھا؟"

"ٹھہریئے بتاتی ہوں" وہ کچھ سوچنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگی "خیر جیات کا بچہ بتا آیا تھا۔ میں نے تو کسی سے بھی کچھ نہ کہا تھا۔ اُس دن صبح میں رو رہی تھی کہ چاچا جی جلسۂ نماز پر بیٹھے مجھے دیکھ دیکھ ہنستے رہے کہنے لگے "لگا ہی کرتی ہیں ولائیت" پھر چاچا جی مجھے پُوچھنے لگے اُس کے نانا کو بلاؤں میں نے کچھ نہ کہا میں روتی ہی رہی۔ چاچا جی نے علم دین کو بھیج دیا اور وہ آپ کے نانا جی کو بُلا لایا جب وہ آئے اُس وقت بھی میں رو رہی تھی۔ مجھے کہنے لگے دکھا کا کی کہاں لگی ہے" وہ ہنسنے لگی

"کنجاہ والے چودھری صاحب نے کیا کہا تھا؟"

"کہنے لگے کیا کریں ہمارا لڑکا ہی ایسا نکلا ہے میرا اپنا ہوتا تو میں اسے پُوچھتا بھی"

"یہ سُن کر تمہیں بڑی خوشی ہوئی ہو گی؟"

"پتہ نہیں میرے متعلق آپ کے خیالات اس طرح کے کیوں ہوتے جا رہے ہیں کبھی وہ زمانہ تھا جب میں جو کچھ بھی کہہ دیتی تھی آپ فوراً تسلیم کر لیتے تھے۔ واقعی وقت کے ساتھ محبت بھی بدل جاتی ہے"

"ولائیت تم غلط فہمی میں مُبتلا ہو۔ ذرا میرے دل کی دھڑکنوں کی آواز تو سُنو میری

محبت پہلے سے چوگنی ہے۔ لوگوں کی محبت گھٹتی ہے میری دن بدن ترقی کرتی ہے اگر یہ
صرف جنسی محبت ہی ہوتی تو کب کی ختم ہو چکی ہوتی ہم سینکڑوں مرتبہ مل چکے ہونگے"
اُس نے مجھے چھاتی سے لگا کر بھینچ لیا۔
"جب آپ غصہ میں ہوں تو مجھے آپ سے بڑا خوف آتا ہے سچ سارا خون سوکھ
جاتا ہے"
"جی ہاں جس طرح اب سوکھ گیا تھا" اُس کی ذرا سی ہمدردی سے میں پھر صاف گوئی پر
اُتر آیا "ولایت میں سوچا کرتا ہوں کہ اگر تم صرف میری ہو تو تمہارے جیسا دُنیا میں
کوئی نہیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو تم کوڑی کی بھی نہیں ہو"
"آپ نے ہی کوڑی کا بنا رکھا ہے"
سُونی سُونی فضا میں شگفتگی سی حائل ہو رہی تھی۔ ہم دونوں نے تلخ پہلو کو بھول جانا
چاہا۔ میں نے اُسے کہا تم ذرا ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں۔ پھر میں وہ لفافہ اُٹھا لایا
جسے مَیں جلدی میں بیٹھک میں ہی بھول آیا تھا۔ پچھلی مرتبہ اُس نے پھیری والے سے پاؤڈر
خرید لیا تھا جس نے پوری جلد کا ستیاناس کر دیا تھا میں نے غصہ میں آ کر اُس کی وہ ڈبیا اُٹھا
کر باہر پھینک دی تھی "خود کو عقل نہ ہو تو دوسروں سے پوچھ لینا چاہیئے۔ تم نے مجھے کیوں
نہیں بتایا۔ اس کا یہی مطلب ہوا ناکہ تم ابھی تک مجھے بیگانہ سمجھتی آ رہی ہو" اُس نے
صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔ میں نے لفافہ اُس کی طرف بڑھا دیا
"یہ کیا ہے؟"

"سانڈے کا تیل"

"بتلایئے بھی"

"تمہاری آنکھیں نہیں ہیں یا ہاتھ نہیں ہیں"

"یہ واپس لیجیے" اُس نے لفافے کے منہ کے اندر جھانکتے ہی کہہ دیا

"باہر گلی میں پھینک دو۔ میرے پاس اس کے ساتھ کا پورا سیٹ موجود ہے نہ یقین ہو تو بیٹھک میں چل کر دیکھ لو۔ میں اسے لے جا کر کیا کروں گا"

"میں انہیں کیا کروں گی؟"

"استعمال کرو"

"سارا دن تو چولھے کے آگے مرتی ہوں یہ کریم یہ پاؤڈر یہ سینٹ، پتہ نہیں آپ کیا کیا الا بلا اُٹھا لائے ہیں۔ انہیں کون لگائے گا"

"تم لگاؤ گی" میں نے ترچھی نظروں سے دیکھا تو اُس نے لبوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ کو چھپانے کے لئے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ لیا اور انگلیوں کی درزوں سے بلی کی طرح جھانکنے لگی اور مجھے اُس پر پیار آ گیا

"ما نوسی"

"جو مار تو نہیں بجوں"

"پچھو ہا تمہارا کوئی دم ہو گا" میں بھی اُس کے پیچھے پیچھے بھاگ اُٹھا اور سڑک کے پار کھجوروں کے جھنڈ میں جا دبوچا۔ میں نے اُس کا بازو مروڑ کر کمر پر گھونسہ مارنا چاہا کہ اُس نے بھی زور زور سے کھانسنا شروع کر دیا۔ اس کے گالوں کے سفید سُرخ گلاب پورے سُرخ ہو گئے اُسکے سینے کی

کی مدوجزر میں تیزی آگئی۔ میں نے بازو چھوڑ کر اس کا ہاتھ چوم لیا۔ "کتنی پیاری ہو"

پھر ہم وہیں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے چاندنی رات میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اُس کی سنہری زلفیں کبھی گردن سے لپٹ جاتیں کبھی میرے ہونٹوں سے چمٹ جاتیں۔ میں نے اُس کا دوپٹہ اپنے گلے میں ڈال لیا۔ چاندنی کی رعنائیوں میں یہ مدوجزر بڑا دلفریب منظر پیدا کر رہا تھا میں نے حریری دوپٹے کو گالوں سے لگا لیا

"اب کبھی نہیں واپس کروں گا"

"نہ کیجئے"

"ایک چیز اور دے دو"

"وہ کیا؟"

"یہ" میں نے مدوجزر پر انگلی رکھ دی

"یہ ٹھیک نہیں۔ دُوسری لے لیجئے۔ یہ انہوں نے بنائی تھی"

"پھر تو اور بھی اچھا ہے۔ ایک پنتھ دو کاج۔ ایک نشانی دونوں کی یاد تازہ رکھے گی کسی غریب کے دل کے خون سے رنگی ہوئی یہ نشانی بیتی داستان دُہرایا کریگی" میں نے مدوجزر سے چپکی ہوئی سُرخ ریشمی جھلّی اُتارنا چاہی۔ وہ میری سادگی پر مسکرا دی "یہ پیچھے سے نہیں سامنے سے کھلتی ہے"

"میرے جلیس شکریہ۔ تمہارے اس احسانِ عظیم کے عوض میرا دل تجھے ہمیشہ دعائیں دیا کریگا" اُس نے مسکراتے ہوئے میرا ہاتھ چوم لیا۔ اُس کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک پیدا ہو گئی۔

اس چمک میں بڑی ہی دلکشی تھی۔ شبنم کی سی مقدس معصومیت تھی۔ مجھے پرانا واقعہ یاد آگیا

"جان مجھے سمجھ نہیں آتی میرے گستاخ ہاتھوں نے اتنی پیاری آنکھوں پر کیسے رومال چلا دیا۔ کس آنکھ پر لگا تھا؟"

"اسی پر"

اور میں نے اُس کی آنکھ پر ہونٹ رکھ دیئے "جان مجھے معاف کردو"

"آپ مجھے شرمندہ کرتے ہیں" اُس نے مجھے چمٹا کر بھینچ لیا۔

دیر تک یہی کیفیت رہی پھر چاند کو ایک بدلی نے آگھیرا۔ میں نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا

"جان سانپ"

"کہاں" وہ دو ہی زقندوں میں سڑک پر پہنچ گئی

میں بھی ہنستا ہوا اُس کے پیچھے ہو لیا اور چھاتی پر ہاتھ رکھ دیا۔ دل ابھی تک زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

"یہ یاری تو نہ ہوئی نا۔ خود بھاگ آئیں اور میری پرواہی نہ کی" وہ مجھ سے روٹھ گئی

"بہت بُرے ہیں آپ"

"سچ کہتی ہو؟ اب بتاؤ؟" میں نے اُس کا ہاتھ اُس کی چھاتی پر رکھ دیا

وہ مُسکرا دی ہم دونوں دو ہی منٹ میں واپس پہنچ گئے۔ بہت ہٹا تو کھجوروں کے جھنڈ سے گھر تک پچاس گز کا فاصلہ ہو گا۔ میں جاتے ہی اپنی چارپائی پر لیٹ گیا اور لمبے لمبے سانس

لینا شروع کر دیئے "میں ابھی آتی ہوں جاگتے رہنا ہوں" وہ اندر دیکھنے کیلئے چلی گئی کہ کہیں کوئی جاگ نہ رہا ہو۔ میں کافی دیر تک انتظار کرتا رہا وہ نہ آئی تو خود اُٹھا پہلے تھوڑی دُور تک دبے پاؤں گیا پھر ہاتھ بھی زمین پر ٹیک دیئے اور بلی کی چال چلا سوچ کے قریب پہنچکر ہولے سے آف کر دیا۔ بڑے کمرے میں صرف ایک پلنگ بچھا تھا اُس پر کوئی سو یا تھا۔ اُسے پار کر کے ملحقہ کمرے میں پہنچنا پڑتا تھا۔ "پتہ نہیں یہ کون ہے سامنے گذرتے وقت دیکھ لیا تو پہاڑ ہی اُلٹ آئے گا" پھر کیا ولایت کی چار پائی کا بھی پتہ نہ تھا۔ اُسی کمرہ میں اس کے چاچا اور آپا کی چار پایاں بھی تھیں۔ اگر ولایت کی جگہ اس کی آپا کا ہاتھ چھُو لیا تو قیامت ہی آجائے گی" میں پھر بلی کی چال واپس آ گیا۔ سوچ آن کر دیا اور چار پائی پر لیٹ گیا۔ اُس کی چار پائی پر تو میں لیٹا تھا وہ جانے کس کے ساتھ جا سوئی تھی۔ مجھے غصہ آرہا تھا صبر کا پیالہ لبریز ہو چکا تو میں نے آہستہ آہستہ تھوڑی دیر کے بعد کھٹکا کرنا شروع کیا۔ اس کا بھی کوئی اثر نہ ہوا تو میں واپس لوٹا۔ ابھی چق اُٹھائی ہی تھی کہ قدیر کی کار کی چمکتی ہوئی آنکھوں کی روشنی نے میری آنکھیں چندھیا دیں۔ میں پھر پناہ لینے اندر چلا گیا۔ قدیر کا بنگلہ یہاں سے بہت دُور نہ تھا اِس لئے وہ اکثر رات کو آجایا کرتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ہم برآمدے کے فرش پر اپنی زندگی کے پروگرام بنا رہے ہوتے کہ قدیر کی کار کی بتیاں ایکدم ساری گلی میں روشنی پھیلا دیتیں۔ ہم جلدی سے اُٹھ کر کسی کونے میں دبک جاتے۔ کئی مرتبہ ایسا ہُوا کہ وہ رات کے ایک دو بجے آیا دس پندرہ منٹ گھر ٹھہرا اور

واپس چلا گیا۔ اُس دن ہمیں دو مرتبہ کوفت ہوتی اور بڑا غصہ آتا پتہ نہیں سالا اس وقت کیا لینے آجاتا ہے۔ ولایت ہوئے سے کہتی "روپیہ چھوڑنے آتا ہے بڑی رشوت کماتا ہے" تم تو کہو گی ہی تمہارے چاچا کی جو اُن سے نہیں بنتی۔ خوا مخواہ غریب کو بدنام کر رہی ہو" میں آگ کو تیل دکھا دیتا وہ اور بھڑک اُٹھتی "ماں کی عمر اُپلے بیچتے گذر گئی بیٹا کار پر چڑھے پھرتا ہے۔ سچ گاؤں میں ان سے سب ناراض ہیں انہوں نے منڈوں کی زمین پر ناجائز قبضہ کر لیا تھا" "میں کیا کروں۔ مجھے نہ ایسی باتیں سنایا کرو اُن کے کام وہ جانیں تم خوامخواہ ٹانگ اڑاتی ہو" میں اچانک جھڑک دیتا۔ کار گذر چکی تھی اور پھر وہی اندھیرا چھا چکا تھا۔ میں اپنی بیٹھک میں چلا آیا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کئی مرتبہ دروازہ دیکھا دروازہ کھلا ہی رہا۔ کواڑ اُسی طرح بھیڑے ہوئے تھے جس طرح میں آتی دفعہ بھیڑ آیا تھا۔ عجیب لڑکی ہے" اگلی مرتبہ اس کا دماغ ٹھیک کر دوں گا" میں غصہ میں بل کھاتا رہتا۔ خوامخواہ شک کی دعوت دیتی ہے اور وہ تمام چیزیں بھی چارپائی کے سرہانے تک میں بکھری پڑی تھیں۔ جو میں نے تحفہ کے طور پر اُسے پیش کی تھیں۔ اگر اس کے چاچا کی نظر پڑ گئی تو انہیں کیا جواب دے گی؟ جواب اُس نے دینا تھا اور اس کی حماقت پر غصہ مجھے آرہا تھا۔ میں الصبح واپس چلا گیا۔ جب سے معاملہ خراب ہوا تھا میں اسی طور آیا کرتا۔ شام گئے آتا اور صبح ہی صبح واپس چلا جاتا تاکہ نہ کوئی دیکھے نہ بھید نکلے۔ اس پالیسی سے یہ ہوا کہ نہ صرف لوگوں کے منہ بیٹھ گئے بلکہ اس کے گھر والے بھی پہلے سے محتاط نہ رہے۔ آہستہ آہستہ ہماری آزادی

میں اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ ہم پہلے کی طرح سرِ شام ملتے اور صبح تک بغیر کسی خوف کے مزے سے لیٹے رہتے۔ اب ولایت کے دل کی دھڑکنیں غائب ہو گئی تھیں۔ وہ بے جھجک میرا انتظار کیا کرتی۔ سب سو جاتے اور وہ کبھی سویٹر بننے کے بہانے بیٹھی رہتی کبھی کوئی اور کام کرنے لگتی۔ میں بیٹھک میں بیٹھا کتابوں کی ورق گردانی کیا کرتا جب دونوں گھروں کے تمام افراد سو چکتے تو چکور چاند کو آملتا۔ ا یک میں آیا تو وہ پہلے ہی سے میرا انتظار کر رہی تھی۔ بیٹھک میں آگئی

"اندر چلئے مجھے سردی لگتی ہے"

"آج ضرورت سے زیادہ ہی مہربان نظر آتی ہو"

اُس نے سیاہ باریک قمیض پہن رکھی تھی اُس کے سفید اور سُرخ گال گوری گوری باہیں گداز ہاتھ دیکھ دیکھ میرے دل میں گدگدی ہو رہی تھی "ہائے کس قیامت کی جوانی ہے پتہ نہیں وہ کون خوش نصیب ہے جو تجھے بیاہ لے جائے گا" اُس نے مسکراتے ہُوئے میرے گال پر چٹکی بھری دی "کہیں رشتہ ڈھونڈا ہے کہ نہیں ابھی؟"

"ہُوں" (اُس نے سر ہلا دیا) "خضر حیات سرگودھے گیا تھا"

"کتنا پڑھا ہُوا ہے؟"

"تیرھویں میں پڑھتا ہے"

"باپ کیا کرتا ہے؟"

"زمیندار ہیں۔ بس وہی پڑھا ہُوا ہے"

"بات پکی ہو گئی؟"

"خیر بات تو ٹھیک چڑھ جاتی ہے۔ سب اسی طرح ہی ہوتے ہیں۔ میرے کتنے پڑھے ہوئے ہیں؟"

"تو کہہ دو ان کو بیس کر دیں۔ جہیز تیار ہو گیا؟"

روز آتا ہی رہتا ہے سارا زیور ماموں نے رکھا ہے۔ اُس نے اپنی بڑی کی شادی کی تو ہمارا زیور بینک میں رکھوا کر قرضہ لیا تھا۔ اب انہیں روپیہ دے تو زیور ملے چاچا جی نے کئی دفعہ کہا ہے وہ سنتا ہی نہیں اسی لئے اُن سے جھگڑا بھی پیدا ہو گیا ہے۔ چاچا جی نے اُن کی زمین پر قبضہ کرنے کے لئے دعویٰ بھی کر دیا ہے"

"انہوں نے تمہیں وہی زیور دینا ہے"

"نہیں اور بھی بنوایا ہے کل آپ کو دکھاؤں گی"

"ابھی دکھاؤ"

"کھٹکا ہو گا"

"کل ضرور دکھانا"

"اچھا"

"دانت کیوں نکال رہی ہو؟" اُس نے پھر میرے گال پر چٹکی بھر دی "ولایت جانے تمہاری یہ چٹکیاں کب ختم ہوں گی"

"جب تک آخری سانس باقی ہے"

"سچ کہتی ہو؟"

"ہوں"

"اللہ تمہیں اپنے وعدوں پر قائم رہنے کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین۔ میں نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر ہنس ہنس کر دُعا مانگنا شروع کر دی۔ چلو اب اندر چلیں"

"لائٹ آف کر دیں گے نا؟"

"نہیں"

"تو پھر یہیں بیٹھے رہیئے۔ مجھے اندھیرا بالکل پسند نہیں۔ روشنی میں جی بھر کر آپ کو دیکھ تو لیتی ہوں نا۔ اندھیرے میں ہم اندھوں کی طرح پیار کرتے ہیں ——— صبح آپ یہیں رہیں گے؟" اُس نے اتنی ساری باتیں ایک ہی سانس میں کہہ دیں

"کیوں؟"

"میں آپ کو دن کے اُجالے میں دیکھنا چاہتی ہوں۔ دن کو ملے ہوئے مدت ہی ہو چکی ہے"

"ولایت شاعر بننے کی کوشش نہ کیا کرو۔ اپنی چادر سے زیادہ پاؤں نہیں پھیلانا چاہئیں تم جٹنی ہو۔ یہ سوچا کرو کہ کھیت کی مینڈھ پر کھڑے ہو کر دو منٹ میں تمام بینگن کیسے گنے جا سکتے ہیں؟"

"ہوں" اس نے میرا کان مروڑ دیا "شاعر ہوں گے آپ میں آپ کی ملکہ ہوں۔ آپ میرا احترام کیا کریں اُس نے ذرا اکڑ کر کہا۔ اگر ہم نے پھر ایسی بے تکلفی دیکھی تو بہت بُری طرح پیش آئیں گے۔"

"نیک طبع کی گھوڑی چلو میری دھوتی دھوؤ" میں نے کان سے پکڑ کر اُسے غسل خانہ میں بٹھا دیا "بہت گندی ہو رہی ہے گھر میں کسی کو دی تو شک ہو جائے گا اور دھوبی کو دی تو وہ کیا خیال کرے گا؟"

"اُدھر جا کر دُھلا لاتی ہوں"

"نا بابا تم جیسے دھوبیوں کا کیا اعتبار جی چاہے تو دھوتی ہی غائب کر دو"

وہ دھوتی دھونے لگی اور میں نے پمپ چلانا شروع کر دیا۔ دس منٹ کے بعد ہم فارغ ہو گئے

"صبح آپ یہیں رہیں گے نا؟"

"ہوں" میں اس کی خواہش کو سمجھ رہا تھا

رات کو تہبند اور بنیان پہنے ننگے پاؤں ننگی مجت ہوتی دن کو سُوٹ پہن کر میں شریف آدمی بن جاتا۔ اُس کی یہ خواہش بڑی پُرانی تھی کہ میں اپنے اصل رُوپ میں اُس کے ساتھ بیٹھا کروں۔ آج پھر یہ دیرینہ اُمنگیں جاگ اُٹھی تھیں۔ اُس کا جی چاہ رہا تھا بیتے ہوئے دن پھر لوٹ آئیں۔ ہم ایک بار پھر قدِ آدم آئینہ کے سامنے کھڑے ہوں میں پوچھوں "کون گورا ہے"

"میں" اور ساتھ ہی شرم سے لجاتی ہوئی وہ میرے گال پہ چٹکی بھر دیتی

"نا ئیں ہم گورے ہیں" میں اس کی ناک مروڑ دیتا

سردی کافی بڑھ گئی تھی میں نے کہا "چلو اندر چلیں"

"نہیں ٹھیک ہے"

"مجھے ڈبل نمونیہ ہوگیا تو کون ذمہ دار ہے؟"

"ابھی دو منٹ میں گرم ہو جائیں گے"

"دو منٹ کی گھوڑی" میں کان سے پکڑ کر اندر لے گیا

"یہاں کون سویا ہے؟" وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گئی۔ میں نے لحاف اُٹھا دیا۔ اس کے اندر ایک تکیہ رکھا تھا اور تین چھوٹی چھوٹی چھڑیاں کھڑی کر دی گئی تھیں۔

"یہ کیا بنا رکھا تھا؟"

"یہ بڑا پرانا کھیل ہے۔ یہ تو میں ہمیشہ بناتا آیا ورنہ اب تک چوری پکڑی گئی ہوتی۔ سب پاس سوئے رہتے ہیں اور میں تمہارے پاس راتیں گزارا آتا ہوں۔ کئی دفعہ ایسا بھی ہُوا کہ کوئی جاگ اُٹھا اور میں بچ گیا۔ ایک مرتبہ آیا تو چاچا جی بتی جلائے بیٹھے تھے۔ سینما دیکھ کر آئے ہونگے۔ پر اُن کو شک تک نہ ہُوا۔ ایک دفعہ چھوٹے میاں پڑھ رہے تھے۔ میں چپکے سے آ کر لحاف میں گھس گیا۔ اُس کا دھیان پرے تھے ورنہ معاملہ چوپٹ ہو جاتا۔ اس ترکیب کی وجہ سے میں کئی مرتبہ بچا ہوں"

"چلیئے اُدھر چلیں" اُسے شاید اپنی فکر لگ گئی تھی

"تم جاؤ" میں منہ دوسری طرف کئے لیٹ گیا

"پہلے ہی کونسا کم دُکھ ہیں جو آپ بھی ستانے پر اُتر آئے ہیں" وہ بسورنے لگی

"اچھا آرام سے لیٹ جاؤ" "گھڑ بھڑ مت کرو۔ میں ذرا باجی کو جگا کر تمہاری ملاقات

کرا دوں۔ آج پرانا جھگڑا بھی ختم ہو جائے گا۔ ان دنوں تو باجی یہیں ہے پھر اُس نے چل جانا ہے۔ اسلئے جھگڑے کا ختم ہو جانا ہی بہتر ہے۔ اُس دروازے کے ساتھ ہی دوسرے کمرے میں سوئی ہوئی ہے "

"ہائے اللہ اور مصیبت۔ اُس نے کسی کو بتا دیا تو ؟"

"نہیں بتاتی"

وہ جلدی سے اُٹھ کر باہر بھاگ آئی۔ اُس کے پیچھے ہی میں بھی آگیا۔ ہم صحن عبور کرنے بعد بیٹھک میں آ بیٹھے

"یہ ذرا چہرہ مبارک مجھ دہن میری طرف تو کرو۔ ملاؤ آنکھیں۔ ملاؤ۔ ہاں یوں !!"

"آپ ایک بات کے پیچھے ہی پڑ جاتے ہیں۔ ایک دفعہ غلطی تو ہو گئی ہے آپ ہزار مرتبہ شرمندہ کر چکے ہیں"

"ولایت میرے پاس ایک بڑا ہی نازک دل ہے جس کا تمہیں کبھی احساس نہیں ہُوا۔ کوئی اور ہوتا تو تمہاری یہ حرکات دیکھ کر تجھ سے نفرت کرنے لگتا۔ میں خود بھی شاید اس تذلیل کے باعث تجھے حقارت سے دیکھتا مگر میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ میرا کوئی اقدام اسے گوارا نہیں ———— اوہو۔ رُوٹھ گئیں۔ بس اب کبھی نہیں کہوں گا۔ وعدہ کرتا ہوں۔ ہاں یاد آیا وہ سینٹ نہیں لگایا ؟

ہُوں سینٹ۔ سارا دن چولھے میں مرتی ہوں۔ ایک دن تو میں رو پڑی تھی " ہمارا خاک رنگ ٹھیک رہے گا سارا جسم کالا ہو گیا ہے۔ مجھ سے نہیں ہوتی یہ مصیبت" آپا ہنسنے لگی۔

ایک مرتبہ خود ہی انہوں نے کہا تھا۔ بجی سب لڑکیاں کپڑے سنوار کر رکھتی ہیں تم تو پاگل سی بنی رہتی ہو"

"سادگی ہی اچھی ہے کپڑے پہن کر کیا کرو گی۔ کسی کو دکھلانے ہوں تو پہن لیا کرو"

"آپ میں اور تو سب کچھ اچھا ہے بس ایک یہ بہت بری عادت ہے کہ ہر پانچ منٹ کے بعد رُلا دیتے ہیں"

"میں تو ایسے ہی کیا کرتا ہوں تم برا نہ منایا کرو۔ میری عادت کچھ اُلٹ پلٹ ہی ہے میرے قریبی دوست مجھے مسخرا کہا کرتے ہیں"

اُس نے میری ٹھوڑی پکڑ لی "چلئے اب اُدھر چلیں۔ میں آپ کی اتنی باتیں مانتی ہوں کبھی آپ بھی میری مان لیا کریں۔ وہ حرامزادہ جاگ اٹھا تو بیڑہ ہی غرق ہو جائے گا"

ہم اُٹھ کر اُدھر چل دئے۔ سب سوئے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد دیا جلا تو ہم نے سانس روک لئے۔ مجھے اُس نے لحاف کے اندر گھسیڑ دیا اور اپنا منہ باہر ہی رکھا۔ مجھے لحاف کے اندر گرمی لگ رہی تھی۔ سانس رُک سا گیا۔ کتنی بھی سردی ہو میں نے کبھی منہ پر لحاف نہیں اوڑھا۔ تنگ آ کر میں نے اس کی ران پر چٹکی بھر دی۔

"سی"۔ سو جاؤ۔ کیا ہے؟ چھپا کرو۔ چھپا کرو"۔ اُس نے ایسے کہا جیسے واقعی سوتے میں بول رہی ہے۔

میں نے ایک چٹکی اور بھر دی۔ اُس نے آہستہ سے کہا

"ہائے نہ ستایئے۔ پتہ ہے دیا کیوں جلا ہے؟ چاچا جی نے جلایا ہے"

"سب پتہ ہے! اُسی دیئے کی لَو تو یہاں بھی جگمگا رہی ہے۔ پر یہ دیا کیوں جلاتے ہیں اتنی اچھی لائٹ جو ہے"

"مجھے کیا پتہ ہے۔ چُپ بھی کیجئے میاں مٹھو باتیں کتنی کرتے ہیں"

رات بیت گئی تھی وہ اُٹھی اور دبے پاؤں ایک کواڑ بند کر دیا

"بیٹھک کے دروازے سے نکل جایئے چاچاجی ابھی تک جاگ رہے ہیں"

"تم دبے پاؤں بھی چلتی ہو تو سارے شہر کو پتہ چلتا ہے۔ میری طرح چلا کرو"

"میرا بدن مجھے ہلنے کہاں دیتا ہے بیٹھتی ہوں تو چارپائی زمین پر جا لگتی ہے۔ سچ بڑی موٹی ہوں کسی طرح پتلی ہو جاؤں نا پھر ٹھیک ہے"

"یہ محض تمہارا خیال ہے تم کوئی خاص موٹی تو نہیں ہو۔ شادی کے بعد خود ہی نحیف ہو جائے گی"

"دیکھوں؟ ابھی کوئی کسر ہے؟ اس طرح تو شادی شدہ بھی نہ کرتے ہونگے"

"ایک کسر ابھی ہے وہ پوری ہو گئی تو ٹھیک ہو جاؤ گی"

میری خالہ کی ایک لڑکی ہے۔ سچ اُس نے تو اپنے خاوند کا بیڑا ہی غرق کر دیا۔ چُوس کر رکھ دیا ہے۔ بچارے کو۔ ہر وقت اندر گھسی رہتی ہے میں اُسے کہا کرتی ہوں تم تو زری کُٹیا ہو اگر وہ مجھے دیکھ لے تو ــــــــــــــــ لحاف اُوپر کر لیجئے چاچاجی اُٹھے ہیں"

"اُس نے مجھے لحاف میں چُھپا دیا۔ وہ اُٹھ کر باہر نکل گئے تو تھوڑی دیر بعد وہ بھی

اُٹھ بیٹھی۔ آج تو بالکل ہی دن نکل آیا تھا۔ اُس کے چاچا بیٹھک کے راستہ باہر گئے اور دروازہ کھلا ہی تھا۔ پچھلی مرتبہ بھی کھلا رہ گیا تھا۔ کریم سینٹ اور نہ جانے کیا کیا کھڑکی کے تاک میں بکھرے ہوئے تھا جسے اُس کے چاچا نے دیکھ لیا تھا مگر وہ کچھ بولے نہیں تھے۔ یا تو یہ تھا کہ انہیں شک ہی نہ ہوا تھا یا یہ کہ وہ بہت زیادہ تحمل مزاج تھے۔ ولایت نے اُسی دروازے سے اُن کو جھانکا وہ کارخانے کے ساتھ والے باغیچہ میں داخل ہوئے ہی تھے کہ ولائیت نے مجھے اشارہ کیا "میدان خالی ہے نکل جائیے" اور میں ایک ہی جست میں اپنے مکان میں جا داخل ہو گیا۔ اس کے بعد جو میں آیا تو مجھے تین چھٹیاں تھیں "تین چھٹیاں؟" ولائیت پھولی نہ سمائی۔ اُس نے اپنے ہونٹوں کے کونوں کی پھڑپھڑاہٹ چھپاتے ہوئے مجھ پر الزام دھرنا چاہا

"آپ تو پہلے ہی چاہتے ہیں روز چھٹیاں ہوں

"تمہیں میں کئی مرتبہ کہہ چکا ہوں مجھ پر الزام نہ دھرا کرو۔ سب تمہارا قصور ہے میں نے تمہیں کبھی مجبور کیا ہے؟ میں صرف تمہیں دیکھنے کے لئے آتا ہوں میم صاحب"

"جی ہاں۔ اب دیکھوں گی کون مجبور کرتا ہے۔ ابھی پتہ چل جائے گا۔ آئے ہیں بڑے ماڑے"

اُس نے اتنی زور سے چٹکی بھری کہ نشان پڑ گیا ہو گا۔ مجھے پتہ نہیں کیا یاد آ گیا۔ میں خوب ہنسنے لگا۔ ہنسی روکے نہ رُکتی تھی۔ اُس نے میرے منہ پر ہاتھ بھی رکھا پر ہنسی رُکتی ہی نہ تھی۔ اتنے میں طعقہ گھر کی بتی جل گئی۔ میں نے ہنسی کو روکنے کے لئے لحاف میں

منہ چھپا لیا

"کون ہے؟ دیکھئے"

"چپ" ہنسی بڑی مشکل سے رُکی تھی

چھوٹا بھائی رات کے ایک بجے ہی پڑھنے کے لیے اُٹھ بیٹھا تھا۔ دن میں اُسے مَیں روکا کرتا بھئی ہماری نیند کیوں خراب کیا کرتے ہو۔ روشنی میں نیند کہاں آتی ہے تو وہ تنگ آکر کہتا "بھائی صاحب بی۔ ایس۔ سی کا امتحان ہے مذاق نہیں ہے، پہلے سال کبھی کوئی پاس نہیں ہوتا۔ لڑکے فورتھ ایر میں سات سات سال لگاتے ہیں" "جی ہاں ہم بھلا کالجوں میں پڑھتے ہیں۔ یار تم تو اس طرح باتیں کرتے ہو جیسے میں کوئی جنگلی ہوں" بھائی صاحب یہ ایس سی آپ نے نہیں دیکھی ایم۔ اے کرنا آسان ہے یہ ایس سی بلا ہے بلا" اُس کی جرح سے تنگ آ کر میں نے سوچا روز کون سر کھپاتا پھرے۔ وہ رات سویا بھی دیر سے تھا اس لئے تھوڑی دیر پڑھنے کے بعد وہ بیٹھا بیٹھا سو گیا۔ مَیں نے اُٹھ کر درمیان کا دروازہ بھیڑ دیا تھا کہ ہم نظر نہ آسکیں اور لائٹ بھی آف کر دی۔ ہم نے تو سمجھا تھا آج یہاں سے نکلنا ناممکن ہے کیونکہ دروازہ عین سامنے تھا۔ سب کچھ صاف دکھائی دیتا تھا جتنی دیر وہ پڑھتا رہا تھا ہم خاموش لیٹے رہے۔ خوف کی وجہ سے کوئی بات بھی نہ کی۔ آج پتہ نہیں کیسی رات آئی تھی آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔ تھوڑی ہی دیر بعد منجھلے بھائی نے ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ دو چھوٹے بھائی پاس ہی پلنگ پر سوئے تھے ایک کو پیشاب نے بہت زیادہ تنگ کیا تو گھبرایا ہوا اندھیرے میں اِدھر اُدھر

بھاگتا پھرا۔ کافی شور شرابا کرنے کے بعد دروازہ کھولا اور جلدی سے کھٹ کھٹ سیڑھیاں چڑھ گیا۔ "کون ہے؟" دوسرے کمرے سے آپا جی اور والدصاحب کی ہڑبڑی ہوئی آواز آئی۔ انہوں نے سمجھا ہوگا ولائیت آئی ہے یا میں ان کے مکان میں کود گیا ہوں یا کوئی ایسا ہی واقعہ ہو گیا ہے۔ پہلی طرف کے دروازہ کو تالا لگا تھا اور تالی انکے پاس تھی۔ وہ تالا کھول کر اندر آ گئے۔ بتی جلا دی۔ ہم دونوں لحاف میں منجمد ہو گئے مگر پھر بھی صاف پتہ چل رہا تھا کہ دو سوئے ہیں۔ "کہیں لحاف اُٹھا کر نہ دیکھ لیں" ہم نے سانس تک روک لئے۔ دل زور زور سے دھڑک رہے تھے۔ میں نے احتجاج کے طور پر ایک بازو لحاف سے باہر نکال دیا۔ کم از کم اتنا تو ہو کہ ان کے شک میں تزلزل پیدا ہو جائے اور وہ لحاف اُٹھانے سے گریز کریں۔ اتنے میں چھوٹا بھائی واپس آ گیا وہ سو گیا تو والدہ بتی بجھا کر چلی گئیں۔ جل تو جلال تو بیگی مرغی کی آنکھیں لحاف کے اندھیرے میں بھی چمک رہی تھیں "مالوں" میں نے لحاف پرے کھسکا دیا "میری تو جان ہی نکل گئی تھی۔ دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟" "ہونا کیا تھا جب تک میرے خون کا آخری قطرہ بھی باقی ہے کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ ولائیت تو نہیں جو کہہ دے گی" ہائے مجھے کیا پتہ ہے اُس نے روڑے کیوں مارے۔ میں تو ——————"

"میں کل سے نہیں آیا کروں گی"

"منہ اچھا نہ ہو تو باتیں ہی اچھی کر لینا چاہئیں"

"آپ کم شرجدد کرتے ہیں؟ کبھی کوئی ادھر اُدھر کی بات نہیں کی۔ بس آپ کو دو ہی

باتیں آئی ہیں یا ولائیت کا انجر پنجر ہلا دیا یا ایسی باتیں سنائیں کہ ولائیت کا جھکا ہوا سر کبھی اُٹھ ہی نہ سکے"

میں نے اُس کی تھوڑی پکڑ کر جھکا ہوا سر اُونچا کر دیا "ادھر اُدھر کی باتیں بھی سُن لو۔ میں اس الیکشن میں کھڑا ہو رہا ہوں۔ تمہارے چاچا جی تو شاید اس مرتبہ الیکشن نہیں لڑینگے اُن کا جی تو چاہتا ہے پر معلوم ہوتا ہے اُن کو تمہارے بیاہ کے لئے روپے کی ضرورت ہے"

"آپ کھڑے ہونگے تو اُن کا ارادہ نہ بھی ہوا پھر بھی کھڑا کر دونگی"

تم سمجھتی ہو میرا رسُوخ تمہارے چاچا سے کم ہے؟ مجھے یہاں رہتے ہوئے کتنے سال ہو گئے ہیں۔ چھوٹا سا تھا جب میں یہاں آیا تھا۔ مجھے بچے لڑکیاں بوڑھے جوان سب ہی جانتے ہیں۔ یہاں کا تو یہ حال ہے کہ یہاں پنچوں کی کوئی بھی پارٹی بنے سب سے اُوپر میرا نام ہوتا ہے ایک منٹ میں جلسے جلوس کروا دینا تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے"

"بس کیجئے زیادہ شیخی نہ بگھاریئے" وہ ہنس رہی تھی

"اپنے چاچا کی مخالفت سے بڑا ڈرتی ہو" میں بھی مُسکرا دیا عارضی سنجیدگی جاتی رہی "اچھا مجھے اس دفعہ امتحان دے لینے دو پھر تمہیں الیکشن لڑ کر بتاؤں گا۔ یہ چھوٹا سا الیکشن ہے اس میں تو کھڑا ہونا ہی خلافِ شان ہے بڑا الیکشن آنے دو"

"کونسا امتحان دے رہے ہیں آپ؟"

"امتحان کہاں ہے ہاتھی سے مقابلہ ہے۔ مار بھگاؤں پھر بتاؤں گا۔ پر سوچتا ہوں مار کیسے بھگاؤں گا؟ میری کتابوں میں تو ہر جگہ ولائیت لکھا ہوا ہے اسی نام کا ورد کیا کرتا ہوں

بچ رات کے ایک ایک بجے پڑھنے کے لئے اُٹھا کرتا ہوں اور کتاب کھولنے سے پہلے ہی تم آجاتی ہو، پھر تمہارے ہی خیال میں جانے کب بند کتاب ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے"
"اس دودھ میں پانی کتنا ہے؟"
"خالص پانی ہے"
"تو یہ اتنا غصہ" وہ مسکرا رہی تھی۔ اس نے میری آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا "اس طرح آنکھیں نہ دکھایا کیجئے میرا تو خون ہی خشک ہو جاتا ہے" سنو! صبح میں نے اسی گاؤں جانا ہے جو تمہارا سسرال نہ بن سکا۔ چچا جان سے کچھ روپے لانا ہیں۔ تاجور میں سائنڈ بزنس شروع کر رکھا ہے۔ ایکدم روپے کی ضرورت آپڑی ہے۔ شام کو واپس آجاؤں گا اسلئے ضرور سا تا رہاں اگر روپیہ دے دو تو میں جانا ہی نہیں۔ دے دو گی؟"
"ہوں دے دوں گی۔ آپ کے پاس جو ہے وہ بھی دے جائیے سچ آجکل بڑی ضرورت ہے"
"تمہاری ضرورت سے میں خوب واقف ہوں" میں نے اس کا کان مروڑ ڈالا۔ پھر میں نے پہلو بدل دیا "جان ایک دن عجیب قصہ ہوا۔ وہاں رشتہ داروں میں ایک لڑکی کی شادی تھی آپا جی بچوں کو لے کر وہاں چلے گئے۔ میں یہاں آگیا۔ اس دن اگر ایک آدمی موٹر کے آگے کھڑا نہ ہو جاتا تو میں ختم ہو چکا ہوتا۔ موٹر بڑی تیزی سے آرہی تھی کہ اس کا پہیہ نکل گیا۔ وہ آدمی آگے کھڑا ہو گیا اس نے کہیں ضروری جانا ہوگا۔ ڈرائیور نے بریک لگائی پر نہ لگی کوئی ایک فرلانگ چلنے کے بعد موٹر رُکی۔ نیچے اُتر کر دیکھا تو

پہیہ ذرا سا اُڑا ہوا تھا۔ وہ اجنبی ہمارے لئے فرشتہ ثابت ہوا۔ پھر دُوسری موٹر آئی اُس میں سوار ہو کر یہاں پہنچا تو اُترتے ہی تمہارے چاچا جی سے سامنا ہو گیا۔ پتہ نہیں کیسا منحوس دن تھا مصیبت پر مصیبت۔ اُس سے پہلے انہوں نے مجھے کافی دیر سے نہیں دیکھا تھا۔ گھر پہنچا تو سب دروازوں کو تالا لگا تھا۔ آپا جی سے ملاقات نہ ہو سکی تھی اس لئے چابی نہ لا سکا تھا" میں دیوار پھاند کر اندر آ گیا "اب کیا کروں"؟ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا باہر سے دروازہ کھٹکا۔ میں نے سمجھا چھوٹا بھائی بیڈمنٹن کھیل کر آیا ہو گا۔ میں دروازے کی طرف بڑھا کر والد ماجد مجھے دیکھتے ہی کڑک کے بولے "تم کب آئے"؟ "ابھی آیا ہوں" "کیسے آئے ہو؟ حرامزادہ۔ مکان خالی دیکھ کر آ گیا ہے بدمعاش۔ ابھی دفعہ ہو جاؤ" میں گردن لٹکائے سڑک پر آ گیا۔ لاریوں کا وقت ختم ہو چکا تھا اس لئے ناامید سا کھڑا تھا کہ والد صاحب سڑک پر بھی آ گئے "ارے تم ابھی تک گئے نہیں۔ دفعہ ہو جاؤ" میں اسٹیشن پر چلا گیا۔ اُس دن مجھے بے حد افسوس ہوا۔ اُس سے پچھلی مرتبہ بھی میں آیا تھا مگر تم مل نہ سکیں۔ اتنا لمبا وقفہ پڑ گیا تو میں بہت زیادہ اُداس ہو گیا ——— تمہارے لئے بڑا کچھ سننا پڑتا ہے جان۔ تم میری عادت سے اچھی طرح واقف ہو۔ مجھے ذرا کوئی کچھ کہا کرتا تھا تو میں کہیں دُور جا کر نوکری کر لیا کرتا تھا۔ پھر یہ خود ہی مجھے پیار دلاسہ دے کر لے آتے تھے پر اب تو دُنیا ہی اور ہے۔ کوئی بات ہو نہ ہو یونہی چڑھ جاتے ہیں جی چاہتا ہے جواب دوں۔ مگر تمہاری صورت سامنے آتے ہی لب سیلے جاتے ہیں اُن کو جواب دے کر

تمہیں کیسے ملوں گا۔

مجھے بھی تو سب کچھ سُننا پڑتا ہے۔ جب آپ نے روڑے مارے تھے چاچا جی نے مجھے کہا حرامزادی نے میری عزت کا بھی خیال نہ کیا۔ پھر شام کو میاں صاحب آئے اور آتے ہی کہنے لگے "چودھری صاحب اللہ کسی کو حرام کی اولاد نہ دے" میں کھڑکی میں کھڑی تھی۔ میرے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی میں نے سوچا چلو مجھے میرے چاچا نے کہہ دیا انہیں ان کے باپ نے کہہ دیا"

"اسی خوشی میں چراغ جلانے تھے"

"پتہ نہیں آپ کو کیا مرض ہے ہر بات کا اُلٹ مطلب لیتے ہیں"

واقعی میں ہر بات کا اُلٹ مطلب لیتا ہوں۔ وہ لفافہ جو میں نے اُسے تحفہ دیا تھا ولایت کو استعمال کرتے نہ دیکھا تو اُس کا بھی اُلٹ مطلب لے لیا "معلوم ہوتا ہے تحفہ کہیں آگے بڑھ گیا ہے کریم تو یہ کئی مرتبہ استعمال کیا کرتی تھی۔ میرے تحفے میں سے وہ ہی قبول کر لیتی۔ بات بالکل معمولی تھی مگر جب بھی یاد آتی مجھے ضرور کھٹکتی۔ سارا دن نہ سہی میرے سامنے تو ہیک اَپ کے ساتھ آسکتی تھی۔ اُن چیزوں کی کیسی ہُوا ہی نہ نکلی۔ مجھے سمجھ نہ آرہی تھی کہ وہ کون شخص ہے۔ اس بارے میں مَیں نے ہزاروں مرتبہ سوچا ہو گا۔ سوچتے سوچتے دماغ ماؤف ہو جاتا اور نتیجہ صفر ہی رہتا۔ کبھی کبھی قدیر پر نظر رُکتی پر وہ تو شادی شُدہ تھا۔ یوں بھی ان کی باطنی طور پر اُن سے نہ بنتی تھی صرف ظاہر داری تھی۔ ان ان گنت خیالات کے بعد جانے کیسے چکور چاند سے جا ملا اور جب فارغ ہوا تو صُبح

ہو چکی تھی۔ میں گاؤں چلا گیا۔ گرتے گرتے مشکل سے بچا۔ تمام رات آنکھ بھی نہ جھپکی تھی گاڑی کے دروازے میں کھڑا کھڑا اُونگھنے لگا اگر ذرا سا اور جھٹکا آجاتا تو یقیناً گر گیا ہوتا۔ پھر میں پرے جا کر بیٹھ گیا۔ گاؤں پہنچا تو روپیہ موجود نہیں تھا کیونکہ ابھی تک کوئی مرغی نہ آئی تھی وہ کہنے لگے "آج کا دن شہر جاؤ کل مل جائیں گے" میں کل پھر آجاؤں گا ایک گھوڑی کا انتظام کر دیجئے جو مجھے اسٹیشن تک چھوڑ آئے۔" اس مرتبہ میں سائیکل پر آیا تھا جو میرے خط لکھنے پر چچا نے اسٹیشن پر پہنچا دی تھی۔ بارش تو صبح ہی سے ہو رہی تھی پر مجھے روپے کی سخت ضرورت تھی اس لئے میں نے رُکنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ گاڑی رُکنے تک بارش بھی تھم گئی تھی مگر کیچڑ میں بہت زیادہ چکناہٹ تھی۔ میں ہر قدم پر پھسل جاتا۔ سائیکل کیچڑ سے بھر کر مَن بھاری ہو گئی تھی۔ نہ خود چلتی نہ مجھے چلنے دیتی۔ عجیب منظر تھا، نہ کسی ناول میں پڑھا نہ کسی فلم میں دیکھا۔ میں پریشان اِدھر اُدھر دیکھنے لگا کہ کوئی مسافر نظر آجائے۔ کسی کا دماغ تھوڑا پھرا تھا جو ایسے موسم میں باہر نکلتا۔ پاس کوئی چھپر ابھی نہ تھا جہاں سائیکل رکھا جاتا۔ چڑھنے کی بجائے اُٹھانا پڑ رہا تھا۔ اسٹیشن سے کچھ فاصلے تک تو میں سائیکل پر ہی آیا تھا۔ مجھے ذرا بھی تکلیف نہ ہوئی تھی۔ اسکے آگے کافی کیچڑ آگیا تھا سائیکل سے اُترنا پڑتا تو ٹخنوں سے بھی اُوپر تک کیچڑ کا لیپ ہو جاتا۔ عجیب مصیبت تھی۔ مجھے پتہ ہوتا تو میں سائیکل لاتا ہی نہ۔ بڑی مشکل سے منزل تک پہنچا اور کانوں کو ہاتھ لگایا کہ آئندہ اس راستے پر کبھی سائیکل نہ لاؤں گا۔

شام کو میں واپس آگیا۔ جو راستہ میں نے گھنٹوں میں طے کیا تھا گھوڑی نے چند منٹوں

میں پہنچا دیا۔ کافی دیر انتظار کرتا رہا وہ نہ آئی۔ مجھے سخت غصہ آرہا تھا۔ میں نے صرف اس کے لئے اتنی تکلیف اٹھائی تھی وہ مجھے منع ہی کرتے رہے تھے کہ کل چلے جانا پر میں ایک ضروری کام کا بہانہ بنا کر بھاگ آیا۔ میرا جی چاہتا تھا اس کا بھیجا نکال دوں۔ میں نے کہا بھی تھا کل ضرور آنا "اچھا" جھوٹی کہیں کی۔ آئے اچھی طرح خبر لوں گا۔ اس طرح کڑھتا صبح میں پھر گاؤں چلا گیا۔ ابکی گھوڑی موجود تھی اس لئے مجھے کوئی تکلیف نہ ہوئی مگر روپیہ پھر بھی نہ ملا۔ میں واپس آ گیا۔ انکی بیٹھک کی بتی جل رہی تھی۔ میں نے چق اٹھائی وہ بیٹھی دوپٹہ کاڑھ رہی تھی پاس ہی اس کا چھوٹا بھائی گھوڑی بنے چارپائی پر سو رہا تھا۔ میں نے اسے باہر آنے کے لئے کہا تو اس نے مسکراتے ہوئے اپنے بھائی کی طرف اشارہ کر دیا۔ دیکھئے کیا بنا ہوا ہے بالکل آپ کا ساتھی ہے" میں نے مسکراتے ہوئے پھر اشارہ کیا تو اس نے دو انگلیں کھڑی کر دیں "دو منٹ ٹھہر جاؤ" میں واپس آ گیا دس منٹ گذر گئے وہ نہ آئی۔ میں پھر وہیں پہنچا۔ اب بھی وہی دو انگلیاں تھیں۔ اس نے اسی طرح مجھے تین چار چکر لگوائے۔ مجھے بڑا غصہ آیا۔ میں اندر گھس گیا۔ بتی بجھا دی اور بازو سے گھسیٹ کر باہر کھینچ لایا

"پندرہ گھنٹے سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں"

"مہمان آئے ہوئے ہیں صبح ان کو جانا ہے! اور یہ دوپٹہ ساتھ لے جانا ہے۔ پتہ ہے کون ہیں؟ وہی جوتیاں والے جن کے گاؤں میں آپ الیکشن کے دنوں میں

گئے تھے

"میرے پاس بیٹھ کر لیتیں جو کچھ کرنا تھا۔ پھینکو اب اس کو پرے"

"دو منٹ ٹھہر جایئے ابھی ختم ہو جائے گا"

میں نے دوپٹہ اُٹھا کر پرے پھینک دیا اور اس کی ناک مروڑ دی۔ دیر ہو گئی مرمت کئے ہوئے۔ ابکی ایسی مرمت کروں گا کہ یاد کرو گی۔ کل کیوں نہ آئی تھیں؟ پتہ بھی ہے کتنی مصیبت سے یہاں پہنچا تھا۔ وہ دیکھو پتلون، بوٹ، جرابیں اتنا کیچڑ تھا وہاں۔ دھو ڈاب ان کو"

"دھولاؤں؟" وہ اُٹھنے لگی تو میں نے پھر ناک مروڑ دی

ستالو جتنا ستانا ہے۔ سب کچھ لکھتا جا رہا ہوں۔ تمہاری شادی پر تمہیں یہی تحفہ دوں گا۔ جب میں یاد نہ رہوں تو اسے پڑھ لیا کرنا۔ وعدہ کرو کبھی کبھی اسے ضرور پڑھ لیا کرو گی"

"میرے ساتھ نہ اس کا ذکر کیا کریں۔ سچ اُس دن آپ نے بتایا تو سُن کر پیچش ہی لگ گئی۔ پوری لکھی گئی ہے؟"

"ہاں" میرا مسکرانے کو بے حد جی چاہ رہا تھا

"کہاں ہے؟"

"وہیں چھوڑ آیا ہوں"

"ذرا مجھے دکھلایئے میں پڑھوں گی"

"اب چھپنے کے بعد ہی پڑھنا۔ اُس دن تمہیں دکھائی تو تھی تم ضد کرنے لگیں کہ
میں گھر جا کر پڑھوں گی۔ تمہارے یہ تمریا چلتر خوب سمجھتا ہوں۔ تم جس طرح کرتی
رہی ہو ہُوبہُو وہی نقشہ ہے۔ میں نے سب کچھ لکھ دیا ہے۔ تمہارے خطوط تک
نقل کر دیے گئے ہیں"
"ہائے اللہ یہ سُن کر میرے دل کو کچھ کچھ ہونے لگتا ہے نا چھاپئے گا"
"کیوں؟ وہ ضرور چھپے گی"
"اچھا چھاپ لیجئے پر میرا نام نہ لکھئے گا" اُس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد یہی
فیصلہ کیا
"تمہارا نام تو ہر صفحے پر ہے" وہ چپ سی ہو گئی تو میں نے موضوع بدل دیا
"جان آج بڑا مزا آیا میں گھوڑی پر آ رہا تھا۔ کھادیاں گاؤں کی پگڈنڈی
پر ایک لڑکی ملی۔ بالکل تمہارے جیسے گال تھے اُسکے۔ میں نے گھوڑی روک لی
"یہ راستہ ہمارے گھر چلا جائے گا؟" میں نے فلم ایکٹروں کی طرح پوچھا وہ مُسکرا
دی اور لمبا سا گھونگھٹ نکال لیا۔ میں آگے بڑھ آیا۔ بڑی خوبصورت تھی اُس
کا سُرخ دوپٹہ اور گورے گورے رُخسار جب بھی یاد آتے ہیں منہ میں پانی بھر
آتا ہے واللہ کیا شے تھی ہائے میرا خیال ہے چودھری جلال خاں کچھ
لگتی ہوگی"
"اُن کی تو کوئی لڑکی نہیں ہے"۔ اُس نے حیرانی ظاہر کی اور پھر مُسکراتے ہوئے

کہنے لگی ”اُنہوں نے بھی میرے لئے بڑا کہا تھا پر چاچا جی نہیں مانے“

”تمہارے چاچا جی کو کوئی آسمانی پرندہ چاہیئے انسان تو اسی طرح کے ہوتے ہیں“

اُسے پھر میری بات یاد آگئی ”آپ بات گول کر رہے ہیں۔ آپ نے اُس کو چھیڑا کیوں تھا؟“

”دیکھو مجھے اِس طرح مت گھورو۔ مَیں خود ہی صاف صاف بتا دیتا ہُوں سچی بات تو یہ ہے اُسے دیکھتے ہی میرے منہ میں پانی بھر آیا مَیں نے گھوڑی روک لی۔ تم خواہ مخواہ رُعب جماتی ہو۔ چار بیویوں کی تو شریعت نے بھی اجازت دے رکھی ہے!“

”اچھا بابا! اچھا آنکھیں نہ دکھایئے جو مرضی کیجئے۔ چلیئے اب اُدھر چلیں“

”تم جاؤ“ میں نے بیٹھک کا دروازہ کھول دیا۔ وہ دروازہ بند کر کے مجھ سے لپٹ گئی

”تمہیں شعر سُناؤں؟ کل رات لکھے تھے۔ تم نہ آئیں تو میں تمہارے ہجر میں تمام رات شعر لکھتا رہا“

”سُنایئے“

”پھر کبھی سُناؤں گا۔ وہ کاغذ اس الماری میں کوٹ کی جیب میں پڑا ہے“

”جایئے ذرا دیکھ آیئے کوئی جاگ نہ رہا ہو“

مَیں اُن کے برآمدے میں چلا گیا اور کان کھڑکی سے لگا دیئے کوئی بھی نہیں جاگ رہا تھا۔

ہم اطمینان سے لیٹ گئے

"آلتو فالتو چیزیں مجھے نہیں اچھی لگتیں"

"سردی ہے"

"چلو اندر چلتے ہیں لحاف اوڑھ لیں گے"

"نہیں یہاں ہی ٹھیک ہے اتنی دُور تو آواز بھی نہیں پہنچتی۔ یہاں کچھ نہ کچھ تو پتہ چلتا ہی ہے نا" ہم دیر تک باتیں کرتے رہے ہیں نے ورا دبایا تو اس کی ہائے نکل گئی۔ میں نے شرارت سے اور زیادہ دبا دیا۔ "ہائے اللہ" کیا ہوا؟ "ہائے"

"کبھی اس قدر فربہ اندام میں ہوتا تو......."

"ہائے۔ چھوڑ یئے بھی"

"چوں کرو یا چاں کرو آج تو سارا قرض چکانا ہی پڑے گا۔ مستعار لیا تھا قرض منقطع المیعاد ہو چکا ہے۔ آج دوگنا سُود بھی دینا ہو گا" وہ چِلّاتی ہی رہی اور میں نے سارا قرض وصول کر لیا

"جان اُن دنوں کیا ہوا تھا؟ اسی طرح ملتی رہا کرو۔ اب کتنی اچھی لگتی ہو" اُنکی حدت کم ہنوز رہی تھی۔

"میں جب بھی ملوں گی اسی طرح ملوں گی"

"بالکل میم لگتی ہو۔ سچ جھوٹ نہیں کہتا۔ صرف فراق پہنا کرو۔ دیکھو کتنا خوبصورت لگ رہا ہے" ہم دونوں قدآدم آئینہ کے سامنے کھڑے ہو گئے

"ہوں میم لگتی ہوں۔ ایسی چکنی چپڑی سُنا کر مجھے پاگل بنا رکھا ہے۔ سچ کہتی ہوں اگر آپ کی باتیں سننے کے بعد مجھے کوئی دیکھ پائے تو وہ آپ کو ضرور پاگل سمجھے"

"تم میری بیوی ہوتیں تو میری زندگی سورگ بن جاتی"

"ہوں۔ پھر آپ نے ہی پنجا کرنا تھا ہمارے لئے یہ بھینس ہی رہ گئی تھی"

میں نے اُسے گلے سے لگا لیا "ولائیت کاش تم میرے دل کی کیفیت کا اندازہ لگا سکتیں"

"وہ کل والے شعر تو سنائیے"

ہم میم صاحب نے اُسی حالت میں آئینے کے سامنے شعر و شاعری کرتے رہے۔ وہ سُن سُن ہنستی رہی کبھی کبھی خوشی میں آکر خود بھی میرے ساتھ پڑھنے لگتی۔ اسی شعر و شاعری کے دوران میں کرچ کرچ سنائی دی پاؤں کا معلوم ہوتا تھا۔

"کون گذرا ہے؟"

"چودھری جگ پال ہوں گے وہی رات کے وقت کارخانہ میں ملازموں کو چیک کیا کرتے ہیں"

تھوڑی دیر کے بعد پھر کرچ کرچ سنائی دی۔ ہم چوکس ہو گئے اور کان اُدھر لگا دئے۔ وہی پاؤں پھر واپس آئے

"یہ ضرور چاچاجی ہیں دروازہ کھول کر دیکھئے"

میں نے دروازے کی بجائے کھڑکی کھول کر دیکھا۔ اُن کی بیٹھک کی بتی جل رہی تھی

"تمہاری بیٹھک کی بتی جل رہی ہے"

ہائے اللہ اب کیا ہوگا؟ میں نا کہتی تھی مجھے جانے دیجئے" وہ چل پڑی
میں چپکے سے "صنم بکم" دیکھتا رہا۔ وہ صحن کا دروازہ کھول کر جانے لگی تو میں نے اسے روک دیا
"ٹھہرو میں دیکھوں" وہ گلی کے سرے پر نلکے کے پاس کھڑے تھے جب واپس آئے میں
نے لائیٹ آؤٹ کر دی۔ چند لمحوں کے بعد گلی خالی تھی۔ ولائیت باہر چلی گئی دروازے کو
آہستہ سے دھکیلا دروازہ بند تھا۔ وہ بے حد گھبرا گئی۔ میں خود بھی کافی حیران تھا۔ اُنکی
بیٹھک کی بتی بجھ چکی تھی وہ چلائی "اب میرا کیا ہوگا؟ ہائے اب میں کیا کروں گی" "چپ
پاگلوں کی طرح گلی میں شور مت کرو" میں اُس کا بازو پکڑ کر اندر لے آیا
"اُدھر صحن کی طرف کوئی دروازہ کھلا ہے؟"
"کوئی بھی نہیں کھلا۔ ہائے اب میں کیا کروں گی۔ آپ نے تو مجھے پوچھا بھی نہیں"
"ولائیت میں اُن میں سے نہیں ہوں۔ آؤ میرے ساتھ"
ہم کوٹھے پر چڑھ گئے۔ پھر اُن کے چھوٹے کوٹھے پر کود گئے۔ پرلی طرف نیچے ایک دیوار تھی
اور اُس کے نیچے نکڑ پر ایک تنور تھا۔ پہلے اُسے دیوار پر اُتارا پھر اُس نے لٹک کر تنور پر
چھلانگ لگا دی۔ وہ غسل خانہ میں گئی نلکے کو ہلا کر کھڑکھڑاہٹ کی آواز پیدا کی پھر زور سے
دروازہ بند کیا لوٹے کو زمین پر پٹخا اور برآمدے میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے ہاتھ
سے اشارہ کیا "کوئی دروازہ نہیں کھلا" اور دوبارہ برآمدے میں داخل ہو گئی۔ میں
دیر تک انتظار کرتا رہا "دروازہ نہیں کھلا تھا تو واپس کیوں نہ آئی" میں نیچے اُتر کر
اُنکے گلی والے برآمدے میں پہنچ گیا۔ بڑے کمرے کی بتی جل رہی تھی اور وہ وہی دوپٹہ کاڑھ

رہی تھی ساتھ ساتھ اپنی ماں سے باتیں بھی کر رہی تھی۔ اُس کی ماں کے جوابات میں نیند کا بوجھ تھا۔ صبح بالکل قریب تھی۔ میں نے برآمدے میں پڑے کاغذ سے کھڑکھڑاہٹ پیدا کی تاکہ وہ متنبے ہو جائے کہ میں نے اسے اندر بیٹھے دیکھ لیا ہے۔ میں واپس آ کر دیر تک سوچتا رہا کہ اس نے کیوں کہا "آپ نے تو مجھے پوچھا بھی نہیں"! اس کا مطلب یہ ہُوا کہ وہ ابھی تک میری محبت کو ایک ڈھونگ ہی سمجھ رہی ہے۔ اُس کے اپنے دل میں ضرور کچھ ہوگا جب مجھے ایسا سمجھ رہی ہے۔ پتہ نہیں میرا تمام ایثار و خلوص بھی اُسے کیوں اپنا نہیں سکا۔ اُس نے مجھے غلط اشارہ کیوں کیا کہ کوئی دروازہ نہیں کھُلا۔ شاید وہ مجھے آزمانا چاہتی تھی۔ اُس کی آزمائش ابھی باقی تھی؟ اسی طرح سوچتے رات گذر گئی۔ صبح بھی میں اسی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ رات پتہ نہیں حالات کیسے رہے یہ جاننے کے لئے میں سارا دن اُس کا انتظار کرتا رہا۔ مجھے امید تھی وہ ضرور بتلانے آئے گی چاہے چند لمحوں کے لئے ہی کیوں نہ آئے مگر وہ نہ آئی۔ اُس سے اگلا دن بھی اسی طرح گذر گیا۔ مجھے بڑا غصہ آیا کم از کم حالات سے تو آگاہ کر دیتی کیا ہُوا؟ پتہ چل گیا ہے یا ابھی تک معاملہ ٹھیک ہے؟ مجھے کچھ تو بتاتی۔ تیسرے دن جا کر کہیں نظر آئی۔ چق کے پیچھے برآمدے میں کھڑی اپنے چھوٹے بھائی کو آوازیں دے رہی تھی۔ میں اس کی آواز سُن کر فوراً باہر نکلا اس نے مجھے سُوجھی سُوجھی سُرخی مائل آنکھوں سے دیکھا اور اُسی لمحہ لبسورتی صورت لئے اندر داخل ہو گئی۔ عجیب لڑکی ہے نہ کچھ کہا نہ سُنا اور اندر بھاگ گئی۔ کچھ تو بتاتی۔ وہ لفظ ہی کہہ جاتی۔ اتنا سا کہنے کے لئے مہینے تو نہ چاہئیں تھے۔ معاملہ گول معلوم ہوتا تھا۔ اُس کے کپڑے وہی تھے جو اُس رات پہن

رکھے تھے اور میلے چیکٹ ہو چکے تھے۔ آنکھیں بھی سرخ اور سوجی ہوئی تھیں۔ معلوم ہوتا تھا کافی روئی ہوئی ہے۔ یہ عنوان صاف بتا رہے تھے کہ معاملہ چوپٹ ہو چکا ہے کپڑے میلے ہوں نہ ہوں جن دنوں میں بہلن ہوتا وہ ضرور جوڑا بدل لیا کرتی تھی۔ پھر وہ روئی صورت؟ اور سرخ آنکھیں ضرور گڑبڑ ہے۔ چھٹیاں ختم ہو چکی تھیں۔ اپنی تفکرات میں غوطہ زن میں واپس چلا آیا ◦

# ۳

ہفتے کے بعد چھٹی کا دن آیا مگر وہ نہ گیا۔ اگلا ہفتہ بھی گزر گیا۔ جی تو ہر چھٹی پر للچا اُٹھتا تھا پتہ نہیں کس طرح اپنے آپ کو روک لیتا رہا۔ ایک مہینہ گزر گیا۔ ضبط کی طنابیں ٹوٹ گئیں اپنے آپ کو کافی روکنے کے باوجود نہ رُک سکا۔ مجھے اس پر بے حد غصہ تھا کہ اُس نے مجھے اطلاع کیوں نہ دی۔ چھوٹا سا رقعہ ہی بھیج دیتی۔ ایسے نازک حالات میں بھی آگاہ نہ کرنا کتنی بڑی حماقت ہے۔ اس روش سے میں اُسے بتانا چاہتا تھا کہ جاؤ بھاڑ میں تم

میری پرواہ نہیں کرتیں تو میں بھی تمہیں کچھ نہیں سمجھتا مگر ہارا پھر بھی میں ہی۔ کب تک ضبط سے کام لیتا۔ اُسے دیکھنے کے لئے اُمنگیں مچل رہی تھیں دل تڑپ جاتا۔ بگڑے ہوئے حالات کا الگ فکر تھا۔ ابکی بھی مجھے دو چھٹیاں تھیں۔ میں شام کو پہنچا اور تمام رات کھمبے سے "ٹن۔ ٹن" کی آواز پیدا کرتا رہا۔ اندر داخل ہوتا تو اپنا دروازہ زور سے بھیڑتا تاکہ کھٹکا سُن کر وہ آجائے مگر کوئی جواب نہ ملا۔ پریشانی پہلے سے بھی بڑھ گئی۔ جُوں تُوں کرکے رات کٹی دُوسرے دن بھی کان اُسی طرف تھے مگر اُس کی آواز تک نہ سُنائی دی ان کے پیچھے گلی میں گھوم رہے تھے اگر وہ کہیں گئی ہوتی تو یہ لوگ بھی ساتھ ہی جاتے کہیں آنا جانا اُس کی عادت نہیں تھی۔ شام کو میں نے اُن کے صحن میں بھی جھانکا وہ کہیں نظر نہ آئی۔ روڑوں والے واقعہ کے بعد آج میں پہلی مرتبہ یہ حرکت کی تھی۔ وہاں بھی ناکامی ہُوئی تو اُلجھن کی انتہا ہوگئی۔ رات پہلو بدلتے کٹ گئی۔ چھٹیاں گذر چکی تھیں۔ مجھے ڈیوٹی پر پہنچنا تھا۔ میں صبح ہی تیار ہوگیا۔ پہلی لاری آنے میں بھی کافی وقت تھا، اور ٹرین تو اس کے بھی بعد جاتی تھی۔ تھانیدار کا لڑکا میرا دوست تھا کارخانہ کے بالکل سامنے اُن کا مکان تھا۔ اکیلے کا دل نہ لگ رہا تھا میں اُسے بُلا لایا "میں جا رہا تھا سوچا ملتا جاؤں اور تُم ابھی تک سوئے مرے ہو۔ شادی شدہ ہونا اس لئے۔ تمہاری صبح تو شاید ابھی چھ گھنٹے تک نہ ہوتی اگر میں نہ دارد ہوتا۔" وہ مُسکراتا بستر کی چادر لپیٹ کر میرے ساتھ ہو لیا۔ دو منٹ میں ہم سڑک پر پہنچ گئے۔ ہم باتیں کر رہے تھے کہ میاں جبرائیل صاحب نظر آگئے۔ یہ اللہ میاں کے جبرائیل نہیں تھے ان کا نام بڑا اچھا تھا مگر جب

انہوں نے جس موقعہ پر کہنے کی جدوجہد کی تھی تو ولایت نے ان کا نام جبرائیل رکھ دیا تھا۔ پہلے پہل تو میں نے اس نام سے گریز کیا تھا پھر آہستہ آہستہ خود بھی رواں ہو گیا جیسے مجھے دیکھتے ہی اُن کے لبوں پر مسکراہٹ کا جال بچھ گیا۔ وہ سائیکل سے اُتر کر میری طرف بڑھے

میں نے جلدی سے سلام کیا

"میاں صاحب السلام علیکم"

"جیتے رہو۔ وعلیکم السلام۔ برخوردار ذرا بات تو سنو۔ کہاں گئے تھے؟"

"جی میں پرسوں سے یہاں ہوں"

"اچھا! ہمیں تو پتہ ہی نہیں چلا"

اُنہوں نے اُسی مسکراہٹ کے بعد میں اپنے دوست سے معذرت چاہنے کے بعد اُن کے ساتھ ہو لیا۔ میرا اٹیچی کیس میرے دوست ہی کے پاس پڑا رہا۔ ہم باتیں کرتے پوسٹ آفس تک پہنچ گئے

"کاکا بات یہ ہے لڑکی گھر سے غائب ہے"

میرا رنگ اُڑ گیا میں سوچنے لگا "وہ بھاگ گئی ہے؟ کس کے ساتھ بھاگ گئی ہے؟" انہوں نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا

"لڑکی کی بات تمہارے ساتھ ہی تھی۔ تمہارے اس سے کچھ ایسے ویسے تعلقات سی تھے؟"

"جی" میں نے جھبلا ضرور بھا کیونکہ اس وقت میرا دشمن ہی میرا محسن تھا

"وہ آٹھ دس دن سے غائب ہے۔ گاؤں مو سلے سے بُوا دایہ اُن کے گھر روز آتی ہے اور اس کا کھانا لے کر جاتی ہے۔ چودھری بھی دن میں ایک دو مرتبہ تاجور ضرور جاتا ہے اور بڑا اداس سا رہتا ہے چلتا ہے تو گردن جھکائے ہوئے۔ ملنے والوں میں بھی اُٹھتا بیٹھتا نہیں۔ اب پتہ نہیں وہ ہسپتال میں ہے یا کہیں اور یہ تاجور میں ہی مجھے تو دفتر جانا ہوتا ہے ورنہ میں خود ہی پتہ لگا لیتا۔ تم پتہ چلا سکتے ہو۔ بوا دایہ سے مل لو"

"میں تو اُسے جانتا نہیں آپ ایک مرتبہ اُس کا گھر دکھا دیں تو پھر کوئی صورت نکل سکتی ہے"

"میں تمہارے ساتھ چلا چلوں گا مگر اُس کے گھر نہیں جاؤں گا۔ ہمیں تو وہ اچھی طرح جانتی ہے نا"

"بہتر آپ صرف مجھے گھر دکھا دیں۔ آج تو میں جا رہا ہوں کل کا دن وہیں رہوں گا شام کو چھٹی لے کر آ جاؤں گا"

"بہت دن ہو جائیں گے"

"اب گھر جانا بھی تو مناسب نہیں۔ کہیں گھر والے شک ہی نہ کرنے بیٹھیں کہ کیوں واپس آ گیا پھر چھٹی لینا بھی ضروری ہے"

میں سلام کہہ کر چلا آیا۔ میرا دوست اکیلا کھڑا میرا انتظار کر رہا تھا۔ یوں تو پریشانی کی آخری حدیں بھی پار کر چکا تھا مگر اُس کے سامنے مُسکرانا ہی پڑا "معاف کرنا" پتہ نہیں دس نے معاف کیا یا نہیں۔ میرے ذہن سے عجیب و غریب بخارات اٹھ رہے تھے

میں تو اُلجھن میں گھر رہا۔ لاری آئی تو اُن بخارات کو لے سوار ہو گیا۔ مجھے کیا پتہ تھا
اس طرح ہوگا میری بدقسمتی ہی گراں ثابت ہوئی اگر میں پہلے آگیا ہوتا تو معاملہ
یہاں تک نہ پہنچا۔ وہ بھی کتنی بیوقوف ہے میرا انتظار بھی نہ کیا۔ آخر اتنی جلدی بتا
دینے کی کیا ضرورت تھی۔ مجھ سے مشورہ تو کیا ہوتا۔ بڑی بیوقوف ہے کیا کروں اس کا
انسان کسی جانور کو سمجھاتا تو وہ بھی اپنی عادات چھوڑ دیتا ہر بات میں اپنی رائے کو مقدم
جاننا اپنے آپ کو عقلمند سمجھنا کتنی بڑی حماقت ہے۔ مگر اس وقت مجھے اسکی بیوقوفی
سے زیادہ اپنے آپ پر غصہ آرہا تھا میں کیوں نہ آیا؟ پریشانی بڑھتی رہی اور دن لمبا
ہوتا جا رہا تھا۔ رات اس سے بھی طویل تھی۔ اس ایک دن اور رات میں مجھ پر کتنی ہی
قیامتیں گزر گئیں پھر کہیں جا کر وقت کٹا۔ میں نے چھٹی مانگی تو والد صاحب نے انکار
کر دیا میں بغیر اجازت ہی چلا آیا "مجھے ضروری کام ہے میں نہیں رک سکتا" اور یہ بھی
اگر والد سے کہہ دیا کہ اگر مجھے زیادہ مجبور کیا گیا تو میں ملازمت چھوڑ دوں گا۔ میں واپس
آیا تو گھر گیا سب سے پہلے میاں صاحب کی طرف چل دیا تھا ان کے گھر اور ہمارے گھر کے درمیان
جو فاصلہ تھا وہ صرف دو فرلانگ کا ہی تھا یا ایک چھوٹا سا میدان تھا۔ گلی میں تھانیدار
کا لڑکا بھی مل گیا تھا۔ اس سے پہلے میں اپنے محلے میں داخل ہوا تھا "چلو تمہیں تمہارے
گھر تک چھوڑ آؤں" ہم چند قدم آگے بڑھے ہی تھے کہ میاں صاحب اپنے مکان کے
پاس نظر آگئے "السلام علیکم" وہ مسکرا دیے۔ میرے دوست نے آہستہ سے
میرے کان میں کہا "تم کان نہ بس کرو" اور مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ہم دونوں

کانفرنس کرنے لگے

"اٹیچی کیس میرے ہاتھ میں دیکھ کر پوچھا" ابھی آئے ہو؟"

"جی"

"لڑکی آگئی ہے"

"کب آئی تھی؟"

"کل ہی آگئی تھی"

"اچھا"

اس سے آگے میں کچھ نہ بول سکا۔ ہونٹ بھینچ گئے۔ میں بغیر سلام کئے ہی سر جھکائے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا گھر کی طرف آگیا۔ مجھے یہ سن کر سخت کوفت ہوئی۔ میں اس طرح نہیں چاہتا تھا میں کوئی اور ہی قدم اُٹھاتا۔ مگر اب کیا فائدہ تیر نکل چکا تھا "اب بڈھے سے ملنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں" مگر جب ۔ تین دن تک ولایت کی ذرا بھی آواز سنائی نہ دی تو میں بڑا سٹپٹایا۔ ترکیب سوچنے لگا کم از کم حالات کا ہی پتہ چلے گا۔ بہت سوچنے کے بعد خیال آیا کہ ماسٹر ناصر خاں سے میرے اچھے تعلقات ہیں اُس سے ملنا چاہیئے۔ وہ اُسی گاؤں میں رہتا ہے۔ گاؤں کوئی پون میل کے فاصلے پر ہوگا ابھی شاید مکتب میں چھٹی بھی نہ ہوئی تھی۔ میں سکول چلا گیا۔ ماسٹر صاحب موجود تھے خندہ پیشانی سے ملے۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں چھٹی ہوئی تو میں بھی اُن کے ساتھ چل دیا اور بات کا رُخ پلٹ دیا

"ایک بڑا اہم مسئلہ ہے اگر آپ میری مدد کریں تو سُلجھ سکتا ہے"

"کیا"

"پہلے یقین دلائیے کہ کسی تیسرے آدمی کو پتہ نہ چلے گا"

"یقین رکھئے میں اتنا بیوقوف نہیں ہُوں"

"نُواد یہ آپ کی واقف ہے؟"

"بڑی اچھی طرح"

"آپ کے گھر تک آجائے گی؟ آپ اکیلے ہی رہتے ہیں نا؟ وہیں ملاقات ہو جائیگی"

"کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوگی؟" اُس نے دوستانہ لہجے میں پوچھا

"ہو ہی جاتی ہے نا بس ڈیمیر "

"کون ہے وہ؟"

"اپنے ہمسائے"

"اس طرف والے"

"ہاں"

"اس کا تو مجھے پہلے ہی پتہ تھا۔ مجھے اُس دن ہی شک ہو گیا تھا جب آپ مجھ سے بحث کر رہے تھے کہ "یہ ضروری نہیں ہے اس قسم میں بھی بعض عورتیں نہایت شریف ہوتی ہیں" موٹی اور چھوٹے قد کی عورت میں جنسی خواہش بہت زیادہ کارفرما ہوتی ہے اُس کی ساری محبت جنسی محبت تک محدود ہوتی ہے۔ میں نے جنسیات کا مطالعہ کرنے

کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے" میں اس پر لیفنہ تھا اور آپ بار بار یہی کہتے تھے " یہ ضروری نہیں۔ میں نے بھی مشاہدہ کیا ہے۔ مجھے تو یہ بات نظر نہیں آئی" پھر جب میں گاؤں سے آرہا تھا، یہاں سے گذرنے لگا تو آپ گلی میں کھڑے تھے اندر وہ دریچے کے پیچھے کھڑی تھی۔ میں نے کہا "دیکھا وہ کیا حال ہے" وہ اندر بھاگ گئی۔ آپ نے میری تنقیدی نظر کو سمجھتے ہوئے فوراً جواب دیا تھا "موتی جھڑ گئے ہیں ٹنڈ منڈ کھڑا رہ گیا ہوں"

"اُس دن اگر آپ صرف ایک لمحہ دیر سے آتے تو میں ان کی بیٹھک میں داخل ہو چکا ہوتا"

"آپ اُسے چھوڑ دیں"

میں زہرخند ہنسی ہنسا

"آپ نے بہت دیر کے بعد اپنے قیمتی مشورے سے مستفید فرمایا۔ حضور یہ کوشش تو میں نے اُس وقت کی تھی جب اس بارے میں ہم دونوں کے سوا اور کوئی نہ جانتا تھا"

"وہ لڑکی اچھی نہیں ہے"

"اس سے زیادہ شریف اس علاقے میں اور کوئی لڑکی نہیں۔ میں نے اُسے بہت قریب سے دیکھا ہے"

"آپ اُسے پرکھ نہیں سکے۔ وہ بدکردار ہے"

"وہ کبھی بدکردار نہیں ہو سکتی" مجھے سخت غصہ آیا اگر مجھے اس سے اس وقت کام نہ ہوتا تو شاید میں بہت بُری طرح پیش آتا

"ثبوت دے دوں؟"

"ضرور۔ مگر ٹھوس ہو"

"ایک وعدہ کیجئے کہ اس کے بعد آپ اُسے چھوڑ دیں گے۔ ایک شریف آدمی کی عزت کا سوال ہے ورنہ بات آپ کو بھی کبھی نہ بتاتا کیونکہ یہ بھی ایک دوست کا بھید ہے اور اُس نے بھی آپ کی طرح مجھ سے قسم لی تھی"

وعدے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مجھے خود بخود اُس سے نفرت ہو جائے گی"

"آپ اُس سے شادی کرنا چاہتے تھے؟"

"ہو جاتی اگر معاملہ ہسپتال تک نہ پہنچا ہوتا"

"اب؟"

"اب نہیں۔ ہاں اگر ابھی تک معاملہ ٹھیک ہوا تو پھر ضرور کروں گا"

"آپ مرے بھی تو کس پر جس کی نہ صورت ہے نہ سیرت۔ میں نے اُسے کئی مرتبہ اُوپر چھت پر کھڑی اشارے کرتے دیکھا ہے"

"بس۔ اتنی سی بات تھی افسانہ بنا دیا۔ اسی لئے تو میں کہتا تھا آپ بتائیں ہو سکتا ہے آپ کی غلط فہمی کو دُور کر سکوں۔ وہ اس لئے کھڑی ہوتی تھی کہ نیچے صحن میں میں بیٹھا ہوتا تھا سمجھے قبلہ؟"

"وہ نیچے آپ کے صحن میں نہیں کسی اور طرف دیکھا کرتی تھی"

"کوئی بین ثبوت پیش کیجئے اس طرح میں ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں"

"اگر اس کا رقعہ دکھا دوں؟ تحریر تو آپ پہچانتے ہی ہوں گے؟"

بڑی اچھی طرح بلکہ اگر آپ زبانی چند فقرے سُنا دیں تو میں آپ کو بتا دُوں گا کہ یہ اس کے الفاظ ہیں یا کسی اور کے۔

"وہ آدمی کون تھا؟"

"یہ نہ پُوچھیئے"

"میں نے کسی کو بتانا تھوڑا ہے"

"ایک سپاہی تھا" اُس نے کافی پس و پیش کے بعد بتا دیا۔ میں ہنس پڑا

"اس انکشاف کو تو کوئی بیوقوف بھی تسلیم نہ کرے گا۔ ایک ایسے چودھری کی لڑکی جو سارے شہر کا معزز ترین شخص ہو ایک سپاہی سے عشق لڑائے ناممکنات میں سے ہے پھر سپاہی یقیناً کافی عمر کا ہوگا کیونکہ ابھی تک کوئی چھوکرا سپاہی تو میں نے یہاں دیکھا نہیں۔ وہ ابھی کل کی چھوکری ہے اتنی جرأت کیسے کر سکتی ہے یہ تو چھٹی ہوئی عورتوں کے کام ہیں۔ اُس بھولی بھالی لڑکی کو ایسی باتوں کا علم ہو۔ بڑی نہمل سی بات ہے وہ ایک سپاہی سے عشق کرے، اتنی کمینی تو وہ کبھی بھی نہیں ہو سکتی"

"آپ خوش فہمی میں مبتلا رہنا چاہیں تو الگ بات ہے ویسے میں اُس کے خطوط آپ کو دکھا سکتا ہُوں۔ چند دن انتظار کرنا پڑے گا۔ وہ یہاں سے تبدیل ہو کر جا چُکا ہے البتہ مجھے اُس کی تحریر کچھ تو یاد ہے کہیں تو وہ سُنا سکتا ہوں۔ اس وقت تو مجھے اُس کے فقرات اچھی طرح یاد تھے۔ میں نے اس کے تمام خطوط پڑھے تھے۔ بڑی بیتاب تھی یار۔ اُن دنوں وہ۔ بری طرح پھنس پھڑا رہی تھی اور مزے کی بات یہ ہے وہ شخص

بالکل اَن پڑھ تھا۔ دستخط بھی نہیں جانتا تھا۔ کوئی بی۔ اے۔ بی۔ ٹی تھا جس سے وہ خط لکھوا کر بھیجا کرتا۔ ایک مرتبہ وہ دروازے میں خط پھینک کر جارہا تھا کہ عین وقت پر میں پہنچ گیا۔ میں نے خط اپنے ہاتھ میں لے لیا اور پھر اسی رُعب میں اُس کے تمام خط پڑھتا رہا"

"چند فقرے سنائیے"

"عنوان ہیں "میرے چاہنے والے" "میرے چاند" وغیرہ اور مضمون "جی تو بہت چاہتا ہے کہ ملوں۔ کسی پل بھی چین نہیں ملتا۔ کیسے ملوں؟ سب ہر وقت گھر پر ہوتے ہیں ہمارے ملنے کا ایک ہی راستہ ہے قصبہ شاہدرہ میں ہمارے رشتہ دار ہیں اسی بہانہ سے باہر نکل سکتی ہوں۔ کوٹ وہاب الدین سے قصبہ تک ایک میل کا فاصلہ ہوگا راستے میں کافی جھاڑیاں ہیں کھیت ہیں بس وہیں ملاقات ہو سکتی ہے۔ اور تو کوئی صورت نظر نہیں آتی" اور اس حرامی کے خط میں اس طرح کے شعر لکھے ہوتے تھے

اپنے خورشید کا نظارہ کروں دُور سے میں
صفت غنچہ ہم آغوش رہوں نور سے میں

ایک دُوسرے خط میں لکھا تھا

عشق کی گرمی سے شعلے بن گئے چھالے میرے
کھیلتے ہیں بجلیوں کے ساتھ اب نالے میرے

مجھے اُن دونوں کی تحریریں یاد تھیں اب تو بھول چکا ہوں۔ میں آپ کو خطوط دکھا دُونگا

خطوط کے علاوہ اُس کے پاس اور بھی نشانیاں ہیں مثلاً رومال وغیرہ"
یہ شعر تو اُس نے مجھے لکھ کر بھیجے تھے اُس بی۔ اے، بی۔ ٹی کے خطوط سے نقل کیے ہونگے۔ عُنوان اُس کے ہیں، طرزِ تحریر اُس کی ہے، الفاظ تک اُس کے ہیں۔ میں نے گردن جُھکالی چہرہ کانوں کی لوؤں تک جلنے لگا۔ پھر کافی دیر تک مکمل سکوت رہا
"بھول جائیے۔ وہ تو کنجری ہے۔ حرامزادی اپنے باپ کی عزت کا بھی خیال نہیں کرتی۔ اُس نے کوئی ایک جگہ لگا رکھی ہے اور بھی کئی جگہیں ہیں۔ موٹی اور چھوٹے قد کی عورت کا کبھی اعتبار نہ کیجیئے۔ عورتوں کی یہ قسم ہرجائی ہے"
ماسٹر صاحب کبھی کبھی وہی پُرانے فقرے دُہرا دیتے۔ چند لمحوں کے لیے سکُوت ٹوٹ جاتا پھر وہی خاموشی ہوتی۔ میں سب کچھ جان کر بھی کسی نتیجہ پر نہ پہنچ رہا تھا کبھی کوئی پلڑا بھاری ہو جاتا کبھی کوئی۔ ہر فیصلہ پر پہنچنے تک مجھے اس بات کا شدید احساس ہوتا کہ اُس نے یہ باتیں مجھے کیوں نہ بتائیں۔ غلطیاں ہو ہی جایا کرتی ہیں۔ میں نے جو وعدہ کیا تھا "مَیں بُرا نہیں مانوں گا کوئی قصہ ہے تو بتا دو" مگر وہ ہمیشہ چھپاتی رہی۔ وہ کیوں چھپاتی رہی؟ بُجھی ہوئی چنگاریاں نفرت کی ہوا سے شعلے بن جاتے مَیں منصف مزاج شخص ہوں انصاف کو ہاتھ سے کبھی نہیں چھوڑتا۔ جب مجھے خیال آتا کہ "کیا زندگی میں مَیں نے کبھی کسی کو بُری نظر سے نہ دیکھا ہوگا؟" تو اس کا تصور ہلکی ہلکی ہمدردی کے نیچے کچھ دب سا جاتا "بُوا کو بُلا دوں؟" ماسٹر صاحب نے میرے خیالات منتشر کر دئیے "ہاں۔ اب آیا ہوں تو ملتا ہی جاؤں" انہوں نے ایک شاگرد کو بلانے کے لیے

بھیجا نُوا گھر پر موجود نہ تھی۔ دوسری مرتبہ بھی وہی جواب ملا "کوٹ وہاب الدین گئی ہوئی
ہے ابھی تک نہیں آئی" تیسری مرتبہ ہم خود گئے تو وہ گھر پر موجود تھی۔ ماسٹر صاحب
نے آواز دی اُس نے نیچے جھانکا۔ ماسٹر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا "یہ میرے ایک
دوست ہیں ان کو آپ سے کچھ کام ہے ذرا نیچے آجایئے" اُس کے نیچے آنے سے پہلے
مجھے کہنے لگے "میں باہر چلا جاؤں گا۔ مجھے ایف۔ ڈی۔ آئی کے لڑکوں کو پڑھانا ہے۔ میرا
وہاں رہنا کچھ مناسب بھی نہیں۔ آپ اتنی دیر میں بات کر لیں۔ میرا نہ بتایئے گا کہ اسے
بھی اس بات کا علم ہے۔ نُوا ہمارے ساتھ چل آرہی تھی تھوڑی دور جا کر رُک گئی
"یہیں کر لیجیے بات" "آپ کو تکلیف تو ہوگی ذرا تشریف لے آئیے۔ میں آپ کے
وقت کی قیمت ادا کر دوں گا۔ بیٹھ جائیں گے تو اطمینان سے بات ہو سکے گی" میں نے
نفسیاتی طریق اختیار کیا تو وہ کچھ نرم ہو گئی "آپ کہاں سے آئے ہیں؟" "کوٹ
وہاب الدین سے" "میں بھی تو وہیں سے آرہی ہوں" پھر پیشانی پر بل ڈال
کر اُس نے پوچھا "آپ کا چودھری صاحب کے ساتھ واسطہ ہے؟" "ہوں!"
ہم ماسٹر صاحب کے گھر پہنچ چکے تھے۔ اندر ایک ہی چارپائی بچھی تھی۔ میں اُس پر
بیٹھ گیا۔ نُوا کھڑی رہی وہ میرے برابر نہ بیٹھنا چاہتی تھی۔ میں نے کوئی اختیار نہ رکھنا
چاہا "بیٹھ جایئے گا۔ آپ تو میری ماں ہیں" مگر وہ پھر بھی مجھے بڑا آدمی ہی سمجھتی
رہی۔ ماسٹر صاحب نے باہر سے دوسری چارپائی لا کر بچھا دی اور پھر ایف۔ ڈی۔ آئی
کے لڑکے پڑھانے چلے گئے۔ میں نے سلسلہ کلام شروع کر دیا

"بوا جی بات یہ ہے غلطیاں انسان سے ہو ہی جاتی ہیں ہم بھی انسان تھے۔ اب میں آپ کو کیا بتاؤں۔ سارا معاملہ آپ نے خود ہی اپنے ہاتھوں طے کیا ہے آپ سمجھ بھی گئے ہونگے؟"

"ہوں" اُس نے سر ہلا دیا "بھائی کیا بتاؤں اُس بچاری کی مشکل سے جان بچی ہے۔ آٹھ دن ہسپتال میں رہی وہ ٹیکے لگاتے رہے پر وہاں ٹیکوں سے کیا بننا تھا۔ نادیں دن انہوں نے کہا ایکسرا ہوگا۔ ہم دونوں گھبرا گئیں۔ اس طرح تو ساری بات کا پتہ چل جاتا۔ میں اُسے واپس گھر لے آئی"

"اب کیا حال ہے؟"

"ٹھیک ہو گیا ہے پر ابھی اُسے بہت تکلیف ہے بھائی اُس کے ماں باپ نے تو پانی کی طرح روپیہ بہایا ہے"

"کیوں؟ کیسے؟"

دو سو کسی کو چار سو کسی کو۔ ایک دایہ نے سات سو لیا۔ مگر بات پھر بھی نہ بنی۔ بھائی ہسپتال سے لانے کے بعد کئی دایاؤں کو دکھایا۔ ہر ایک نے اپنی اپنی عقل کے گھوڑے دوڑائے۔ ایک نے تو اُسے گھٹنوں کے بل بٹھا کر دونوں ٹانگوں پر ایک ایک بھاری بھرکم عورت بٹھا دی۔ بچاری کی چیخیں نکل گئیں۔ وہ خود ہی آپ کو سارا قصہ بتائے گی۔ پتہ نہیں اُسے کیا ہو گیا بس اُسی دن سے بہت زیادہ بیمار ہو گئی۔ پھر سیالکوٹ لے جایا گیا وہاں کوئی بڑی اچھی ڈاکٹر ہے اُس نے کہا اسے ہسپتال میں داخل

کرانا پڑے گا۔خضر حیات اور اُس کی بیوی بھی ساتھ ہی تھے۔خضر حیات کو اصل بات کا پتہ نہ تھا اُسے کوئی اور ہی بیماری بتائی گئی تھی۔ مگر جب ایک نرس نے آکر کہا "آپ داخل کروا دیں بات بگڑ چکی ہے اس کے بغیر چارہ نہیں تو اُسے بھی سب کچھ پتہ چل گیا۔"

"ولائیت تاجور ہسپتال میں کیسے داخل ہو گئی تھی؟"

میں نے کروایا تھا۔ وہ کرتے ہی نہیں تھے کہتے تھے اس کے خاوند کے دستخط ہوں گے یا اس کی والدہ دستخط کرے۔ ولائیت کہنے لگی "میرا خاوند یہاں نہیں وہ دور نوکری کر رہے ہیں" میں نے کہا والدہ کے دستخط ہو سکتے ہیں تو خالہ کے کیوں نہیں ہو سکتے۔ میں اس کی خالہ ہوں" پھر انہوں نے میرا انگوٹھا لگوا لیا۔ اُس دن آپ کو بہت یاد کرتی رہی۔ کہتی تھی ہائے بُوا اس وقت کبھی وہ ہوتے تو آکر دستخط کر دیتے"

"اس کے بعد نہیں یاد کیا؟"

"نہیں" بُوا نے نفی میں سر ہلا دیا "اُس دن میں نے کہا خط لکھ دو کہنے لگی میرے پاس اُن کا "پتہ" ہی نہیں ہے"

"ہاں اُس کے پاس پتہ نہیں تھا اُس نے مجھ سے کبھی پوچھا ہی نہیں تھا اس لئے میں نے بھی خیال نہ کیا"

"پھر اُس نے ایک چٹھی آپ کے والد کی معرفت آپ کو لکھی تھی اُس میں وارڈ نمبر وغیرہ سب کچھ لکھا ہوا تھا"

"مجھے تو اُس کی کوئی چھٹی نہیں ملی۔ وہ چھٹی کہاں غائب ہو گئی؟ آپ صبح اُس کے پاس جائیں گے؟"

"ہاں۔ میں تو روز ہی جاتی ہوں"

"میرا بتائیے گا اور کہیے گا کہ تم کو تو تکلیف ہوتی ہی ہے۔ مجھے تم سے بھی کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ کیا بتاؤں بُواجی! جب سے میں نے سُنا ہے مجھ پر رنج کے پہاڑ آ گرے۔ اب دن رات تنہائی ہوتی ہے میں ہوتا ہوں اور احساس صد ہوتا ہے"

"ہاں بھائی یہ تو ہوتا ہی ہے"

اُسے کہیے گا ذرا دروازے تک آ جائے۔

"نا بھائی وہ تو چارپائی سے بھی نہیں اُٹھ سکتی۔ اُسے بے حد تکلیف ہے"

تو پھر جہاں اُس کی چارپائی ہے وہ کھڑکی کھول دے میں وہیں مل لوں گا۔ اُسے کہنا ملنے کو بہت جی چاہتا ہے میرا جانا منع ہے ورنہ میں ضرور اُس کے پاس جاتا۔ کچھ سمجھ نہیں آتی کس طرح ملوں۔ وہ چارپائی سے اُٹھ نہیں سکتی میں وہاں جا نہیں سکتا۔ کیسے ملاقات ہو گی بُواجی؟ کوئی ترکیب نکالئے نا ایک لمحہ کے لئے ہی ملا دیجئے"

"میں کہوں گی بھائی۔ ہاں ایک ترکیب ہے میں اس کی چارپائی صحن میں کرا دوں گی آپ کوٹھے پر چڑھ کر جھریوں سے جھانک لیں"

ہمیں بیٹھے دو گھنٹے گزر گئے ہو گئے آ جا کر وہی سوال وہی جواب وہی رونا۔ یہ رونا ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ ماسٹر صاحب پڑھا کر واپس آ چکے تھے۔ میں نے دو نئے نوٹ نکال کر اُس کی ہتھیلی پر رکھ دئے "نہیں بھائی اس کی کیا ضرورت ہے میرا کوئی مول لگا ہے" آپ کا

وقت تو ضائع ہوا ہے۔ ۔ لے لیجئے میری خوشی کے لئے ہی سہی" میں نہیں لوں گی" کافی اصرار کے بعد بھی اُس نے نوٹ واپس کر دیئے۔ میں نے مجبوراً جیب میں ڈال لئے۔ سیڑھیوں میں اندھیرا تھا میں لالٹین لے کر آگے آگے چلنے لگا "گھر تک چھوڑ آؤں ؟" "نہیں میں خود ہی چلی جاؤں گی ۔ ساتھ ہی تو ہے" "کل شام آپ مجھے ضرور ملئے گا۔ اسی جگہ" "اچھا۔ اب آپ جائیے" میں لالٹین اُوپر چھوڑنے کے بعد واپس آگیا۔ ماسٹر صاحب چاہتے تھے کہ ابھی کچھ دیر اور بیٹھوں اپنی رام کہانی سُناؤں۔ پر اتنے میں اُن کے ہیڈ ماسٹر صاحب آ بیٹھے تھے اس لئے میں کل کا وعدہ کر کے کھسک آیا۔

کل آنا ہی نہیں تھا۔ میں اُن کی سب کھڑکیاں دیکھ آیا تھا کوئی نہ کھلی تھی۔ جب سے یہ قصہ ہوا تھا صرف کھڑکیاں دروازے ہی بند نہ ہوئے تھے۔ بلکہ اُن کے اپنے نوکروں تک کا آنا جانا بند ہو گیا تھا۔ نوکرانی کو بھی جواب مل گیا تھا۔ چودھرائن صاحبہ کہاں تو کام کو ہاتھ بھی نہ لگاتی تھیں اور کہاں اب کپڑے بھی خود ہی دھونے لگی تھیں۔ برتن نوکرانی صاف کر دیا کرتی تھی وہ بھی خود ہی کرنا پڑے۔ کھانا بھی اپنے ہی سر رہا۔ ولایت کا کمرہ ہر وقت بند رہتا۔ مجھوں تک کا اندر جانا منع تھا۔ اگر عورتیں سُن سُنا کر خیر لینے آجاتیں تو کہہ دیا جاتا ڈاکٹر نے منع کر رکھا ہے "کیا بیماری ہے ؟" "ڈبل نمونیہ" اتنی احتیاط کے باوجود لوگ سب کچھ سمجھ گئے تھے ۔ ایک دن جب بھنگی کی بارہ سالہ بہو نے کمرے کی صفائی کرتے ہوئے ولایت سے پُوچھا۔ "بی بی تم کیوں ہر وقت پڑی رہتی ہو ؟" "بخار ہے" اُس نے ولایت کا پاؤں چھو لیا "ٹھنڈا بخار ہے" وہ دونوں ہنس پڑیں۔ جن کا اندر جانا منع تھا وہ شاید

اسی لئے اُس نے سب کچھ سکھا کر بھیجا تھا۔ اُس نے جیو کو آکر بتایا تو اُس کی باچھیں کھل گئیں "دال میں ضرور کالا ہے" صرف تُو اُن کے گھر آتی تھی جیو نے تُو اسے میل ملاپ بڑھا لیا پھر ایک دن بڑی سنجیدگی سے پُوچھ بھی لیا "تم سارا دن اندر ہی بیٹھی رہتی ہو کیا تکلیف ہے اُسے ؟" "پیٹ میں درد ہے" اُس نے سہیلی کو ناراض کرنا بھی نہ چاہا اور چھپانا بھی چاہا۔ جیو سب کچھ سمجھ گئی اور پھر ایک دن جب چودھرائن نے اُدھر کمبلوں کے کارخانے کی مالکہ سے پانچ سو روپیہ اُدھار منگوا بھیجا اور ساتھ ہی کہہ دیا کہ مَردوں کو اس کا پتہ نہ چلے میں جلد ہی واپس کر دُوں گی" تو جیو کو پوری بات کی سمجھ آگئی۔ پھر اُس نے گھر گھر بڑے رفیقانہ انداز میں اس کا ذکر کیا۔ میرے آپا جی سے بھی آکر کہا "بی بی جی ولایت سخت بیمار ہے" "کیا تکلیف ہے؟" "پیٹ میں درد ہے" آپا جی خاموش رہے۔ اُن کا دھیان اصل بات کی طرف پلٹ ہی نہ سکا اس لئے جیو بچاری مجبوراً چُپ ہو رہی۔

صبح ہو چکی تو میں ڈرتے ڈرتے کوٹھے پر گیا۔ جھرنوں سے جھانکا وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ دُوسری مرتبہ گیا تو بھی کوئی نہ تھا میں نے تھوڑی دیر کے بعد کتنے ہی چکر کاٹے۔ آخر اُسکی چارپائی نظر آہی گئی۔ اُس کے پاس اُس کی کملائی ہوئی آپا میلے کچیلے کپڑوں میں سر نیوڑھائے بیٹھی تھی۔ ولایت نے سر منہ چادر میں لپیٹ رکھا تھا۔ میں زیادہ دیر کھڑا نہ رہا کوئی دیکھ لیتا تو پُرانا فتنہ پھر برپا ہوتا ۔۔ سینہ میں چھپی ہوئی کیفیتوں کی رستخیزی نے بُرا حال کر رکھا تھا۔ میں اُسے بے نقاب دیکھنا چاہتا۔ کچھ وقفے کے بعد میں پھر کوٹھے پر چڑھ گیا پھر جل جائیں پر پتہ نہیں شمع کیسے چھوٹے۔ رکی وہ صحن میں اکیلی ہی تھی۔ اندر سے صحن کے

دروازے کی کنڈی لگا رکھی تھی منہ اب بھی ڈھانپا ہوا تھا اُس نے ایک مرتبہ اپنے ایک
محبت بھرے طویل خط میں ایک شعر لکھا تھا میں اُسے گنگنانے لگا

میرے خورشید کبھی تو بھی اُٹھا اپنی نقاب
بہرِ نظارہ تڑپتی ہے نگاہِ بے تاب

اُس نے چادر پرے ہٹا دی۔ رنگ زرد اور زلفیں پریشان تھیں ہونٹوں پر پپڑیاں جم گئیں تھیں۔ اس کے باوجود وہ اپسراؤں سے زیادہ خوبصورت دکھ رہی تھی۔ پھر اس کی ماں آگئی تو اس نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ میں دبے پاؤں نیچے اُتر آیا۔ میں دایہ کی اس دانشمندی کو دیر تک سراہتا رہا میں زندگی کی شطرنج میں دو ہی مہرے کام کے ہیں ایک دایہ اور دوسرا وکیل

دوسری شام بُوا آئی تو اسکے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ آج ولایت بڑی خوش ہوئی۔ بڑے دنوں کے بعد بچاری آج ہنسی ہے اُس دن ہنسی تھی جس دن ہسپتال میں داخل ہونا تھا اُس کے بعد آج ہنسی ہے۔ اُس نے کہا ہے میں ذرا ٹھیک ہو لوں خود ہی ملوں گی"

"خدا اُسے جلد صحت عطا فرمائے" مجھے ولایت سے بھی زیادہ خوشی ہوئی۔ کیونکہ میرا خیال تھا وہ کوئی اُوٹ پٹانگ جواب دے دے گی "بُوا جی بیوقوف دوست نے اُسے زمانے بھر کی مصیبتوں میں ڈال دیا"

ہاں بھائی اُسے تو اللہ نے بچایا۔ جو تکلیف اُس نے دیکھی ہے کسی نے نہ دیکھی ہو گی۔ میں نے آپ کے متعلق اُسے بتلایا تو وہ مانتی ہی نہیں تھی۔ میں نے کہا" سچ آج بابو جی آئے تھے"

"تم جھوٹ کہتی ہو بُوا" "تیری جان کی قسم سچ کہتی ہوں" "کون سے بابوجی؟" "تو بھلا کیوں پہچانے گی اُن کو" "سچ بتاؤ" اسے یقین نہ آ رہا تھا۔ پھر میں نے ساری بات سنائی تو وہ بہت خوش ہوئی۔ آج تو وہ مجھے آنے ہی نہیں دیتی تھی "بُوا اور کیا کہتے تھے" "خود مل کر پُوچھ لینا نا" "بیٹھ جاؤ۔ بُوا آج نہ جاؤ مجھے اُن کی ساری باتیں سناؤ" "آج تو بڑی مشکل سے آئی ہوں"۔ اُس نے یہ کہتے وقت پان والا پوپلا منہ کھول دیا۔" بھلی تمہاری وہ بِٹیا تو بڑی سیانی ہے۔ ہسپتال میں داخل ہوئی تو مجھ سے پُوچھنے لگی۔ بُوا معائنہ کون کرے گا میں تو لیڈی ڈاکٹر سے کراؤں گی مرد کو نزدیک نہیں آنے دوں گی"

"اچھا ولایت کو بھی اتنی سمجھ ہے" مجھے گوناگوں خوشی ہوئی

میں اتنا خوش ہوا کہ اگر وہاں بُوا نہ بیٹھی ہوتی تو میں سچ مچ اُٹھ کر ناچنے لگتا۔ اور وہ خط جو مختصر لکھنے کے باوجود کافی طویل ہو گیا میں نے بُوا کو دے دیا" یہ ولایت کو دے دینا ابھی تو وہ اُس کا جواب لکھ نہیں سکتی جب ذرا ٹھیک ہو جائے تو وہاں کے پتہ پر رجسٹری بھیج دینا۔ مَیں نے اس پر پتہ لکھ دیا ہے۔ صبح میں چلا جاؤں گا دس چھٹیاں ختم ہو چکی ہیں۔ اس میں مَیں نے وہی کچھ لکھا ہے جو آپ کو بتایا تھا۔ اُسے زبانی بھی کہہ دیں کہ ایک دفعہ مجھے ضرور ملے یہ ہماری آخری ملاقات ہو گی اس میں فیصلہ ہو جائے گا کہ ہم نے کونسا قدم اُٹھانا ہے" میں نے آج پھر وہی" پے اس کی ہتھیلی پر رکھ دیے اُس نے کل کی طرح انکار کر دیا اور ساتھ ہی سُنا بھی دیا" تین

ولایت کو بتایا تھا باؤجی مجھے بیس روپے دے رہے تھے۔ میں نے نہیں لئے۔ وہ کہنے لگی واہ بیس روپے کیوں دے رہے تھے۔ ہماری بوا بیس روپے لے گی؟ انہیں کہنا ہم نے تو ہزاروں خرچ کر دئے ہیں" میں نے کہا یہ کوئی اُن پر دھونس ہے؟" ہنس پڑی کہنے لگی "ہاں دھونس ہے" "بوا جی وہ ٹھہری امیر باپ کی صاحبزادی میں چھوٹا سا انسان ہوں پھر بھی اُس کے حکم کی تعمیل ضروری ہے اُسے کہئیے گا تمہارے حکم کا منتظر ہوں تم کہو گی تو نوٹا کے پاؤں میں ڈھیروں روپیہ جمع کر دوں گا۔ میں نے اُس کے لئے زندگی لٹا دی ہے روپیہ کو بڑی حقیر سی شے ہے' بوا خوش ہو گئی اور وقتی طور پر بات بھی آئی گئی ہو گئی۔ میں واپس آ گیا اور آتے ہی چپراسی کو تاکید کر دی کہ میری چھٹی کا خیال رکھنا" سب چھٹیاں ہیڈ ماسٹر صاحب چیک کرتے ہیں جی" "اساتذہ کی بھی؟" "ہاں جی اُن کا بڑا سخت آرڈر ہے "میرے دیکھے بغیر ڈاک مت تقسیم کرو" پھر تمہاری اُستادی کیا ہوئی؟ یار تم نے اتنا کام بھی نہ کیا تو میں سمجھوں گا تم سے نکما اور ہو ہی کوئی نہیں سکتا" "پرائیویٹ ہے؟" اس نے بڑے بڑے دانت نکال دیئے "ہاں۔ تم چھٹی کا دھیان رکھنا" بس اب میں ہیڈ ماسٹر صاحب تک نہیں پہنچنے دوں گا میرے پاس بھی ایک چھٹی ہے۔ صاحب بڑی مزیدار ہے میں آپ کو دکھاؤں گا جب میں ملٹری میں تھا ہمارا کیمپ گاؤں کے قریب ہی لگا۔ بس صاب یاری ہو گئی" اس نے مسکراتے ہوئے ہونٹوں پر کئی مرتبہ زبان پھیری "یار دل نہ خراب کرو منہ میں نمک بھر پانی بھر آیا ہے" "بڑی ہی صاب عورت سچ ہی ایسی ہے" اُس نے تنا

بڑا سا منہ کھول دیا۔ لمبے لمبے دانت پان کی سُرخی سے سیاہی مائل ہو گئے تھے۔

"ذرا اتنے پان نہ کھایا کرو" "صاب کوشش کرتا ہوں چھوٹتے ہی نہیں اس مہینے پان اور سگرٹ کا اکیس روپے بل آیا ہے چالیس روپے تنخواہ ہے۔ بیس روپے تنور والی کو دینے ہیں مگر پھر بھی نہیں چھوٹتے۔ کیسے چھوڑوں؟ عورت نہ ہو تو یہ دو چیزیں بڑی ضروری ہیں صاب اس تنخواہ پر تھوڑے پیسے دیجئے نا "ڈبل گا" اس کے بعد جب، میں نے پوسٹ مین سے کہا تو اس نے بھی اسی طرح کا جواب دے دیا۔ اُس سے بھی ادھر اُدھر کی ہانکنی پڑی پھر وہ بھی مان گیا۔ میں صبح چھ بجے سے ہی پوسٹ مین کا انتظار شروع کر دیتا۔ جب وہ دکھائی دیتا تو ایسے بھاگ کر اُس کے پاس پہنچتا جیسے بچے عید کارڈ لینے جاتے ہیں مگر اتنی ساری چٹھیوں میں میری ایک بھی نہ ہوتی مجھے غصہ بھی آتا پریشان بھی ہوتا اور اگلے دن کی اُمید پر گھڑیاں گننا شروع کر دیتا کافی دنوں کے بعد چٹھی آئی بیرنگ تھی اور وہ بھی بغیر لفافے کے کاغذوں ہی کی تہہ لگا کر پتہ لکھ دیا گیا تھا اُسی پر ڈاک خانے کی مہریں ثبت تھیں۔ خوش قسمتی سے ہیڈ ماسٹر صاحب کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ تین آنے ادا کئے اور چٹھی لے لی۔ بار بار پڑھا۔ میں مسرتوں کے انبار تلے دبا جا رہا تھا۔ اُس نے لکھا تھا

میرے چاند

آپ کا محبت نامہ بڑے عرصہ کے بعد ملا۔ کھولنے سے پہلے

کئی بار چھاتی اور آنکھوں سے لگایا۔ خط کیا ہے، اصلی موتیوں کا ہار
ہے۔ آپ کے الفاظ کے لئے موتی کہنا بھی کسرِ شان سمجھتی ہوں پر اس وقت
اور کوئی لفظ نہیں سوجھ رہا۔ اس لئے یہی لکھنے پر مجبور ہوں
یہ موتی میرے دل کو بڑی ٹھنڈک پہنچاتے ہیں اس کو ہر وقت چھاتی
سے لگائے رکھتی ہوں۔ کئی بار پڑھتی ہوں اور پڑھنے سے پہلے
آنکھوں سے لگا کر چومتی ہوں۔ بیسیوں ہی بار پڑھ چکی ہوں گی
مگر تشنگی ہے کہ کم ہونے میں نہیں آتی۔ جب بھی اداس ہوتی
ہوں آپ کا محبت نامہ پڑھ لیتی ہوں میرا چاند جو کچھ اپنے ناول
کے اختتام پر لکھتا ہے یہ ڈھول اُچھلو ختم ہو جائے گا
میرا آپ کے بغیر ذرا دل نہیں لگتا۔ میں نے تو سمجھ لیا تھا کہ
میں اب ختم ہو چکی ہوں مگر جب سے آپ کے پیغام آنا شروع
ہوئے ہیں پھر زندہ ہو گئی ہوں آپ یہاں آ کر نواب سے مل لیں
میں اُس کو سارا پروگرام بتا دوں گی۔ پھر ہماری ملاقات
ہو جائیگی۔ دُعا کریں ہماری ملاقات ہو جائے۔

اسی طرح اور بھی بہت کچھ لکھا ہوا تھا۔ یہ خط بھی اُس کے دوسرے خطوط کی طرح کافی
طویل تھا میں اسے کئی مرتبہ پڑھ چکنے کے بعد بھی پڑھے چلا جا رہا تھا۔ عجیب سی بات
تھی ولایت نے اس قسم کا فیصلہ میرے کچھ کہے بغیر ہی کر لیا۔ یہ کیسے ہو گیا؟ میں بھی

متعلق بہت جلد سُننا چاہتا تھا۔ وقت کی رفتار بالکل مدھم تھی۔ میں تیز گامی چاہتا
تھا۔ شام کو صبح کرنا جیسے شیر لانے سے کم نہ تھا۔ پتہ نہیں کب سحر ہو گی؟ خوشی کے ساتھ
ساتھ بے تابی بھی انتہا تک پہنچ چکی تھی۔ مدتوں سے سوئی ہوئی اُمنگیں ایک مرتبہ
پھر جاگ اٹھی تھیں۔ شروع شروع میں جب میری محبت میں ہر لمحہ کے بعد اضافہ ہو جاتا تو
میں نے بے قابو ہوتے ہوئے ولایت سے کہہ دیا تھا "میں تمہارے ساتھ شادی کروں گا" اُس
نے کافی حیرانی ظاہر کی تھی۔ "وہ سمجھتی تھی میں بیاہ کا کبھی بھی ذکر تک نہ کروں گا۔ اور
جب میں نے کہا تھا ہمارے لئے شادی کر لینا ہی بہتر ہے ورنہ ہم دونوں برباد ہو جائیں گے یا
مجھے ابھی سے چھوڑ دو۔ اب تو شاید ہم ایک دوسرے کو بھول سکیں پھر یہ ناممکن
ہو جائے گا۔ ولایت نے اس کا جواب مجھے یوں دیا تھا "ناممکن تو اب بھی ہے۔ میں
آپ کو کیسے بھلا سکوں گی۔ میں تو لمحے گن گن گزارتی ہوں۔ ایسا نہ کہیئے میرے دل کو کچھ کچھ
ہونے لگا ہے" پھر وہ دیر تک روتی رہی "ہائے میں کیا کروں۔ چاچا جی نہیں مانیں گے
آپ کے گھر والے بھی نہیں مانیں گے ہماری شادی کیسے ہو سکتی ہے؟" "ہو سکتی ہے۔
مصمم ارادہ کے ساتھ منزل کی طرف چلا جائے تو کوئی وجہ نہیں چٹانیں راستہ نہ
چھوڑ دیں، پہاڑوں کے سر نگوں نہ ہو جائیں، دریاؤں کی روانی رُک نہ جائے۔ بچ
کو دیکھو چودھری جگ پال کو دیکھو۔ کس طرح اُن کے راستے میں مصیبتیں آئیں؟
اُنہوں نے شجاعت سے مقابلہ کیا۔ کامیابی اُن کے قدم چومنے پر مجبور ہو گئی۔ ہیر رانجھے
سے آہی ملی تھی نا؟" "خیر وہ زمانہ اور تھا" "زمانہ تو یہی تھا اُن کے عزم پہاڑوں سے

بلند اور چٹانوں سے زیادہ مضبوط تھے" اور پھر کچھ سوچنے کے بعد میں نے کہہ دیا تھا "میں اپنے لئے تجھے برباد نہ کروں گا تمہاری خوشی میری خوشی ہے۔ تم جس طرح بھی خوش رہ سکو مجھے منظور ہے۔ میں تمہاری ہر بات خندہ پیشانی سے تسلیم کرتا چلا جاؤں گا" اُس نے پتہ نہیں کیا جواب دیا۔ اس کے بعد میں نے اُسے کبھی نہ کہا تھا کہ تم مجھ سے شادی کر لو۔ اور آج جو خط آیا تھا اُس میں ولائیت نے خود ہی اُس طرف اشارہ کیا۔ میں حیران بھی تھا اور خوش بھی۔ دل کے اندر مختلف کیفیتیں جمع ہو گئی تھیں۔ سُرخ نیلی پیازی زرد قرمزی۔

میں والد صاحب کے منع کرنے کے باوجود قصبہ شاہ چلا جاتا رہا تھا اس لئے والد ماجد ناراض تھے سلسلہ کلام تک ترک ہو چکا تھا۔ وہ دو دن باہر رہنے کے بعد واپس آ گئے تھے۔ میں اُوپر پلنگ پر لیٹا صبح کے پروگرام کے متعلق سوچ رہا تھا کہ پیغام ملا "نیچے بُلاتے ہیں" پیغام بالکل غیر متوقع طور پر ملا تھا۔ میری پیشانی پر بل پڑ گئے باوجود سوچنے کے کچھ سمجھ نہ آیا کہ مجھے کیوں بلا گیا۔ نیچے پہنچا تو والد صاحب کے علاوہ بڑے چچا جان اور داڑھی والے چچا بھی براجمان تھے۔ یہ چچا الالوُں بلالوُں جھنک مرکالوُں قسم کے شخص تھے اور ایک عرصہ سے میری مخالفت پر اُترے ہوئے تھے۔ کیونکہ جن دنوں تھیلوں کے حساب سے چینی بلیک کیا کرتے ان کی ایک رنڈی سے دوستی ہو گئی تھی۔ بلیک کے علاوہ اصل رقم بھی عشق کی آگ میں جھونک دی گئی۔ ان دنوں میں ابھی بچہ ہی تھا لیکن جو کام میرے سپرد کر دیا جاتا اُسے بڑے احسن طریقے سے سُلجھا

لیتا۔ اُنہوں نے اپنی حفاظت اور تجارت کو فروغ دینے کا یہ طریقہ سوچا کہ مجھے ڈپو پر بٹھا دیا۔ سکول میں چھٹیاں تھیں اس لئے میں بھی فارغ ہی تھا بڑوں کے سامنے انکار کر کے کافر کون بنے۔ کام کرتا رہا۔ جن دنوں یہ کام میرے سپرد ہوا راشن قسطوں میں آتا تھا کیونکہ روپیہ تو عیش و نشاط کی محفلوں کی نذر ہو چکا تھا۔ جو رقم قسطوں میں دی جاتی وہ بھی خریداروں سے پیشگی ہی ہوتی پھر یہ پیشگی رقم بھی اُڑ گئی کام بند ہو گیا راشن لینے والے چیخ اُٹھے "روپیہ کہاں ہے؟" اُنہوں نے بھرے گھر میں مجھ سے سوال کیا۔ "روپیہ؟ کونسا روپیہ؟ میں حیران و ششدر رہ گیا۔ اس کے جواب میں مجھے دو تین گھونسے لگا دئے گئے۔ کنجی ہاتھ سے نکل گئی تھی اُنہیں اس کا بہت افسوس تھا۔ مجھے گھونسے لگانے کے بعد اُن کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔ یہ چمک بیّن ثبوت تھا کہ روپیہ میں نے ہی خرد برد کیا ہے۔ یوں بھی میں بچپن میں بے حد شرارتی تھا اس لئے بھی شک کو تقویت پہنچی۔ سب سے بڑا گناہ یہ تھا کہ میں چھوٹا تھا۔ بڑا جھوٹ بولے اور چھوٹا سچ کہے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ سب میرے مخالف ہو گئے "روپیہ اسی نے ہضم کیا ہے" میں حیران تھا کیا کمبخت اتنے سارے لوگوں میں کسی کے پاس بھی کسوٹی نہ تھی جو کھرے کھوٹے کو دیکھ سکے۔ بہت صفائی پیش کی پر وہاں طوطی کی آواز کون سنتا تھا۔ ایک مرتبہ پہلے بھی انہوں نے کپڑے کی دوکان کا تختہ اُلٹ دیا تھا۔ وہ کیسے اُلٹا تھا؟ بڑوں کے کردار پر نکتہ چینی کرنا بدمعاشی ہے کہیں شریف زادے بھی اپنے بڑوں کو اس طرح کی باتیں کہتے ہیں؟ اور میں اگر کچھ بھی دیتا تو میری کون سنتا۔ پھر

جب چچا کے دروازے پر روپے کا مطالبہ کرنے والے آپہنچے تو انہوں نے ہر ایک سے کہا "میرا بھتیجا روپیہ ہضم کر گیا ہے اس حرامزادے نے میری بے عزتی کرا دی آپ اطمینان رکھیں میں بہت جلد قرض چکا دوں گا" یہ سُن کر مجھے آگ لگ جاتی پر کچھ نہ کر سکتا تھا پھڑ پھڑاتا تو قفس کی دیواریں میرا اپنا ہی سر پھوڑ دیتیں۔ وہ مجھے گرفتار کرنے سے بھی گریز نہ کرتے اگر میرے پاس اُن کے تحریر کردہ رقعے نہ ہوتے "فلاں کو دو پیٹی چینی دے دو میں نے قیمت وصول کر لی ہے" اسی طرح کی کتنی ہی تحریریں میرے پاس موجود تھیں۔ میں وہ کسی دوست کے گھر رکھ آیا اور وہی مجھے بچا گئیں۔ ان کی اس روش نے مجھے پورے شہر میں بدنام کر دیا میں شہر چھوڑ کر قصبہ شاہ آ گیا۔ جہاں سے وہ مجھے آ کر لے گئے تھے۔ والد صاحب کو سب کچھ بتایا۔ اُنہوں نے بھی مجھے ہی جھوٹا سمجھا ہار کر چُپ ہو رہا۔ بس اُسی دن سے ہماری مخالفت جاری تھی۔ وہ چونکہ بڑے تھے اس لئے وقتاً فوقتاً میری ٹانگ کھینچ لیا کرتے تھے۔ آج بھی اُن کا داؤ چل گیا۔ میں نے اندر داخل ہوتے ہی آہستہ سے سلام کیا جس کا کسی نے بھی جواب نہ دیا۔ میں کھڑا اُن کا منہ تکتا رہا "بیٹھ جاؤ" میں بیٹھ گیا۔ داڑھی والے چچا کے پاس ایک مشہور رسالہ تھا

"یہ افسانہ تم نے چھپوایا ہے؟"

"جی ہاں"

"یہ لڑکی کون ہے؟"

"جس کا افسانہ سمجھ کر آپ نے مجھ سے پوچھا ہے وہی ہوگی اور کون ہو سکتی ہے"
"یہ کیا گندگی اُچھالی ہے؟" بڑے چچا کافی تیز طرار تھے
"یہ پکا بدمعاش ہے حرامزادہ خود بھی قتل ہو جائے گا اور ہمیں بھی کروا دے گا
اس کو پتہ چل گیا تو وہ اسے چھوڑ دے گا؟ وہ جاٹ ہے اس کا بھیجا نکال دے گا۔
اس کا ایک ہی حل ہے کہ فوراً تمام پرچے اکٹھے کر لئے جائیں۔ یہ اکٹھے ہو سکتے
ہیں؟"
"نہیں"
"تم اسے چھپوانے سے پہلے ڈوب کیوں نہ مرے؟"
"یہ بکواس کرتا ہے سب من گھڑت کہانی ہے ایک شریف انسان کو بدنام کر رہا ہے"
"سب پرچے اکٹھے کرو اور میرے گھر سے ابھی دفعہ ہو جاؤ۔ میں تمہیں رات
ٹھہرنے کی بھی اجازت نہیں دے سکتا۔ یہ حرامزادہ بہت جلد گرفتار ہو جائے گا"
"میرے پاس کافی ثبوت موجود ہیں۔ میرے گرفتار ہونے سے پہلے اور بھی کئی
گرفتار ہوں گے"
"یہ حرامزادہ بدمعاش ہے دیکھا کس طرح بات کرتا ہے۔ بس تم دفعہ ہو جاؤ"
میں اُٹھ کر چلا آیا۔ چلا تو آیا پر جیب میں صرف دو تین روپے تھے۔ ان حالات
میں روپیہ نہ ہونا تو سب سے بڑا گناہ تھا۔ اُس وقت میں نے مستقبل کے متعلق زیادہ
سوچنا کچھ مناسب نہ سمجھا۔ پہلا کام ولائیت کو ملنا تھا اس کے بعد کوئی پروگرام بنایا

جا سکتا تھا۔ رات چوروں کی طرح اسٹیشن پر کٹی۔ صبح میں شاہ اسٹیشن پر ایک دوکاندار کے پاس اپنا اٹیچی رکھ کر گاؤں موسٹے چلا گیا۔ بُوا میرا انتظار کر رہی تھی۔ گاؤں کے سب لوگ میرے واقف تھے شک ہونے کا احتمال تھا میں نے کہا "یہاں ٹھیک نہیں ماسٹر صاحب کے گھر آ جاؤ۔ پہلے میں چلا جاتا ہوں کچھ دیر بعد آپ آ جائیں" ماسٹر صاحب کے گھر اُن کے دو شاگرد کمرہ سنوار رہے تھے میں نے اُن سے چابی لے لی اور پیغام بھیج دیا کہ اس نمونے کا مہمان ہے ساتھ ہی کہہ دینا کہ چھٹی ہو تو آئیں وقت سے پہلے آنے کی ضرورت نہیں"۔ بُوا نے اندر داخل ہوتے ہی کہا

"آپ ہی کا انتظار کر رہی تھی۔ میں تو کب کی چلی جایا کرتی ہوں"

"اب اُسے کہاں لائیے گا؟ کیسے آئے گی؟"

"اُسی دن سے اُس نے کان میں درد کا بہانہ بنا رکھا ہے۔ اپنی آپا سے کہہ رہی تھی" بُوا کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس بھیج دو"

"بہلنہ اچھا ہے کہنا تاجدا چھے ڈاکٹر ہیں وہاں دکھلا آتی ہوں اس طرح دو تین گھنٹے وقت مل جائے گا"

"اُسے لاؤں کہاں؟"

"یہیں لے آؤ کہیں اور گئے تو وقت ضائع ہوگا"

"یہاں کیسے لاؤں؟ میرے تو سب ہی واقف ہیں"

"مجھے خود یہاں کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ لے آؤ کوئی حرج نہیں کسی کو کیا پتہ کون ہے"
وہ چلی گئی اور گھنٹہ بھر بعد واپس آئی
"اُس کی ماں نے صرف ملوٹے تک جانے کی اجازت دی ہے میں نے کہا بھی کہ اس ڈاکٹر کے پاس سامان نہیں ہوگا اُس نے مجھے دیکھنے کے لئے بھیجا ہے آپ وہیں لاٹے پر آجائیں"
"وہاں؟ وہاں تو سب دکاندار میرے واقف ہیں۔ ڈاکٹر تک واقف ہے۔ وہ جگہ بہت خطرناک ہے کسی طرح یہاں لے آیئے۔ اس میں مشکل کیا ہے اُدھر جانے کی بجائے اِدھر آجائیں"
وہ چلی گئی۔ میں بار بار اُٹھ کر دیکھتا رہا کہ کہاں تک پہنچی ہے۔ یہاں سے اُن کا مکان صاف نظر آتا تھا۔ راستے میں صرف کھیت تھے اِس لئے اُن کے دروازے کھڑکیاں تک نظر آجاتے۔ کافی انتظار کے بعد بُوا دکھائی دی۔ اُس کے ساتھ ایک میلا سا سفید بُرقعہ اُوڑھے ایک عورت بھی آرہی تھی۔ مکان کے کچھ فاصلہ پر بُوا الگ ہو گئی اور وہ ڈیوڑھی میں داخل ہو گئی "بی بی کہاں جانا ہے؟" ڈیوڑھی میں بیٹھے ہوئے بڑھئی نے اپنا رندہ روک لیا "ماسٹر صاحب کے گھر" وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی "ماسٹر صاحب اُوپر نہیں ہیں" "اُوپر ہی ہیں" وہ اُوپر چڑھ آئی اور بڑھئی جس کی دُکان یہی ڈیوڑھی تھی اپنے کام میں لگ گیا۔ میں پہلے ہی سے صحن میں کھڑا اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ آتے ہی اُس کا ہاتھ پکڑ کر چوم لیا۔ وہ

بیٹھتے ہی بولی "پانی۔ پانی ہے یہاں ؟" میں نے بالٹی سے پانی کا گلاس بھر دیا۔ دو گھونٹ پینے کے بعد وہ لیٹ گئی۔ میں نے ٹانگیں دبانا شروع کر دیں اُس نے ہنستے ہوئے ہاتھ پرے ہٹا دیے۔ میں نے کلائی پکڑ کر نبض دیکھی، وہ اُسی مسکراہٹ سے بولی۔

"بخار تو نہیں ہے"

"پھر کیا ہے ؟ خمار ہے ؟ میں مسکرانے کے بعد فوراً ہی سنجیدہ ہو گیا "جان کیسی صورت بنا رکھی ہے ؟

اُس کے سپید سپید دانت پیلے ہو چکے تھے منہ سے بدبو آ رہی تھی، بدن سے بدبو آ رہی تھی کپڑے جیسے برسوں سے یہی پہن رکھے ہوں

"جب سے آپ گئے ہیں آج تک نہیں نہائی"

"جان اتنی جلدی کیوں کی ؟ میرا انتظار تو کر لیا ہوتا"

"میں نے کی۔ آپا کو شک تھا۔ وہ روز مجھ سے پوچھا کرتیں "ولائیت تاریخ گذر گئی ہے ابھی تک خاموشی کیوں ہے" میں نے کہا "ہو گیا تھا" وہ نہ مانیں روز ہی پوچھتی تھیں "سچ سچ بتا دو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے" میں نے تنگ آ کر کہہ دیا جاؤ نہیں آتا کر لو جو کچھ کرنا ہے۔ پھر انہوں نے مجھے ہسپتال بھیج دیا میں نے آپ کو خط لکھنا چاہا۔ مگر پتہ معلوم نہیں تھا۔ سوچ سوچ کر آپ کے پاپا جی کی معرفت شاہ کے پتہ پر ہی خط بھیج دیا۔ اس میں لکھا تھا

ہسپتال میں ہوں آپ فلاں وارڈ میں آجائیں میں نے جلد سرگودھے چلی جانا ہے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا سرگودھے میں بیاہ کی بات چیت ہو رہی ہے۔ میں نے سوچا اس نام سے آپ جلد سمجھ جائیں گے۔ پھر میں پچھتائی کہ کیوں چٹھی لکھ دی۔ میری چٹھی مل گئی تھی؟"

"نہیں" میں نے نفی میں سر ہلا دیا

"جو کچھ میرے ساتھ ہوا ہے......"

"سب تمہاری آپا کی مہربانی ہے انہوں نے تو تمہیں موت کے منہ میں دھکیل دیا تھا تم ہی بھاگ نکلی ہو"

"میری آپا جیسا کون ہوگا۔ پاگل بنی ہوئی ہیں پتہ نہیں اُن کو کیا ہو گیا ہے میرے لئے آپانے پانی کی طرح روپیہ بہا دیا"

"ہمدردی تو انہوں نے بہت کی مگر غلط طریقے سے۔ اب کیا خیال ہے؟"

"جس طرح آپ کہیں"

میں نے اُسے گلے سے لگا کر زور سے بھینچ لیا۔ ہونٹ لبوں سے پیوست ہو گئے۔ اور ایک بار پھر خون میں حدت پیدا ہو گئی

"جان تم نے کیوں مجھے ہمیشہ بیگانہ سمجھا اگر میں بھی ڈمردی جیسا ہوتا تو آج اس حالت میں بھی تجھ سے پیار کرتا"

"میں نے آپ کو کب بیگانہ سمجھا؟"

اُس دن جب تمہارے چاچاجی نے دروازہ بند کر لیا تو تم نے کہا تھا "آپ نے تو مجھے پوچھا تک نہیں" وہ تمہارے دل کی آواز تھی جو گھبراہٹ میں خود بخود لبوں تک آ گئی۔ پھر تم نے صحن میں یہ جملہ یہ اشارہ کیوں کیا کہ کوئی دروازہ نہیں کھلا۔ میں خود برآمدے میں گیا تھا اور تمہیں آپا کے ساتھ باتیں کرتے سُن کر آیا تھا"

"سچ سب دروازے بند تھے مجھے دروازہ کھٹکھٹانا پڑا تھا پھر آپا نے کھولا تھا"

"تمہیں جھوٹ بولنے کی بہت بُری عادت ہے کتنی مرتبہ کہہ چکا ہوں میرے سامنے جھوٹ نہ بولا کرو"

"کیوں؟ آپ خُدا سے بڑے ہیں؟ جھوٹ تو اس کے سامنے بھی بول لیا جاتا ہے"

مجھے غصہ بھی آیا اور تکلیف بھی پہنچی۔ میں بھی کہہ سکتا تھا تم میری خدا ہو تمہیں ہر بات سچ سچ بتا دیتا ہوں۔ اگر وقت کی کمی کا احساس نہ ہوتا تو میں آج ضرور لڑ پڑتا۔ پھر میں نے جیسا کہ میری عادت ہو چکی ہے اُس کی غلطی کو نظر انداز کر دیا

"چھوڑو اس قصے کو۔ اب اپنے مستقبل کے متعلق سوچو۔ یہ لوگ تو تمہیں کہیں نہ کہیں بیاہ ہی دیں گے تم سوچ لو وہاں اطمینان کی زندگی بسر کر سکو گی"

"مجھے تو خبر نہیں ——— پر"

"پر" کے متعلق تم خود سوچ لو ایک بات ہے دو پہلو ہیں۔ ایک طرف تمہاری آپا کی خوشی ہے دوسری طرف تمہاری زندگی کا سوال ہے۔ کیا اپنے گناہ چھپا سکو گی؟ ہمارے قصے کے متعلق بے شمار لوگ جانتے ہیں ممکن ہے اُن کو کوئی بتا دے یا تمہارے قریب ہونے پر

خود ہی پتہ چل جائے تم نہ صرف ایک بیاہتا ہو بلکہ ایک بچے کی ماں بن چکی ہو. ایک کنواری لڑکی میں اور ماں میں کتنا فرق ہوتا ہے؟ اگر وہ بُدھو نہ ہوا تو چند لمحوں ہی میں جان جائیگا پھر؟ جانتی ہو پھر کیا ہوگا ایک ہی رات میں تمہاری بھونرں سے بھرپور زندگی جہنم بن جائے گی اس خزاں کے بعد کبھی بہار نہ آئے گی۔ جس طرح اب بہتر سمجھتی ہو کرو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میں نے صرف تمہیں ایک پہلو دکھایا ہے کہ اگر ایسا ہو جائے تو پھر تم کیا کرو گی۔ میں تمہیں کسی بات پر مجبور نہیں کرتا۔ اپنے متعلق تم نے ہمیشہ مجھ سے بہتر جانا ہے آج بھی میں تمہاری ہی رائے سے متفق ہوں۔ یہ نہ سمجھ لینا کہ تمہیں اس حالت میں چھوڑ کر جاؤ گا جانا چاہتا ہوں۔ مجھے دُوسروں کو برباد کر کے خوش رہنا نہیں آتا۔ میری محبت میں نہ آج کمی واقع ہوئی ہے نہ اُس وقت ہوگی جب تم اپنے خاوند کے ساتھ بچوں میں گھری ہو گی۔ میری محبت چٹان کی طرح اٹل ہے۔ تم نہ ہو گی تو تمہاری یادیں ہوں گی۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم اپنے مستقبل کے متعلق سوچ لو اگر میرے ساتھ خوش رہ سکتی ہو تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں اور اگر اللہ میاں کی گائے بن سکتی ہو تو وہ تمہاری اپنی مرضی ہے"

"مجھے کہیں لے چلیئے"

"میری طرف سے ابھی چلی چلو میں تو گھر والوں کو خیرباد کہہ ہی آیا ہوں"

"دو کچھ دن ٹھہر جائیے"

"دو کس لئے؟"

"وہ مجبوراً دو دن دسویں کا امتحان دے رہا ہے" وہ مسکرا دی اور پچھلی مرتبہ بھی فیل

ہو گیا تھا ——— پھر چلی چلو گی

"کس طرح چلو گی؟ اپنے کپڑے لے آؤ گی؟"

"نہیں۔ اندر جا کر کہہ دوں گی۔ سب کے سامنے"

"وہ کیوں؟"

"جب جانا ہی ہے تو چوری کیوں جائیں۔ آپ ٹیکسی لا سکیں گے؟ صرف تاجور تک!"

"ٹیکسی چھوڑ کار لے آؤں گا۔ اتنے دوستوں کے پاس کاریں ہیں کسی کی بھی لے آؤں گا مگر دن کو جانا ٹھیک نہیں"

ٹھیک کیوں نہیں؟ میں دروازے میں کھڑی ہو کر آپا سے کہہ دوں گی" اور آپ بھی کہہ دیجئے گا خالہ جی میں اپنی بہیز اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں"

"اس طرح ٹھیک نہیں تاجور پہنچکر فون کر دیں گے"

"پھر کیا ضرورت ہے وہ خود ہی سمجھ جائیں گے کہ کہیں جھک مار رہے ہونگے"

بُوا آگئی اور مجبور کرنے لگی کہ اسے جلد بھیج دیجئے بہت دیر ہو چکی ہے۔ برہم نے تو زندگی کا پروگرام بنانا تھا اس کے بعد ملاقات ہونا ناممکن تھی۔ بُوا کہتی ہی رہی "میں کل پھر لے آؤں گی" برہم نے اُس کی ایک نہ سنی۔ وہ بھی بڑی ضدی تھی اڑ گئی میں نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے "بابا دو منٹ ٹھہر جاؤ" وہ نیچے چلی گئی

"بڑی حرام خور ہے مجھے لاتی ہی نہیں تھی کہتی تھی تمہاری آپا کی حالت دیکھی نہیں جاتی نہ جاؤ۔ آپا تو پاگل ہو گئی ہے"

"خوا مخواہ جو مصیبت مول لے رکھی ہے جب انہیں اتنی دیر سے پتہ ہے کہ ہمارے منع کرنے کے باوجود یہ ملنے سے باز نہیں آتے تو کیوں نہیں شادی کر دیتے؟ ضد کا یہی نتیجہ ہوتا ہے"

"بس ہیار علی اور چاچا جی میرے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ اُونچی اُونچی رو پڑے وہ اس طرح کبھی نہیں روئے تھے۔ انہوں نے اپنی پگڑی میرے پاؤں میں رکھ دی" ولائیت تم اب بھی ہماری عزت بچا سکتی ہو" میں نے منہ پر چادر لپیٹ لی۔ اس کے بعد آپا نے کئی مرتبہ مجھے کہا تمہاری شادی کر دیتے ہیں۔ میں نے یہی جواب دیا "میری شادی کوئی نہ کرے۔ مجھے نہیں ضرورت"

"تم نے صاف کیوں نہ کہہ دیا؟"

"ان حالات میں کیسے کہا جا سکتا ہے؟"

"بُوا کہتی تھی تمہاری آپا نے تجھ سے کہا تھا۔ اگر تم کہو تو تمہاری شادی اسی کے ساتھ کر دیتے ہیں اور تم نے جواب دیا تھا مجھے نہیں پتہ۔ تم نے صاف کیوں نہ کہہ دیا"

"بُوا جھوٹ کہتی ہے"

ولائیت ایک بات پوچھوں بتاؤ گی؟ سچ سچ بتانا۔ میری طرف دیکھو! مجھ سے آنکھیں ملاؤ۔ میں نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دئیے" خدا کے واسطے سچ بتانا"

"ہوں" اُس نے سر ہلا دیا

"تمہارے کسی اور سے بھی تعلقات رہ چکے ہیں؟ سچ بتانا میں ذرا بُرا نہ مانوں گا"

"نہیں"

"پھر سوچ لو" اُس نے دوبارہ نفی میں سر ہلا دیا

"میں تمہیں بتاتا ہوں ــــــ وہ لمبا سا کالے رنگ کا سپاہی تھا۔ اُسے جانتی ہو؟"

"نہیں"

"بکواس نہ کرو۔ تمہارا خط جو تم نے اُسے بھیجا تھا میرے پاس موجود ہے جس میں تم نے اُسے لکھا تھا۔ ملنے کا اور تو کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ قصبہ شاہدرہ میں ہمارے رشتہ دار ہیں بس راستے میں ملاقات ہو سکتی ہے۔ میں نے تمہارا خط اپنے خطوط میں رکھ کر دیکھا ہے ذرا بھی فرق نہیں۔ وہ اَن پڑھ تھا دستخط بھی نہ جانتا تھا اور کوئی بی اے، بی ٹی آدمی تھا جس سے خط لکھوا کر تمہیں بھیجا کرتا تھا۔ کیا سب جھوٹ ہے؟ کیا وہ تمہارا خط نہیں؟" میری پیشانی پر کتنے ہی بل تھے

وہ رو پڑی۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد میں نے پتلون کی جیب سے دھوبی کا دُھلا سفید رومال نکال اُس کے آنسو پونچھ ڈالے "تمہاری پسند کا بھی جواب نہیں۔ پہلے مجھ جیسے بدھو کو پسند کیا پھر اُس کالے کلوٹے سپاہی کو جو ایک ہی خاکی پتلون چو ر ملادوں میں اڑائے اکڑا پھرتا تھا" دراصل میں اُسے ہنسانا چاہتا تھا میں نے اُسے کبھی اتنے سخت الفاظ نہ کہے تھے "بکواس نہ کرو" مجھے یہ کہنے کے بعد کچھ افسوس سا ہوا تھا میں نے پھر کہا "دلایت آنسو پونچھ لو کوئی بات نہیں غلطی ہو ہی جاتی ہے اور تو نہیں کچھ ہوا تھا؟" اُس نے سر ہلا دیا "نہیں"

مجھے یقین نہ آیا۔ اس نہیں میں بھی مجھے نفی و مثبت کا امتزاج نظر آرہا تھا یہ بات میں نے بارہا اُس سے پوچھی تھی اور آج ہاتھ جوڑ کر اتنی سنجیدگی سے التجا کی۔ مجھے پھر بھی احساس نہ ہوا۔ میرے ہاتھوں کی ہی لاج رکھ لی ہوتی۔ میرے ایسے خود دار شخص کو ایسی حالت میں دیکھ کر بھی اُس کا دل نہ پسیجا۔ آخری لمحے تک جب تک کہ اُسے یقین نہ ہو گیا کہ واقعی

خط میرے ہاتھ میں آگیا ہے اپنی صفائی پیش کرتی رہی کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ آخری وقت تک مجھے بیوقوف بنایا۔ جھوٹ میں اس قدر پختگی! توبہ!! ایسی ولایت تو میرے ذہن میں کبھی بھی نہ آئی تھی۔ وہ جنگلے والا راستہ ولائیت نے ہی مجھے بتایا تھا۔ اُس کی موجد ولائیت ہی ہو سکتی ہے "یہی داستانِ محبت کا زینہ بنا رہا ہوگا ورنہ ولایت کو اس راستے کا کبھی پتہ نہ چلتا" یہ گھناؤنا خیال میرے دماغ میں چکر لگاتا رہا "یہ ضرور اسی راستے اُسے ملتی رہی ہے، چاند ضرور پہلے سے ذخمی تھا کوئی یونہی تو نہیں لکھ دیتا "جہاں اتنی جوانی گذر گئی ہے یہ دس بارہ دن بھی گذر جائیں گے" ان الفاظ میں کنوارا پن کی بجائے رانڈاپا رچ بس رہا ہے اسے پرکھنے کے لئے صرف نظر غائر کی ضرورت تھی میں تو اس وقت بھی سوچ میں پڑ گیا تھا مگر مذاق بنتی ہوئی محبت میرے خیالوں کو روندتی ہوئی نکل جاتی تھی۔ بُوا پھر آگئی

"بہت دیر ہو چکی اب اور نہ دیر کرائیے"

"ابھی ہم اصل موضوع کی طرف تو آئے ہی نہیں۔ آپ چلی جائیں۔ میں اسے خود چھوڑ آؤں گا"

"نہ بھائی نا۔ ایسا تو میں ہرگز نہیں کرنے دوں گی"

"بُوا بس دو منٹ اور ٹھہر جاؤ۔ تم نیچے چلو میں آتی ہوں"۔ بُوا پھر نیچے چلی گئی

"یہ کان میں روئی کیوں اڑدس رکھی ہے؟"

"ابھی آپ نے پتہ نہیں کیا کیا کرنا ہے"

"پھر آپ کیا پروگرام طے ہوا؟"

"میں آپ کو ایک رقعہ بھیجونگی اُس میں سب کچھ لکھ دونگی"

"سب کچھ کیا؟ یہیں بتا دو نا"

"نہیں"

"اچھا یہ لو کاغذ اس پر لکھ دو میں اُدھر چلا جاتا ہوں"

"نہیں میں وہاں سے لکھ بھیجونگی"

"لکھ جاؤ جو کچھ لکھنا ہے خواہ نخواہ انتظار میں مرتا رہوں گی۔ تم نے جو بھی لکھنا ہے لکھ دو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ میں تو گذارہ ہی لوں گا مرکر یا جی کر جیسے بھی گذری گذار لوں گا۔ تم نے جو لکھنا ہے جلدی جلدی لکھ دو"

میرا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ میں اُسے قلم اور کاغذ دے کر پرے سیڑھیوں کے دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ ایک چکر سا آگیا پاؤں لڑکھڑا گئے میں نے دروازے کو مضبوطی سے پکڑ کر آنکھیں بند کرلیں۔ مجھے پیاس کی شدت ستا رہی تھی۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا وہ قلم ہونٹوں پر رکھے کھڑی تھی۔ میں اندر چلا آیا کاغذ ابھی تک خالی پڑا تھا

"لکھنا نہیں"

"آپ اسی کے ہاتھ پیغام بھیج دیں میں آجاؤں گی"

"اگر پیغام راستے میں ہی رہ گیا پھر؟ اس طرح ٹھیک نہیں کوئی دن مقرر کرلیں

اُس دن عین وقت پر آجاؤں گا"

"جب آپ آسانی سے لے جاسکیں آجائیں۔ اتنے دنوں میں آپ انتظام کرلیں۔ بہت دُور نہ پھینکئے گا"

"انتظام کا کیا ہے۔ اب چلی چلو"

"نہیں آج نہیں"

"اچھا۔ پندرہ دن کے بعد رات کے دس بجے آؤں گا۔ ٹھیک ہے؟"

"ہاں۔ آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹا دیجیے گا۔ میں آجاؤں گی"

"بھول تو نہ جاؤگی؟"

"نہیں"

"میری زندگی کا سوال ہے"

"ہاں"

"بُوا پھر آگئی۔ ابکی اُس نے ہمارا کوئی بہانہ نہ سُنا۔ ذرا اُونچی اُونچی بولنے لگی" "آپ تو مجھے بھی مروادیں گے۔ دُوسرے کا بھی خیال کرنا چاہیئے۔ میں اُن کو کیا جواب دُونگی کوئی بھلا کرے تو اُس کے ساتھ ایسا کرنا چاہیئے؟"

"چل میں آرہی ہوں" اُس نے بُرقعہ اوڑھ لیا۔ ہم گلے ملے دونوں کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے"

"پیدل نہ جانا۔ تانگے پر جانا"

"یہاں تانگا کہاں ملے گا۔ کھیتوں میں سے چلی جاتی ہوں زیادہ دُور نہیں ہے۔"

پے درپے الوداعی بوسوں کے بعد وہ رُخصت ہو گئی اور میں دیر تک اُنہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ کبھی ہرے بھرے کھیت اُن کو اپنے دامن میں چھپا لیتے، کبھی سبزے کے آنچل سے نکل کر چاند جگمگا اُٹھتا۔ بڑا پیارا سماں تھا۔ جب وہ چق اُٹھا کر صحن کے دروازے میں داخل ہوئیں اُس وقت بھی میں اُنہیں دیکھ رہا تھا۔ دل میں رنگا رنگ کیفیتوں نے مل کر ایک عجیب سا امتزاج پیدا کر دیا تھا۔ کبھی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگتے کبھی گنگنانے کو جی چاہتا

ضو سے اُس خورشید کی اختر مرا تابندہ ہے
چاندنی جس کے غبارِ راہ سے شرمندہ ہے

پھر یہ امتزاج بھیانک پہاڑ تلے دب گیا۔ زندگی کے لئے سہاروں کی ضرورت تھی نوکری! رہائش!! ولائیت!!! اس زندگی کی کشتی کو تین چپوؤں کی ضرورت تھی۔ ایک بھی کم ہو تو کنارے تک پہنچنا مشکل تھا۔ میں گاؤں ہرنی سے تاجور آیا۔ بس نے زیادہ سے زیادہ آدھ گھنٹہ لگایا ہوگا۔ میرا پروگرام تاجور ہی رہنے کا تھا۔ میں دُور دراز نہیں جانا چاہتا تھا کیونکہ یہاں پر مجھے بے شمار سہولتیں میسر آ سکتی تھیں۔ فی الحال تو بڑی بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ میں سارا دن گھومتا رہا مگر ملازمت کے لئے اُمید کی کرن بھی نظر نہ آئی۔ پاؤں میں آبلے پڑ گئے بھوک الگ بُرا حال کر رہی تھی۔ رات بھی سر پر آ رہی تھی میں کچھ نہ سوچنا چاہتا تھا۔ مجھے ایکدم تین چیزوں کی ضرورت تھی نوکری؟ رہائش؟ ولائیت؟

تینوں ہی عقدۂ لاینحل۔ آسانی سے کوئی بھی مشکل حل نہ ہو رہی تھی۔ یہ رنج و الم کے پہاڑ اچانک سر پر آ پڑے تھے حیران تھا اب کیا کروں سوچتا تو سمندر میں ڈوب جاتا۔ اسی ڈبکیوں اُچھلوں میں ایک دوست مل گیا۔ باتوں باتوں میں اُن کے گھر پہنچ گئے۔ رات کے قیام کا بہانہ بن گیا۔ صبح ناشتہ کرنے کے بعد میں پھر منزل ڈھونڈنے لگا۔ اتنی بے تکلفی کے باوجود میں نے اپنے حالات کے متعلق اشارہ تک نہ کیا۔ خواہ مخواہ دُوسرے کو کیوں پریشان کیا جائے شام تک پاؤں کے آبلوں میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ بھوک بھی ستا رہی تھی۔ دوپہر کا کھانا نصیب ہی نہ ہُوا تھا۔ آج رات کہاں بسر ہو گی؟ اس کے متعلق میں نے سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا کیونکہ بہت سوچنے کے بعد بھی یہ عقدہ حل نہ ہوتا۔ خواہ مخواہ کیوں دماغ خراب کیا جائے۔ رتوں کا فی عزیز تھے مگر ان کے ہاں ٹھہرنا اس لئے مناسب نہ سمجھا کہ گھر والوں کو ضرور پتہ لگ جاتا۔ اُن کا مجھ پر ہمیشہ اُلاہنا رہتا "آخر ہمارے ہی نام پر تجھے پناہ ملی" دوستوں کے ساتھ کافی اچھا وقت گذرا تھا۔ اس لئے اب میں اُن کا مذاق نہ بننا چاہتا تھا سمجھدار لوگ خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ واقعات کی طرف کوئی نہیں دیکھتا۔ اُن کو تو بس تفنن طبع کا سامان چاہیئے۔

مَیں بہت گھوما پاؤں زخمی ہو گئے، فاقوں سے صحت گر گئی۔ آج بھی ولایت کو چھوڑ دیتا تو سارے آرام پھر سے میسر آ سکتے تھے مگر یہ آرام ملنے کے بعد بھی میں کبھی سکون کی زندگی بسر نہ کر سکتا تھا اس لئے جس مقصد کو لیکر چلا تھا اُسے راستے میں نہ چھوڑنا چاہتا تھا میں جانتا تھا یہ تکلیفیں وقتی ہیں۔ ایکدم۔ اچانک کسی کے بھی ایسے حالات ہو جائیں میری طرح ہی محسوس کریں

کھانا پڑیں گی۔ اگر مجھے آج ملازمت اور رہائش کے لئے جگہ مل جائے تو ساری راحتیں واپس
آسکتی تھیں۔ میں بے حد مجبور ہو گیا۔ وہ ایک کافی مخلص دوست تھے۔ اُن سے صرف اتنا
کہا کہ حالات ایکدم پلٹا کھا گئے ہیں اس لئے فوری طور پر رہائش اور نوکری کی ضرورت ہے
ایک کو چونکہ میری رام کہانی کے متعلق پہلے بھی کچھ علم تھا اس لئے مَیں نے اُسے کہانی کا باقی
حصّہ بھی سُنا دیا۔ اُس نے کہا " فکر نہ کرو کوئی بات نہیں سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ روپے کی
ضرورت ہو تو مجھ سے لیں رہائش کا بھی دو چار دن میں انتظام ہو جائے گا"۔ مجھے روپے کی
سخت ضرورت تھی مگر خود دار طبیعت نے گوارا نہ کیا۔ اس لئے مَیں نے فوراً کہہ دیا فی الحال تو
کام چل ہی رہا ہے۔ ضرورت پڑی تو قرض لے لُوں گا۔ دُوسرا دوست ایک بڑے اچھے اخبار
میں تھا۔ اُس نے مجھے دو چار روز انتظار کے لئے کہا کیونکہ اخبار کا جنرل مینیجر کہیں گیا ہوا
تھا۔ وہ آگیا تو مجھے ملازمت مل گئی۔ رہائش کے لئے جگہ کا بھی انتظام ہو گیا۔ میں بے فکروں
کی طرح پھرنے لگا۔ اب ایک سوال باقی تھا روپیہ پاس نہیں اور ولائیت کو بھی لانا ہے'
ایسی صورت ہونا چاہیئے کہ قانون کے شکنجے سے بھی بچ نکلیں اور شریعت کی گرفت بھی ڈھیلی
پڑ جائے۔ یہ گتھی سلجھانے کے لئے وکیل کی ضرورت تھی' قانون کی ضرورت تھی اور قانون خریدنے
کے لئے روپیہ چاہیئے تھا۔ اُسے یونہی لے آنا حماقت تھی خواہ مخواہ بدنامی ہوتی۔ مجھے ہزاروں
جانتے ہونگے اصل واقعات کوئی بھی نہ دیکھے گا سارا الزام میرے ہی سر دھرا جائے گا قانون
کی زد سے بچنا نہایت ضروری تھا۔ میں کبھی کسی پبلشر کے پاس نہ گیا تھا مگر اب ان چند اہم
واقعات کو سر کرنے کے لئے روپے کی اشد ضرورت تھی میرے دوست نے مجھے مشورہ دیا کہ

ضبط سے کام لو اور مسودہ بیچ دو۔ رقم یہ مل جائے گا۔ سارا قصہ ختم ہو جائے گا۔ آئندہ تو تنخواہ مل ہی جایا کرے گی۔ چنانچہ ہم دونوں اس غرض سے آ رہے تھے۔ راستے میں اپنی بے عزتی کا تبصرہ ہو رہا تھا" ہمارے معیار سے کس قدر گری ہوئی بات ہے کہ کسی پبلشر کو جا کر کہیں مسودہ خرید لو اُن کو ضرورت ہو تو وہ خود آئیں" "پر اب تو ہمیں ضرورت ہے اور ایسے وقت میں تو گدھے کو بھی باپ بنا لیا جاتا ہے" ہم خراماں خراماں آ رہے تھے کیونکہ اب کوئی خاص فکر کی بات نہ تھی تمام مشکلات حل ہو چکی تھیں۔ منزل پر پہنچا ہی چاہتے تھے کہ والد ماجد اور ایک پبلشر جو سلسلہ نصب کے لحاظ سے میرے بابا لگتے تھے اگرچہ عمر میں والد صاحب سے بھی چھوٹے تھے بازار میں کھڑے باتیں کرتے مل گئے۔ ہم خاموش اُن کے پاس سے سلام تک کئے بغیر گذر گئے۔ اُنہوں نے ہماری طرف دیکھا تو میں نے منہ پھیر لیا۔ پھر بابا نے آواز دی

"ذرا بات سُن جاؤ"

"مجھے کام ہے پھر کسی وقت آؤں گا"

"ایک منٹ۔ بات سُن جاؤ"

"اس وقت فرصت نہیں"

"مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنا ہے" والد بڑے تلخ انداز میں بولے

"اس وقت تو میں اپنے دوست کے ساتھ جا رہا ہوں پھر کبھی سہی"

"آپ کو ان سے کام ہے؟" والد میرے ساتھی سے مخاطب ہوئے

"کام کے بغیر اس زمانے میں کون باہر نکلتا ہے؟ زندگی کی مصروفیتیں اجازت ہی کب دیتی ہیں"

"آپ انہیں ذرا اجازت دے دیجئے"

وہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ میں نے کہا "میں ابھی آتا ہوں۔ بس پانچ منٹ میں۔ آپ وہاں تشریف رکھیں" دونوں پبلشروں کی دُکانیں قریب قریب تھیں اور ہم بازار میں اُن کے پاس ہی کھڑے تھے۔ مَیں نے سوچا چلو دو منٹ اِنکی بھی سُن لو۔ ہم وہاں بیٹھ گئے اور گفتگو شروع ہو گئی

"وہ پرچے کہاں ہیں؟"

"فروخت ہو رہے ہیں"

"کتنے ہو چکے ہیں؟"

"آدھے سے زیادہ"

"میں سارے پرچے دفتر سے لے آیا ہوں"

"میں ابھی پولیس کو اطلاع کر دیتا ہوں"

ڈار صاحب چیخ اُٹھے "میں پاس بیٹھا ہوں" مَیں خاموش رہا۔ جی چاہتا تھا کہہ دُوں آپ کے بھی کافی احسانات مجھ پر ہیں پر اس طرح بات بڑھ جاتی اور مَیں نے جلد واپس جانا تھا

"یہ پرچہ ضبط ہو جائے گا"

"یہ بات آپ کئی مرتبہ دُہرا چکے ہیں آپ اپنا شوق پُورا کر دیکھئے۔ میں کیس لڑ کر آپ کی خوش فہمی دُور کر دُوں گا۔ بے فکر رہیئے اتنی آسانی سے ضبط نہ ہونے دُوں گا"

"اس میں سوائے محلے کی عشق و عاشقی کے کچھ بھی نہیں"

"آپ کی رائے کا شکریہ۔ اس سے پہلے کہ آپ یہ بات کہتے اگر آپ نے اپنے ملک کے نقادوں کی رائے پڑھ لی ہوتی تو شاید آپ کو اتنی تکلیف گوارا ہی نہ کرنا پڑتی۔ میری چیزیں اچھے پرچوں میں ہی شائع نہیں ہوتیں بلکہ معیاری ادبی جلسوں میں بھی پڑھی جاتی ہیں اور انہیں سراہا جاتا ہے"

"تم اس میں کچھ ردو بدل کر کے بیچ لو۔ والد صاحب کا اُبال زوال پکڑ رہا تھا

"ہاں ردو بدل کر لو میں بھی کافی فروخت کر دُوں گا"

"آپ تو یُوں کہہ رہے ہیں جیسے میں ہی ایڈیٹر یس ہی مالک ہوں۔ اس میں کچھ بھی نہیں بدلا جاسکتا"

والد صاحب اُکتا کر اُٹھنے لگے۔ میں اُن کے اُٹھنے سے پہلے ہی اُٹھ کر آگیا۔ میرے پیچھے پیچھے بابا بھی تشریف لے آئے

"اس طرح نہ کرو بھائی جان سخت ناراض ہیں" وہ عمر میں چھوٹے ہونے کی حیثیت سے اُن کو بھائی جان کہتے تھے

"مجھے کیا پرواہ ہے"

"تمہارا باپ ہے"

اُس وقت میرا باپ کہاں تھا جب میرے پاس کھانے کے لئے ایک پائی بھی نہ تھی رہنے کے لئے جھونپڑا تک نہیں تھا جب اُنہوں نے مجھے بالکل بے بس کر دیا تھا، اُس وقت تو انہوں نے نہ سوچا کہ ان حالات میں ایسے بے کاری کے زمانہ میں یہ ایکدم کیا کیا کرے گا۔ کہاں رہے گا کہاں سے کھائے گا۔ میری صرف ایک شرط ہے اگر اُن کو منظور ہو تو پرچہ رُکوا دُوں گا ورنہ وہ ہے ولایت سے شادی"

"میں اُن سے پُوچھتا ہوں" وہ دُکان میں چلے گئے اور میں وہیں کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد وہ مُسکراتے ہوئے لوٹے

"بھئی وہ مان تو گئے ہیں مگر ساتھ ہی انہوں نے کہا ہے کہ ہم اُن سے پُوچھیں گے اگر انہوں نے انکار نہ کیا تو ہم شادی کر دیں گے"

"ہاں یہ پُوچھیں تو سہی۔ وہ بھلا انکار کیوں کرنے لگے اگر انکار کریں تو پھر بے شک نہ کریں"

"تم تو پاگل ہو۔ وہ آئے ہی تمہیں اپنے کے لئے تھے جانے کا تو بہانہ ہی تھا۔ صبح سے تمہیں ڈھونڈ رہے تھے یہ تو اچھا ہوا تم یہاں مل گئے۔ میں نے انہیں بتایا تھا کہ وہ تاجور میں بھوکا نہیں مر سکتا"

"ہُوں۔ مجھے بھوکا مارنا چاہتا تھا۔ خوب۔ اچھا طریقہ ہے۔ میں پھر بل کھانے لگا اور پھر بھی آگ دل میں چھپائے دُکان کی طرف بڑھ گیا۔ گاڑی کا وقت ہو چکا تھا۔ ان کو اگلے دن انٹرنس کے طلبا کی نگرانی کرنا تھی امتحان شروع ہو رہا تھا اس لئے وہ ابھی

واپس جانا چاہتے تھے۔ مجھے بھی ساتھ ہی چلنے کو کہا۔ میں نے بہت لیت و لعت کی مگر وہ نہ مانے۔ یہاں تک کہ سامان کے متعلق کہا تو کہنے لگے "پھر آ جائے گا" میں نے کہا میں اپنے رفیق کو ہی اطلاع دے آؤں۔ مگر انہوں نے اس پر بھی لیس و پیش کی۔ ہار کر اُن کے ساتھ چل پڑا۔ راستے میں کئی بار خیال آیا کہ وہ غریب کیا کہے گا۔ میرے ساتھ میرے ہی کام کے لئے آیا اور میں اُسے چھوڑ کر یُوں بھاگ آیا ہوں۔ کتنی بڑی بات ہے وہ پتہ نہیں کیا خیال کرے اتنی تمیز تو گنواروں کو بھی ہوتی ہے۔ صبح مجھے نئی نوکری پر جانا تھا وہ بھی انتظار کرتے رہ جائیں گے۔ انہوں نے اس قدر جلدی کیوں کی؟ میں ٹرین میں بیٹھا سوچ رہا تھا شاید ان کا خیال ہو کہ میں ایک بار نہ ہاتھ سے نکل جانے کے بعد پھر نہ آؤں گا۔ گھر سے تو میں اسی خیال سے آیا تھا کہ چاہے کچھ ہو جائے دُنیا بھر کی مصیبتیں گلے سے لپٹ جائیں واپس نہ جاؤں گا۔ مگر یہ ایک ایسی صورت پیدا ہو گئی تھی جس نے مجھے لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ یہی اس قصے کی جڑ تھی اسی لئے تو میں خاک چھان رہا تھا۔ جب اس عقدہ کو وہ خود ہی حل کرنے کے لئے تیار ہو گئے تو پھر باقی کیا رہ جاتا تھا

رات کو ہم گھر پہنچے تو سب سوئے تھے۔ میری چارپائی والا کمرہ اندر سے بند تھا۔ میں نے باجی سے کہا دروازہ کھٹکھٹاؤ۔ دروازہ کھل گیا۔ بڑے چچا مجھے دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے۔ مجھ سے تو کوئی بات نہ کی بھاگے نیچے گئے کہ اپنے بھائی جان سے کہیں وہ سُور پھر آ گیا ہے ان کا خیال ہو گا زمانے کے تھپیڑوں نے میرا منہ پھیر دیا ہے جب

والد صاحب نے بتایا کہ اس شرط پر آیا ہے تو بھیگی مُرغی بنے اُدھر آ گئے۔ صبح اٹھتے
ہی یوں اظہار مسرت کیا "ایسا ہو جائے تو ہمیں کیا اعتراض ہے یہ تو خوشی کی بات ہے"
پھر سب کو پتہ چل گیا بات بات پر ہنسی مذاق ہوتا۔ ایک چچا کی شادی قریب ہی
تھی۔ بڑے زور شور سے تیاریاں ہو رہی تھیں۔ میں سارا دن کُرسی پر بیٹھا سہانے
خوابوں کے جال بُنا کرتا۔ چچی جان کسی کام سے اندر مجھے کنکھیوں سے دیکھ کر ہنستی ہوئی باجیوں
سے کہتیں "کڑیو، جلدی جلدی کرو دو بیاہ اکٹھے آ رہے ہیں" "بھائی جان مجھے کیا دو گے؟"
باجی پوچھتی "جو جی چاہے لینا" میں پھولا نہ سماتا "دُعا کرو جی شادی ہو جائے سات
سات جوڑے تو مل ہی جائیں گے" پھر چھوٹا بھائی آ جاتا بھائی جان یہ رُومال مجھے دے
دیجئے "دیکھوں؟" "آپ کا بیاہ بہت جلد ہو جائے گا" سب کھکھلا کر ہنس پڑتے۔ ان
سب میں بھابی بڑی زندہ دل تھی بھابی بڑی چچی کی ماں تھی مگر سارا خاندان اُن کو بھابی
ہی کہتا۔ وہ سو سال بڈھے کی بھی بھابی تھیں اور دو سال کے بچے کی بھی۔ "جن مل گئے
تیرے بل نہ لگدا ای دل وے" وہ ہنستی گاتی دُوسرے کمرے میں چلی جاتیں۔ میرے خیالات
کا سلسلہ منقطع ہو کر پھر شروع ہو جاتا۔ اگر میں پُوچھ بیٹھتا بھابی جی کہاں چلے؟ جواب
ملتا "ولایت" "کہاں سے آئے؟" "ولایت سے" کیا پکایا ہے؟ "ولایتی کھانا"
اچھا ایک مرتبہ وہ آ لے آپ کے ٹنڈے پنجکر بدلا لے گی۔ جٹنی ہے جٹنی"۔ پھر صحن میں بیٹھی
ہوتیں میں پانی پینے کے لئے باہر آتا تو مجھے دیکھتے ہی چچی سے باتیں شروع کر دیتیں
"اُس کا نام وہاب دین ہے۔ ہاں۔ وہ تو ہماری بھینس دھونے آتا ہے۔ وے تیرے

رشتہ داروں کے کیسے نام ہیں؟" "وہ خود ہی آکر بتلائے گی۔ جلتی ہے اتنی اتنی موٹی باہیں ہیں اُسکی۔ جی ہاں۔ میں اُس کا نام لے کر اُن پر دھونس جماتا پر بھابی بھی بڑی تیز طرار تھی۔ "وے بات تو سُن خوبصورت بھی ہے کہ چاٹی ہی ہے" "بڑی خوبصورت ہے۔ بتا دُل کیسی ہے؟" میں قریب ہی پڑے ہوئے پرچے سے بیگم لیاقت کی تصویر دکھا دیتا "بس اسکی چھوٹی بہن سمجھ لیجئے" "دفع ہو جا وے جھوٹیا میں نے اقبال کے لئے رشتہ دیکھنے ناجور جانا ہے راستے میں تمہارے گھر بھی ٹھہروں گی۔ تمہاری کرتوت دیکھ کر آؤنگی" کوٹھے پر چڑھ کر جھرنوں سے جھانک لیجئے گا نیچے صحن میں بیٹھی ہوگی، پر مجھے فکر ہی رہے گی کہیں آپ وہیں لٹو ہو گئیں تو خواہ مخواہ کی ایک اور مصیبت گلے پڑ جائے گی تجا وے" سچ بھابی جی اللہ میاں کی جنت میں بھی ایسی حور نہ ہوگی" میں بڑی سنجیدگی سے کہتا اور وہ میری کمر پر ایک ہاتھ جماتے ہوئے کہتیں "چل وے جھوٹیا" اور اندر چلی جاتیں۔
بس سارا دن اسی طرح گذر جاتا۔

دو چار دن تک خاموشی رہی تو میں سمجھا مصروفیت کی وجہ سے نہ پوچھ سکے ہوں گے مگر جب دیکھا کہ مجھ سے چوری چوری ایک اور کا نفرنس ہونے لگی ہے اور مجھے دیکھتے ہی سب خاموش ہو جاتے ہیں یا موضوع بدل لیتے ہیں تو میں چوکس ہو گیا۔ میں نے اس ماحول سے اُکتا کر چچی سے کہہ دیا "پھر آپ ہو لے سے کہہ دیں گے" "تم نے ایسا نہیں کرنا تھا یہ نہیں کرنا تھا وہ نہیں کرنا تھا۔ تمہیں چاہیئے تھا ہمیں بتا دیتے۔ اب میں نے کچھ کر دیا تو مجھے نہ کہیئے گا۔ ابھی تک انہوں نے کوئی بات نہیں کی۔ مجھے اُن کی نیت میں

صاف فرق نظر آ رہا ہے اگر میں لڑکی بھگا لے گیا، پھر تو ان کی عزّت بڑھ جائے گی نا؟ پھر آپ کا بھی اور میرا بھی نام روشن ہو جائے گا۔ ان کو میری طرف سے صاف کہہ دیں کہ اگر آپ نے گھر بھر کی توہین برے سے برا قدم اُٹھانے سے بھی گریز نہیں کروں گا'' پیچی نے والد کو جُوں کا توں کہہ دیا۔ والد صاحب نے جواب دے دیا'' وہ ہوا میں تلواریں مت چلائے۔ میں شادی کر دوں گا۔ اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے جس طرح یہ ہیں کہتا ہے وہ اپنے ماں باپ کو کیوں نہیں کہتی۔ پھر کوئی ایسا آدمی بھی تو مل لے جو بات چیت کرائے۔ میں نے خود جا کر تھوڑا کہنا ہے۔'' میں یہ جواب سُنکر خاموش ہو رہا اور حالات کا جائزہ لیتا رہا۔ عجیب لوگ ہیں یہ بھی مجھے قصبہ شاہ میں جانے بھی نہیں دیتے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ولائیت کو کہے کہ وہ بھی اپنی ماں کو مجبور کرے۔ عجیب معمہ ہے۔ پتہ نہیں یہ کب حل ہو گا۔

اس کے بعد بھی حالات ویسے ہی رہے دیں خاموشی رہی کانفرنس۔ کچھ ایسا سننے میں آیا تھا کہ داڑھی والے چچا کنت مخالفت کر رہے ہیں۔ یہ بدلا ہوا رنگ اسی مخالفت کی پیداوار تھا۔ میں چھپے چوری قصبہ شاہ چلا گیا اور نُوا سے کہا ولائیت سے کہو کسی نہ کسی طرح مجھے ضرور ملے۔ گھر جانا ٹھیک نہیں تھا اس لئے میں قریب ہی ایک باغیچے میں جا بیٹھا ہوا'' تم کنویں کے پاس آ جاؤ میں چبوترے پر یا کہیں پاس ہی بیٹھا ہوں گا'' پھر میں دیر تک بیٹھا اُس کا انتظار کرتا رہا۔ نظریں اس کی راہ میں بچھی تھیں اور تھک کر واپس لوٹ لوٹ آتیں۔ پتہ نہیں وہ ابھی تک کیوں نہ آئی تھی۔ کہیں اُس کا

جاچا ہی نہ آجائے۔ مجھے خفیف سا احساس ہوا۔ کنویں کے چبوترے پر کچھ عورتیں آبیٹھیں۔ اس لئے میں اُٹھ کر پرے ایک اینٹ پر بیٹھ گیا۔ گدیلوں پر جھکنے والے جوتڑ تھوڑی ہی دیر میں تھک جاتے۔ بار بار پانسہ بدلنا پڑتا۔ کبھی اُس کی راہ دیکھتا کبھی بیٹھے کی تھکن ستاتی۔ انتظار میں شام ہوگئی۔ عجیب عورت ہے؟ مجھے بُو پر غصہ آرہا تھا میری بات بھی تو عجیب تھی چند قدموں کے فاصلے پر گھر تھا مگر جا نہیں سکتا۔ یہاں صحرا نوردوں کی طرح بیٹھا تھا "واہ اوئے رانجھیا" مجھے اپنے آپ پر ہنسی بھی آئی رونا بھی۔ یہ عشق بھی عجیب شے ہے اچھے بھلے آدمی کو بے کل بنا دیتا ہے" مجھ میں اور رانجھے میں کیا فرق رہ گیا ہے" مجنوں بھی تو اسی طرح لیلےٰ کا انتظار کیا کرتا تھا۔ واہ لیلےٰ تیرا دلائیت۔ تو نے میری اچھی گت بنائی ہے۔ اگر کوئی بھلا آدمی اس حالت میں مجھے دیکھ لے تو قہقہہ لگا دے "احمق ہے" اندھیرا بڑھ گیا تو میں اُٹھ کر بُوا کے گھر چلا گیا وہ شاید ابھی ابھی آئی تھی "آپ نے خوب کیا" وقت ملا تو بات کرتی نا" کیا کہا ہے اُس نے؟" "اس نے کہا ہے بڑا مشکل ہے۔ کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ کنویں میں گر رہی ہوں" میں نے دو ایک وکیلوں سے مشورہ کیا تھا ہر صورت میں مجسٹریٹ کے سامنے آنا ضروری تھا۔ پھر یہ پروگرام بنا کہ شرعی نکاح پڑھ لیا جائے مگر یا ہر آنا ہی تو اہم تھی۔ چند دنوں کے بعد میں پھر آیا۔ اب کی میرے ذہن میں بڑی اچھی اسکیم تھی میں نکاح نامہ اور ایڈیشنل فارم لے کر بُوا کے پاس پہنچ گیا اور کہا "ولائیت سے ایک منٹ کے لئے ہی ملاقات کرا دو بے حد ضروری کام ہے مگر وہ کچھ سست نظر

آرہی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب وہ اس دھندے سے چھٹکارا چاہتی ہے۔ میں نے سوچا
جانے یہ جائے نہ جائے خود ہی چلا گیا۔ میں جا کر اپنی چھوٹی گلی میں کھڑا ہو گیا مگر گھر نہ گیا
گلی سنسان پڑی تھی میں ایک ہی جست میں اُن کے برآمدے میں پہنچ گیا اور دروازہ
کھٹکھٹا دیا۔ اس کی ماں نے دروازہ کھولا۔ میں جلدی سے گلی میں چھپ گیا۔ ولائیت
نے کہا آپا سرور ہو گا۔ وہ سارا معاملہ سمجھ گئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازہ کھلا
ولائیت دروازے میں کھڑی تھی۔ میں گلی سے نکل کر اُس کے پاس پہنچ گیا "کچھ تو خدا کا
خوف کیا کیجئے" اُس کی آواز میں تلخی تھی۔ مجھے سخت غصہ آیا اور پھر یہ غصہ اُس کے
میلے کچیلے کپڑوں میں جذب ہو گیا۔ پتہ نہیں زندگی کی یہ میل کب دُھلے۔ میں اُس کے
اس فقرے کا جواب بھول گیا تھا۔ یہ ساری خفگی شاید کار نظر نہ آنے کی وجہ سے ہو۔ میں
نے جلدی میں اتنا ہی کہا "یہ نکاح نامہ ہے اور کچھ خالی کاغذ ہیں ان پر دستخط کر دو
کاغذوں کے نچلے حصے پر دستخط کرنا" یہ کہہ کر میں آگے بڑھ گیا۔ کیا پتہ تھا کب کوئی آ جاتا
ابھی مجھے کسی نے نہ دیکھا تھا صرف کارخانے کا چوکیدار دروازے پر بیٹھا تھا۔ میں
گلی کے اختتام سے لوٹ آیا۔ ولائیت ابھی تک دروازے میں کھڑی تھی "کہاں دستخط
کروں؟" "اس کے نیچے اور کاغذوں پر بھی۔ یہ لو قلم" "ہائے قلم تو ہے"۔ میں نے گھبراہٹ
میں قلم بھی پکڑ لیا۔ میں پھر آگے بڑھ گیا۔ گلی کے چند آدمی گپ بازی کے لئے کھڑے ہوئے
تھے۔ دُور سے سلام ہوئی تو اُن کے پاس بھی جانا پڑ گیا۔ یُوں بھی اکیلے کھڑے رہنے سے
شک پیدا ہو جانے کے امکانات تھے۔ اُن میں سے ایک کو شک ہو گیا کیونکہ اُس نے ولائیت

کوچ کے عقب میں دیکھ لیا تھا۔ میں نے اُسے آہستہ سے کہا، دیکھو خاموش رہنا۔
گھر بھر میں مت کرنا۔ وہ مسکرا دیا "فکر مت کرو" ولایت دستخط کر چکی تھی زیادہ دیر میرا
انتظار نہ کر سکی کیونکہ اُسے آپا کا بھی ڈر تھا۔ میری خالہ کی لڑکی اپنے دروازہ سے نکلی
تو ولائیت نے اسے آواز دے کر سارے کاغذ پکڑا دیئے۔ میں نے وہیں کھڑے کھول کر
دیکھا دستخط موجود تھے قلم بدل گیا تھا یا شاید دیدہ دانستہ بدل لیا ہو۔ شام کو میں
پھر جُوا کے پاس گیا کہ شاید اُسے کوئی پیغام دیا ہو کیونکہ یہ سب کچھ تو افراتفری میں ہوا تھا
وہ اندر ڈر رہی تھی اور مجھے باہر فکر تھی کہ کہیں میرے آنے کا گھر میں نہ پتہ چل جائے
میں نے جُوا سے پُوچھا "ولائیت نے کیا کہا تھا؟" "کہتی تھی میں نے جو کرنا تھا کر دیا"
وہ مسکرا دی "کر دیئے دستخط؟" "ہاں" میں نے سوچا بڑی بیوقوف ہے اسے بھی
بتا دیا۔ میں نے پھر پُوچھا "کہا نہیں تھا مجھے ضرور ملو" "کہا تھا بھائی وہ کہتی ہے
نہیں کیسے مل سکتی ہوں" "کچھ اور بھی کہتی تھی؟" "نہیں" "کوئی پیغام بھی نہ دے
سکتی تھی؟" پتہ نہیں اُس کو کیا ہو گیا ہے۔ میں یہی سوچتا واپس آ گیا۔
دو تین دن تک ملاقات کے ڈھنگ سوچتا رہا۔ ہماری پہلی ملاقات کے بعد حالات
بالکل بدل گئے تھے اُن پر روشنی ڈالنا، نشیب فراز بتانا نہایت ضروری تھا اور اتنا
وقت ملنا جس میں ہم بالتفصیل گفتگو کر سکیں ناممکن تھا اس کا بہترین حل میں نے
یہ سوچا کہ واپسی رسید کے ساتھ ایک رجسٹری بھیج دی۔ اس میں وہی کچھ لکھا جو پہلے
ہی سب جانتے تھے اگر اُن میں سے کسی اور کے ہاتھ آ جاتی تو بھی کوئی حرج نہ تھا۔

اس میں مَیں نے یہ بھی لکھ دیا کہ میں نے گھر والوں کو اس طور مجبور کر کے منا لیا ہے۔ تم بھی یہی طریقہ اختیار کرو۔ اُن سے صاف کہہ دو کہ ہمارا نکاح ہو چکا ہے۔ دونوں نکاح نامے میرے پاس موجود ہیں یقین نہ کریں گے تو ایک بھیج دوں گا اُن کو دکھا دینا۔ خط کافی طویل تھا۔ آج تک جتنے خط میں نے اُسے لکھے ہونگے سب سے زیادہ طوالت شاید اسی کے حصہ میں آئی تھی۔ تین چار دن تک واپسی رسید نہ ملی تو میں خود وہاں چلا گیا۔ پوسٹ آفس سے پتہ چلایا مگر چونکہ رسید کا نمبر یاد نہ تھا اس لئے کوشش کے باوجود ناکامی ہوئی ویسے بابو صاحب کا اندازہ تھا کہ ان کے ہاں ایک رجسٹری گئی ضرور ہے۔ میں بُوا کے پاس گیا کہ اُس سے پتہ لائے اور اسے کہے کہ جس طرح بھی ہو سکے مجھے ضرور ملے۔ کسی نہ کسی طرح وقت نکالے۔ ستاجور تک جانا ہے۔ میں کار سے آؤں گا۔ بُوا شام تک نہ لوٹی تو بڑا پریشان ہوا۔ اسی پریشانی میں بُوا کے گھر کے کتنے ہی چکر لگ آیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ولائیت نے بُوا کو سکھا بھیجا ہے کہ تم اسے ملو ہی نہ۔ کافی دیر کے بعد وہ مجھے ملی کہنے لگی اُس نے کہا ہے رجسٹری مل گئی تھی اور میں ابھی بالکل نہیں آ سکتی اس لئے مجھے دو مہینے تک نہ کوئی چٹھی لکھو نہ ہی ملو۔" مجھے اتنا سنتے ہی آگ لگ گئی بُوا معاملہ بگڑ گیا ہے اسکی نیت میں فرق آ گیا ہے" "نہیں اُس کے چاچا نے اُسے کہا ہے کہ ولائیت دو مہینے ٹھہر جاؤ میں تمہاری شادی کر دوں گا" جھوٹ ہے بُوا۔ یہ سب فریب ہے۔ کمینی دھوکا دے گئی مجھے اُس کے اطوار سے پہلے ہی نظر آ رہا تھا۔ وہ رقعہ جو آپ کے ہاتھ بھیجا تھا اس نے خود ہی ماں کو دیا ہوگا مجھے بتلانے کے لئے کہہ دیا کہ بستر اُٹھاتے وقت تکیہ سے گر گیا

تو انہوں نے اُٹھا لیا تھا۔ دیکھو میں مارشل لا میں بھی اس کے لئے مارا مارا پھر رہا ہوں اور اس نے مجھے یہ فیض بخشا ہے۔ دیکھا بُوا آجکل کیسا زمانہ جا رہا ہے؟ "بھائی چھوڑ دو" اب باقی کیا رہ گیا ہے۔ بُوا آپ ہر وقت اُن کے گھر رہتی ہیں آپ کے سامنے کبھی شادی بیاہ کی بات نہیں ہُوئی؟" ولایت کی ماں نے ایک دن اُسے پُوچھا تھا۔ وہ کہنے لگی میں یہ تھوڑا کہتی ہُوں میری شادی اُس سے ہی کر دیں تو کہتی ہُوں میری شادی کر دو" ہُوں۔ دیکھا بُوا؟ میں نہ کہتا تھا یہ سب ڈھونگ ہے اس کے چاچا نے اُسے کچھ بھی نہیں کہا۔ محض مجھے دھوکا دینے کے لئے کہہ رہی ہے۔ یہ آج تک مجھ سے ایسے ہی تریا چلتر کرتی رہی ہے۔ بتاؤ میں نے اس کا کیا بگاڑا تھا جو مجھے ایسی بے دردی سے مکر و فریب میں مبتلا رکھا۔ میری شرافت دیکھو میں اُسے ہمیشہ کہتا رہا جس طرح تمہاری خوشی ہے کرو۔ اُس دن بھی جب آپ کے ساتھ آئی تھی میں نے یہی کہا لیکن نہ پکا وعدہ کر گئی کہ میں آپ کے ساتھ بھاگ چلوں گی"۔ اُس وقت ہی مجھے کہہ دیا ہوتا کہہ نہیں سکتی تھی تو کاغذ پہ لکھ دیتی۔ جو رُقعہ تم ڈاک خانے میں ڈال کر آئی تھیں۔ اس میں ہی انکار کر دیا ہوتا میری اس طرح سے بے عزتی تو نہ ہوتی۔ میں نے اُس کے کہنے پر گھر والوں کو مجبُور کیا۔ جائز ناجائز باتیں تک کہہ دیں۔ صرف اُس کے لئے۔ اور اُس نے مجھے اتنی سنگدلی سے گہرے سمندر میں پھینک دیا۔ آج تک کبھی کسی نے ایسا بھی کیا ہے؟" اس طرح کسی کنجری نے بھی نہ دھتکارا ہو گا،" "اُس دن مجھے تو کہتی تھی میں اُسے چھوڑ آئی ہُوں۔ اب ہم کبھی نہیں ملیں گے" "دیکھا اس حرامزادی کو یہ مجھے

کچھ کہہ کر گئی اور آپ کو کچھ بنا دیا۔ یہ آج تک اسی طرح کرتی آئی ہے میں تو اسے کچھ بھی نہیں سکا" مارشل لا نافذ ہو چکا تھا۔ میں کھیتوں کو پھلانگتا اسٹیشن تک پہنچ گیا تھوڑی ہی دیر میں ٹرین آ گئی" واہ رے عشق تیرے لئے امن اور مارشل لا میں کوئی فرق ہی نہیں۔ ہُوں"! مجھے اپنی حماقتوں پر ہنسی آ رہی تھی۔ پھر میرے لبوں پر طنز بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔ میرے قریب ہی بیٹھی ہوئی ایک لڑکی نے دوسری کو کہنی ماری دونوں کے لبوں پر خوبصورت مسکراہٹ پھیل گئی۔ پر میرے اندر تو نفرت بھری ہوئی تھی۔ مجھے دنیا کی ہر لڑکی بُری لگ رہی تھی۔ جیسے یہ سب ولائیت کی بہنیں ہیں مجھے یُوں معلوم ہو رہا تھا جیسے دنیا کی ہر لڑکی دھوکے باز ہے۔ میں نے نفرت سے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

میں گھر پہنچا تو کافی رات گذر چکی تھی۔ سب سو چکے تھے صرف چھوٹے چچا فائیلیں سنبھالے بیٹھے تھے۔ میں بغیر سلام کئے چارپائی پر لیٹ گیا۔ اُنہوں نے بھی نہ بُلایا۔ صبح کے وقت ہمارے غسل خانہ میں بڑی بھیڑ ہوتی ہے کیونکہ سب نے ہی دفتروں سکولوں کالجوں میں جانا ہوتا ہے اس لئے باری ذرا دیر سے ہی آتی ہے۔ میں اپنی باری کیلئے غسل خانہ کے گرد چکر لگا رہا تھا کہ چچا نے کچھ کہا۔ پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا ضبط کے باوجود آنسو نہ رُک سکے۔ پھوپھی جو ایک دن کے لئے آئی ہوئی تھیں کہنے لگیں "آجکل لڑکیوں کا پارٹ ہمارا راجہ ادا کر رہا ہے اس کو خبر بھی نہیں اور یہ پاگل بنا ہوا ہے۔ چھوڑو اس قصے کو یہ عارضی باتیں ہوتی ہیں۔ کہنے کو تو سب ہی کہتے ہیں میں تارے توڑ کر تمہاری جھولی

میں ٹال دُوں گا بعد میں چاہے کچھ بھی نہ ٹال سکیں، چچا کہنے لگے "بیوقوف ہے۔ اُس نے تو اپنے باپ کے سامنے قرآن اُٹھایا ہے کہ اب میرا اُس سے کوئی تعلق نہیں۔ میں اس سے شادی کے لئے بالکل تیار نہیں" اگر اس نے قرآن اُٹھایا ہے تو میں اُسے چھوڑ دُوں گا۔ قرآن کیا اگر اُس نے صرف انکار کیا ہے تو بھی میں اُسے چھوڑ دوں گا مگر ایک مرتبہ تسلی ضرور کرنا ں گا۔ اُسے پُوچھے بغیر میں ہرگز فیصلہ نہیں کر سکتا۔" وہ تمہارے سامنے انکار کر دے پھر؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اور اگر اُس نے جھُوٹ بولا بھی تو میں اُس کے چہرے سے ہر بات پڑھ لُوں گا۔ میں نے نفسیات کا مطالعہ کیا ہے اِتنا تو سمجھ ہی سکتا ہوں تو اب ہم اطمینان رکھیں؟ تم وعدہ کرتے ہو کہ اُسے چھوڑ دو گے؟ بالکل وعدہ کرتا ہوں مگر یہ جو "اگر" کا لفظ میں نے استعمال کیا ہے اُسے نہ بھُولئے گا۔

شام پھر ایک کانفرنس ہُوئی میرے داڑھی والے چچا جان میرے پاس آ کر بیٹھ گئے صبح والے انکشاف سے جو چر کہ مجھے لگا تھا ابھی اُس نے ہی ہوش نہ آنے دیا تھا کہ یہ لوگ بھڑکتی آگ کو ہوا دینے لگے۔ داڑھی والے چچا کہہ رہے تھے "آیا تو میں تمہیں ٹھیک کرنے کی غرض سے تھا پر اب تمہارا نکاح ہی ہو چکا ہے اس لئے بات کا رُخ ہی بدل گیا ہے۔ تمہاری رجسٹری ہمیں مل گئی ہے اُس نے واپس کر دی تھی کل تمہارے جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد چٹھی رساں یہاں پھینک گیا تھا اگر یقین نہ ہو تو میں تمہیں نیچے سے رجسٹری لا کر دکھا سکتا ہوں۔ محمد عاقل کوئی پوسٹ مین ہے اُس نے اُوپر لکھا ہوا ہے کہ وہ رجسٹری لینے سے منکر ہیں" رجسٹری تو خیر اُسے

مل چکی ہے میں ابھی کل اُسے مل کر آ رہا ہوں'' ''اب تم نہ مانو تو الگ بات ہے
اس میں لکھا تھا کہ تم بھی اپنے گھر والوں کو مجبور کرو۔ میں نے اپنے گھر والوں کو
منا لیا ہے پہلے منایا تو ایک چچا کی مخالفت سے معاملہ بگڑ گیا اب دوبارہ بڑی مشکل سے
کامیاب ہوا ہوں وغیرہ وغیرہ'' میں حیران تھا یہ قصہ کیا ہے۔ میں نے رجسٹری کے متعلق
پُوچھا بھی تھا دلاریت نے جواب دیا تھا ''مل گئی ہے'' اگر مل گئی ہوتی تو ان کو سارے
مضمون کا کیسے پتہ چلتا۔ پھر اُس نے یہ تک نہ بتایا تھا کہ آسانی سے مل گئی یا کسی دوسرے
کے ہاتھ آگئی تھی۔ کتنا مختصر سا جواب تھا ''مل گئی ہے'' ہوں۔ یہ بھی تو کہا تھا مجھے
دو ماہ تک نہ ملو نہ ہی چٹھی لکھو۔ یہ سب کیوں کہا گیا تھا؟'' تو نے یہ بھی تو بتایا
تھا دلاریت نے ماں سے کہا ہے ''میں تو کہتی ہوں میری شادی کر دو میں یہ تھوڑا
کہتی ہوں میری شادی اُس سے کر دو'' آج تک میں طلسم خیال میں ہی ہچکولے کھاتا رہا۔
واہ میاں بُدھو مجھے اپنے آپ پر غصہ آرہا تھا اور اس پر بھی جس نے ایسے شریف
کو پاگل بنائے رکھا میرے جیسے کو جس نے خود ہی اپنا سب کچھ اُس کے حوالے کر
دیا تھا یہ کتنا بڑا ظلم تھا۔ ایسا شخص جو یہاں تک اجازت دے دے جہاں جی چاہے
شادی کر لو، جو جی میں آئے کرتی جاؤ اُس کی ساری محبت کی قیمت یہ چکائی گئی کہ اتنے
بڑے فریب میں مُبتلا رکھا۔ میں نے آخری وقت تک اُسے یقین دلایا کہ تمہاری
خوشی میری خوشی ہے میں تمہاری راہ میں روڑا نہیں بنوں گا۔ انمول موتی بکھیروں گا
مگر اُس نے میری ذرا قدر نہ کی۔ اگر مجھے دھوکا نہ دیتی تو آج یہ لوگ بھگو بھگو جوتیاں

نہ مارتے۔ پہلے ہی کیا کم قیامتیں تھیں جو ہیک اور دُکھ کی سنگلاخ چٹان سامنے لا کھڑی کی۔
اُف اس قدر اجنبیت ۔ کوئی اجنبی بھی یوں نہ کرتا ہوگا۔ وہ جانفزا لمحے دلفریب
قربت کی یادگار کوئی گھڑی بھی اس پتھر کو نہ پگھلا سکی ؟

دو ایک دن یہی کچھ سوچتا رہا۔ طنز کے تیر چلتے رہے۔ چپکے سے اپنا سینہ چھلنی ہوتے
دیکھتا رہا کافی سوچنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس سے مل کر اصل بات کا پتہ
چلاؤں۔ عجیب قصّہ تھا۔ ابھی چند دن ہی تو ہوئے تھے کہ اُس نے مجھے نکاح نامے
اور دوسرے کاغذات پر دستخط کر کے دیئے تھے۔ پھر اتنی جلد قرآن بھی اُٹھالیا
جھوٹ بولنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اب تو ہماری ایک ایک بات کا سب کو
پتہ چل چکا تھا۔ اُسے خود ہی سب کچھ صاف صاف کہہ دینا چاہیئے تھا "آج
اس قضیے کا فیصلہ ہونا ہی چاہیئے" میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ جب تک یہ
داستان بالکل ختم نہ ہو گی واپس نہ آؤں گا۔ اسی گرما گرمی میں میں سیدھا بُوا
کے پاس چلا گیا۔ بُوا اُسے کہہ دو "جس طرح بھی آسکتی ہو آؤ۔ چاہے دو منٹ
کے لئے ہی آؤ اگر دُور نہیں آسکتی تو پاس ہی اُن کی نوکرانی کا جھونپڑا ہے وہاں
آجائے۔ ضرور آنا۔ اس کے بعد میں تمہیں کبھی نہیں کہوں گا۔ آج اُسے میری
طرف سے کہہ دینا کہ اگر تم آج نہ آئیں تو میں سمجھ لوں گا تم میری نہیں ہو۔ تم مجھے
ہمیشہ کے لئے چھوڑ چکی ہو۔ میں اسی باغیچہ کے کنوئیں پر بیٹھا آپ کا انتظار کروں گا
دیکھنا کہیں تمہارے انتظار ہی میں نہ ختم ہو جاؤں"۔ ہم دونوں آ رہے تھے کہ

راستے میں مجھے خیال آیا کہ گھر جاؤں تو بہتر ہے شاید اُنکی بیٹھک میں ملاقات ہو سکے۔ میرے بعد یہاں بھی تو بہت کچھ ہوتا رہا ہے ولایت کی آپا ہمارے گھر آئی تھیں۔ آپا جی کو سب کچھ پتہ تھا ممکن ہے وہ ٹھیک ٹھیک بتا دیں۔ آخر ماں ہے۔ یہ باتیں ذہن میں آئیں تو میں نے بُوا سے کہہ دیا "میں اپنی بیٹھک میں ہوں گا وہیں آجانا۔ گھر پہنچا تو والدہ نے مجھے دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ میں بیٹھک کی طرف بڑھ گیا۔ کافی دیر انتظار کیا بُوا نہ آئی میں اُٹھ کر آپا جی کے پاس آگیا۔ وہ اسی بات سے ناراض تھے۔ ان کے اس رویے سے جی تو نہ چاہتا تھا کلام کروں پر اس وقت اُن کی سخت ضرورت تھی اس لئے مجھے بلانا پڑا۔

"آپ مجھ سے کیوں ناراض ہیں؟" اگر میرے سامنے موت بھی کھڑی ہوتی تو میں پھر بھی اُن سے مدد نہ مانگتا پر یہ تو عشق کا معاملہ تھا۔ ولایت کی قدر تھا جسے میں نے دنیا کی ہر شے دے کر اپنا بنانا چاہا تھا یہاں تک کہ اپنا آپ بھی اس بازی پر لگا دیا۔ وہ میرے استفسار پر بھی خاموش رہیں میں نے پھر کہا

"مائیں تو اس طرح نہیں کیا کرتیں"

"میں تمہاری کب کی ماں ہوں" پتھر نے میری طرف پتھر پھینک دیا۔ میں نے پھر ہمت کی۔

"میں جانتا ہوں آپ جس بات سے ناراض ہیں میں اُسے چھوڑ دوں گا۔ آپ صرف اتنا بتا دیجیے کہ ولایت کی آپا نے آپ سے کیا کہا تھا"

"وہ کہتی تھی ولایت شادی کرنے کے لئے تیار نہیں ہے آپ اپنے لڑکے کو منع کر لیں کہ

وہ اس طرح رجسٹریاں نہ بھیجا کرے کل کو وہ اپنے گھر جائے گی وہاں بھی اس نے رجسٹریاں بھیجنی شروع کر دیں تو؟ اُس کے اتنے چچے ہیں ماں ہے باپ ہے، دادی دادا ہے وہ کسی کا کہا نہیں مانتا؟ میں نے کہا تھا وہ نہیں مانتا تو وہ کہنے لگی آپ اُسے بلوا دیں میں خود اُسے سمجھاؤں گی"

میں پہلے ہی اُکتایا ہوا تھا یہ سُن کر میں نے فٹ سے کہہ دیا

"اگر ولایت تیار نہیں تو میں بھی تیار نہیں۔ آپ اُس کی آپا کو بلا کر بتا دیں کہ میں آیا ہوا ہوں جو بات کرنی ہے کر لیں"

میں بیٹھا زہر اُگلتا رہا۔ میرا چھوٹا سا بھائی اُن کو بلانے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آ گئیں۔ ہم تینوں بیٹھک میں بیٹھ گئے۔ آپا جی نے کہا آپ اس سے بات کر لیں

"بس میں تو یہی کہتی ہوں کہ نہ خاک اپنے سر میں ڈالے نہ ہمارے سر میں۔ یہ دیکھو کاکا میں ہاتھ جوڑتی ہوں تمہارے پاس جتنے کاغذ ہیں مجھے واپس دے دو۔ ولایت کہتی ہے کہ میں اُس سے شادی کرنے کے لیے تیار نہیں"

"اتنی بات میرے سامنے کہہ دے گی؟"

"اب میں تمہارے سامنے اُسے لاؤں یہ کوئی افسانوں کا کام ہے"

"جو کچھ آپ نے کہا ہے مجھے منظور ہے مگر ایک مرتبہ وہ میرے سامنے اقرار کر لے۔ اگر سامنے نہ آنا چاہے تو پردے کے پیچھے کھڑی ہو کر کہہ دے"

"بچہ تم کاغذ دے دو" اُن کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے"

"میں تو کہہ رہا ہوں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میں نے آپ کی بات رد نہیں کی مگر اس کا میرے سامنے اقرار کرنا ضروری ہے"

"میں جو کہہ رہی ہوں بس میری زبان پر اعتبار کر لو"

"اس طرح نہیں ہو سکتا" اندھی محبت بڑی خود غرض ہوتی ہے۔ ولایت کی آپا جوش میں آگئیں"

"اس طرح نہیں ہو سکتا تو پھر لڑکو جتنا زور لگا سکتے ہو۔ ساتھ ہی تمہارے ماں باپ بھی لگا لیں۔ ہم لڑکی نہیں دیں گے"

میں ان کی بات سمجھ گیا۔ زہر بھری ہنسی ہنس دیا "زور لگانے کی تو خیر ضرورت ہی نہ پڑے گی وہ میری منکوحہ ہے۔ قانوناً اور شرعاً میری بیوی ہے۔ آپ بڑے شوق سے لڑیں مگر اتنا یاد رکھئے کہ قانون بڑے بڑوں کی گردن مروڑ دیا کرتا ہے۔ آپ تو خیر ابھی اپنے ہی ساتھی ہیں"

"انسان سے غلطی ہو ہی جایا کرتی ہے میں کہتی ہے میرے غلطی سے۔ ذرا غصہ کر دئے ہیں اس بات کی میں تم سے معافی مانگ لیتی ہوں۔ بھولے کا غصہ دالیں کر دو" ولایت کی آپا کے آنسو گالوں تک ڈھلک آئے تھے

"خالہ جان میرا یہ آخری فیصلہ ہے میں اسے کبھی نہیں بدل سکتا۔ میں نے آپ کے حکم کی تعمیل سے انکار نہیں کیا آپ نے جو کچھ کہا میں نے مان لیا اس کے لئے جو شرط لگا دی گئی ہے وہ تو آپ کو ماننی ہی پڑے گی"

"پھر اُسے لے آؤں ؟"

"جی ہاں"

"وہ مجبور ہو کر چلی گئیں۔ کچھ دیر انتظار کیا نہ آئیں تو میں نے سمجھ لیا ولائیت نے یہ کہنے سے انکار کر دیا ہے۔ بڑا ابھی تک نہ آئی تھی۔ اگر پہلے بات کرنے کے لئے وقت نہ ملا تھا تو اس دوران میں کر سکتی تھی۔ شاید ولائیت نے بھی برآمدے میں کھڑی ہو کر یہ باتیں سُنی ہوں؟ میں ایسے ہی سوالات پر غور کر رہا تھا کہ ولایت کی آواز آئی۔ آپا جی کچھ دیر بعد مکان کے دوسرے حصّہ میں چلے گئے تھے میں دروازے میں کھڑا ہو گیا اُس کی طرف اُداس نظروں سے دیکھا وہ کھلکھلا کر ہنس رہی تھی "آجایئے" میں اُس کے پاس چلا گیا۔

"اندر آجایئے"

"آپا نہیں ہیں"

"نہیں آپ آجایئے"

میں اندر جا کر جانے پہچانے پلنگ پر بیٹھ گیا۔ ولائیت بھی ہنستی ہوئی میرے قریب بیٹھ گئی۔ میں نے کہنا شروع کیا

"ولائیت قصہ یہ ہے کہ میرے گھر والوں نے کہا اُسے چھوڑ دو ورنہ ہم تمہاری ہڈیاں توڑ دیں گے میں نے جواب دیا تھا۔ آپ نے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دیے تو بھی ولائیت کو نہ چھوڑ سکوں گا میری ایک ایک بوٹی کی پھڑ پھڑاہٹ ولائیت کو پکارے گی۔ میری سانسوں میں ولائیت رچی

ہُوئی ہے جب تک سانس باقی ہیں میرے لبوں پر ولائیت ہی کا نام رہے گا"

اتنے میں ملحقہ کمرے سے ولائیت کی آپا آ گئی۔ اُس نے آتے ہی بیٹھک کی کنڈی لگا دی مجھے خفیف سی گھبراہٹ ہوئی کہ کہیں کوئی اور پروگرام نہ ہو مگر پھر بھی میں کسی کی مارہ اٹکتے ہُوئے ڈٹا رہا۔ اُس کی آپا ہمارے سامنے ہی کرسی پر بیٹھ گئیں۔ مَیں نے اُسکی آپا پر اُچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی۔ شاید ابھی بہت کچھ کہتا مگر اتنا ہی کہنے پر اکتفا کرنا پڑا کہ "ہمارے گھر کو قیامت آئی ہوئی ہے۔ اب تم بتاؤ کہ تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"ایسی باتوں میں یہ تو ہوتا ہی ہے" ولایت نے بڑے اطمینان سے کہا

"کہہ دو بجّی کہہ دو" اُس کی ماں کچھ گھبرائی سی تھی

"جو کچھ کہنا ہو سوچ کر کہنا اس کے بعد اگر تم نے کبھی میرے قدموں میں بھی سر رکھا تو بھی جُوتے سے ٹھوکر مار دُوں گا"

"جو کچھ آپ نے کہا ہے ٹھیک ہے" اُسکی ہنسی میں ذرا بھی فرق نہ آیا مرحبا

"میں نے وضاحت چاہی تاکہ بعد میں کوئی اور موزوں بہانہ نہ گھڑ لے۔ تمہاری آپا کہتی ہیں تم مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتیں۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟"

"آپا ٹھیک کہتی ہے" اُس کی ہنسی متواتر جاری تھی "صد آفرین ہے" میرا دل رائے قائم کرتا جا رہا تھا

"آپا جی آپ اطمینان رکھیں مَیں جو کچھ کہہ دیا کرتا ہُوں وہ چٹان کی طرح اٹل ہوتا ہے سُورج چڑھنا رک سکتا ہے مگر میری کہی ہوئی بات نہیں بدل سکتی۔ میں نے آپ سے پہلے

بھی کہا تھا اور اب پھر کہتا ہوں کہ اگر اس نے میرے پاؤں میں بھی زہر رکھا تو میں ٹھوکر مار کر گذر جاؤں گا"

چند لمحے خاموشی طاری رہی۔ اُس کے چہرے پر ایک سُرخ لہر دوڑ گئی۔ میں نے کنڈی کھولی اور باہر نکل گیا۔ مجھے باہر نکلتے دیکھ کر جیجو مسکرا دی۔ میں جھلایا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ کسی نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ میں اسی پیچ و تاب میں زور زور سے دروازہ کھٹکھٹاتا رہا اگر چند منٹ اور آپا جی نہ آتے تو شاید کواڑوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے۔ "اتنی زور سے دروازہ کھٹکھٹاتا تھا؟" میں نے اُدھر سے بھی آواز سُن لی۔ "کہاں گئے تھے؟" ولائیت نے جلایا تھا۔ "ہو گیا فیصلہ؟" "ہاں۔ میں نے کہہ دیا ہے کہ اب تم نے اگر ........"

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد میں اُٹھ کر تاجور جانے کے لئے سڑک پر چلا آیا۔ بس ابھی آئی نہ تھی اور گھر میں دل نہ لگ رہا تھا۔ پریشانی نے حالت قابلِ رحم بنا رکھی تھی مگر پھر بھی اس کا یہ بھیانک فیصلہ سننے کے بعد میں کچھ سوچنا نہ چاہتا تھا۔ اسی دوران میں گلی میں نظر پڑی وہ چھت کے نیچے کھڑی تھی۔ گلی میں ایک بڑھیا گذر رہی تھی ولائیت اُسے اپنے پاس بُلا کر چھت اُٹھائے باتیں کرنے لگی۔ اُس کی نظریں میری طرف تھیں۔ میں نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد بس آ گئی اور میں ٹی ہاؤس میں پہنچ گیا۔ ٹی ہاؤس کی روایات قائم تھیں۔ چائے خانے میں بلیک اینڈ وائٹ میرا انتظار کر رہی تھی۔ شام کو واپسی پر میں موڑ پر اُتر گیا۔ یہاں سے گاؤں بہت نزدیک ہی تھا۔ میں نے اپنے آپ کو بہت

رو کہ اب بُوا سے ملنا فضول ہے مگر دل ہی تو ہے نہ رُکا۔ میں غیر شعوری طور پر بُوا کی باتیں سُننے کے لئے پہلے سے کہیں زیادہ مشتاق تھا۔ بُوا گھر پر ہی تھی۔ "حد کر دی آپ نے میں آپ کا اتنا انتظار کرتا رہا" میں نے اس انداز میں کہا جیسے کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔

"آپ نے ولائیت کی آپا کو کس لئے بُلایا تھا؟"

"آپ کہاں تھیں؟ میں نے جیو سے پُوچھا تھا وہ تو کہتی تھی "بُوا وہاں نہیں ہے"

"میں وہیں تھی"

"آپ کو ولائیت نے کچھ کہا تھا؟"

"بس یہی پُوچھتی رہی بتا دُ بُوا کیا جواب دُوں؟ میں نے کہا بھائی اپنا سوچ لو"

"اچھا۔ پُوچھتی آپ سے رہی۔ حرامزادی! کمینی!! ساحرہ!!!"

"نہیں آپ کے جانے کے بعد بچاری بڑا روتی رہی تھی"

"روتی رہی تھی؟ ہوں۔ میں نے تو خود اسے سڑک کے پیچھے کھڑی باتیں کرتے دیکھا تھا۔

"جب میں وہاں تھی اُس وقت تو رو رہی تھی"

"اُسی وقت تو میں سڑک پر چلا گیا تھا۔ میں نے خُود اُسے ایک عورت سے باتیں کرتے دیکھا تھا کیا آپ کو کوئی پیغام دیا؟"

"نہیں"

"تو پھر؟ وہ سراپا فریب تھی۔ تو بہ اس قدر عیار۔ اتنے اُدھ چھے ہتھیار کوئی دشمن پر بھی نہیں چلاتا"

"بھائی مجھے تو ولائیت نے اس دن ہی کہہ دیا تھا کہ لو اب میں انہیں بالکل چھوڑ آئی ہوں
بس یہ ہماری آخری ملاقات تھی" اور میرے ساتھ بھاگنے کے پروگرام بناتی رہی۔ نکاح نامے پر
دستخط بھی تو بعد میں کئے اس کمینی نے"

میں چلا آیا۔ اس کے انکار کی اس طرح بھی توجیہہ ہو گئی۔ رات کافی ہو چکی تھی۔ مارشل لا
نافذ تھا۔ گھر پہنچا تو سب دروازے بند تھے۔ میں نے جوتا اتار کر ہاتھ میں پکڑ لیا
دیوار پھاندنے کے لئے آگے بڑھا تو بیٹھک کی آواز آ رہی تھی۔ میں نے دروازے کی
دراڑ سے اندر جھانکا جرگہ کانفرنس ہو رہی تھی۔ والد اور دادا کے علاوہ اور بھی
معتبر بیٹھے تھے۔ میں نے کان دروازے سے لگا دیے "شادی تو کر دیں روپیہ بڑا
خرچ آئے گا" "تو گویا چودھری صاحب مان چکے ہیں باقی سب شاطرانہ چالیں انہی
کی ہیں" میں وہیں کھڑا پیچ و تاب کھانے لگا۔ اس کے بعد اور زیادہ چوکس ہو گیا
بہت کوشش کی مگر کچھ نہ سن سکا۔ میٹنگ کافی دھیمی آواز میں ہو رہی تھی۔ کچھ
دیر کے بعد والد صاحب کہا دیکھئے وہ ادھر نہ آ گیا ہو پتہ نہیں مارشل لا میں کہاں پھر رہا
ہے" دادا ابا اٹھے تو میں جلدی سے دروازے سے ہٹ کر دیوار سے لگ گیا۔ دوسری
طرف کا دروازہ کھلا۔ دادا جی پیشاب کرنے کے بعد پھر اندر چلے گئے۔ انہیں میں نظر
نہ آیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد والد باہر آئے ادھر ادھر دیکھا۔ میں ابھی تک دیوار
سے چپکا کھڑا تھا۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگے "کون ہے؟" میرا رکا ہوا سانس تیزی سے باہر
آ گیا "جی میں!" "ادھر آؤ" میں آگے بڑھ گیا "کب سے کھڑے ہو؟" انہیں فکر

لگ گئی" ابھی آیا ہوں" میں اُن کے پیچھے پیچھے اندر چلا گیا۔ سلام کیا مگر کسی نے جواب نہ دیا نہ ہی بیٹھنے کو کہا" حرامزادہ چوروں کی طرح دیوار سے لگا ہوا تھا" دادا جی کہنے لگے "ہم نے سب کچھ سُن لیا ہے اب تم بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے؟" "خیال!" اس واقعہ کے بعد بھی پُوچھنے کی ضرورت تھی۔ میں نے صاف کہدیا تھا اب تو اس کا باپ بھی میرے پاؤں پر آکر گرے تو بھی شادی نہ کروں گا۔ دادی ابھی تک غصہ میں بھری بیٹھی تھیں "اگر ہمیں پتہ ہوتا تو اس طرح کا نکلے گا تو ہم پیدا ہوتے ہی تیرا گلا نہ گھونٹ دیتے" میں بھی دانت پیسنے لگا" عجیب لوگ ہیں جب میں نے یہ قصہ ہی ختم کر دیا ہے تو اب یہ بار بار مجھے کیوں تنگ کر رہے ہیں بھڑکتے ہوئے شعلوں کو اور بھڑکانے سے فائدہ؟ میں کچھ نہ سُننا چاہتا تھا دادا جی نے بات ختم کرنا چاہی

"تمہارے پاس جتنے کاغذات ہیں مجھے دے دو میں سنبھال کر رکھ لوں گا"

"مجھے دینے میں اعتراض تو کوئی نہیں مگر آپ کے بھی تو کسی کام نہیں ہیں"

"ہو سکتا ہے نہ شادی کریں اور تم رکاوٹ پیدا کر دو"

نہیں ہو سکتا۔ بالکل ناممکن ہے میرا فیصلہ آخری فیصلہ ہوا کرتا ہے۔ ایک مرتبہ میں نے فیصلہ کیا تھا تو آپ سب مل کر بھی اُسے نہ بدل سکے۔ آپ کیا ساری دُنیا ایک طرف ہو جاتی اور ولایت میرے ساتھ رہتی تو میں دنیا کے چھکے چھڑا دیتا۔ اب پھر میں نے ولایت کے کہنے پر فیصلہ کیا ہے اب اسے اللہ بھی نہیں بدل سکتا۔ اُن کا جہاں جی چاہے شادی کر دیں مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

اُن کے بار بار اصرار پر بھی میں نے کاغذات دینے میں پس و پیش کی۔ پھر میں صبح ہی صبح
تیار ہو کر نوکری پر پہنچ گیا۔ وہ سب شاید مجھے وہیں ڈھونڈتے رہ گئے۔ کوئی دو ہفتے
کے بعد پھر میں قصبہ شاہ میں آیا تو امتیاز صاحب سے ملاقات ہو گئی۔ دیر تک باتیں کرتے رہے
اسی دوران میں ولایت کا قصہ چھڑ گیا۔ وہ اس قضیے کے متعلق کافی کچھ جانتے تھے جب
میں نے بتایا کہ قصہ پاک ہو چکا ہے تو کہنے لگے "یہ بہت اچھا ہوا اگر آپ شادی کر لیتے
تو شاید زیادہ دیر سکون کی زندگی بسر نہ کر سکتے۔ اُس کا کریکٹر اچھا نہیں ہے" میرے اصرار
پر اُن کو بتانا پڑا کہ جب زُلفی اُن کے کرایہ دار ہوا کرتے تھے یہ اُن سے عشق لڑاتی رہی ہے
میں تفصیل چاہتا تھا زُلفی میرے بھی اچھے دوست تھے میں اُن کے پاس چلا گیا اور باتوں
باتوں میں پُوچھ لیا۔ کہنے لگے بس قصہ یہیں تک رہا کہ وہ جنگلے پر کپڑے ڈال دیا کرتی
کپڑے نیچے گر پڑتے۔ اُس کا چھوٹا بھائی آتا تو میں اُسے پکڑا دیتا۔ کبھی کبھی وہ خود آ کر
لے جاتی۔ والد صاحب تو ڈیوٹی پر چلے جاتے تھے میں اکیلا ہی ہوتا تھا۔ ایک دن کہنے لگی
آپ تکلیف نہ کیا کریں میں خود ہی آ کر لے جایا کروں گی۔ پھر میں صحن میں لیٹا ہوتا تو؛
تولیہ یا رُومال وغیرہ مجھ پر پھینک کر پرے ہٹ جاتی۔ "بے تکلفی نہ ہو سکی؟" وہ اس
سوال پر مسکرا دئے اور باوجود میری کُرید کے اِدھر اُدھر کی ہانکتے رہے۔
شام کو گھر آیا تو قدیر کی کار گلی میں کھڑی دیکھی۔ میں آگے بڑھ گیا کہ لگتے ہاتھ ان
سے بھی ملاقات ہو جائے۔ وہ بیٹھک میں ہی بیٹھا تھا۔ دروازہ کھلا تھا میں فرشی
سلام کے بعد اندر داخل ہو گیا۔ وعلیکم سلام کی بجائے کہنے لگے "مبارک ہو" "مبارک؟

اب تو افسوس کا مقام ہے۔ مبارک کا تو اُسی وقت گلا گھونٹ دیا گیا تھا" پھر یہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ اُن کے استفسار پر میں نے بتایا کہ قطع تعلق کر چکا ہوں کہنے لگے "یہ بہت بُری بات ہے اُس کی زندگی برباد ہو جائے گی۔ اب تمہیں کسی صورت بھی اُسے نہیں چھوڑنا چاہیے لوگ کنجریاں بھی تو رکھ ہی لیتے ہیں" مجھے اُس کے سفید سفید دانت نظر آگئے جنہیں دیکھ کر میری زندگی میں بہاریں لوٹ آتی تھیں وہ ہنسی نظر آگئی جسے کھول کر اُس نے میرے سامنے ہی کہہ دیا تھا "آپا ٹھیک کہتی ہے" اب تو اُس کے تصور ہی سے میرا کلیجہ چھلنی ہو جاتا ہے۔ میں نے ایک لمبی ٹھنڈی آہ بھری "قدیر صاحب کاش یہ کنجری ہی ہوتی۔ کنجریوں کے کردار بھی اس قدر گندے نہیں ہوتے۔ گھٹیا سے گھٹیا کنجریوں بھی اتنی گری ہوئی نہ ہوگی" وہ بھی جسے ایک مرتبہ اپنا بنا لیں چاہے جان پر بن جائے اُسے دھوکا نہیں دیتیں"

"تم اس سے شادی کر لو اگر شدھر نہ سکی تو طلاق دے دینا دوسری شادی کر لینا"

"آج آپ بھی میری ایک بات کا ٹھیک ٹھیک جواب دیں۔ دیکھئے جھوٹ نہ کہیے گا آپ کے ساتھ اُس کے تعلقات نہ تھے؟"

وہ ہنس دیا "میرا اُن کے ہاں آنا جانا بچپن سے ہی ہے۔ میں جایا کرتا تو وہ بڑے ناز و نخرے کیا کرتی یہاں تک کہ جب میں اُٹھنے لگتا تو وہ سیڑھیوں میں آکر کھڑی ہو جاتی لیکن میں نے کبھی خیال بھی نہ کیا تھا۔ اُس کا کریکٹر شروع ہی سے تسلی بخش نہیں تھا"

"مجھے تو اُس نے بتایا تھا کہ اُن کے گھر کوئی نہیں تھا آپ اندر گھس گئے صحن کی کُنڈی

لگا دی اور چھیڑ چھاڑ کرنے لگے"

"یہ غصہ تو مجھے واقعی آیا کرتا تھا کہ میرے ہوتے ہوئے تم سے رنگ رلیاں منا رہی ہے مگر میں نے ایسا نہیں کیا تھا۔ یہ سب بکواس ہے"

"اسے مجھے کہنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"تمہیں ملتی کیسے رہی یار۔ سب کی چارپائیاں تو اُس کے ساتھ ہوتی تھیں۔ بیٹھک میں اُس کا بھائی سویا ہوتا۔ وہ آکدھر سے جاتی تھی؟"

"آپ کو سارے نقشے کا کس طرح پتہ ہے؟" میں نے نقطہ ڈھونڈ لیا

"میں ان کے گھر آتا جاتا رہتا تھا۔ سردیوں میں رات کو اُس کے بھائی کو حساب پڑھانے جاتا رہا ہوں"

"نہیں اُستاد جی آپ پتہ نہیں کیسے پڑھا کر آتے رہے ہیں"

ہم دونوں دیر تک ہنستے رہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی باتیں ہوئیں حتیٰ کہ واقفیت میں اضافہ ہو گیا

میں بیٹھک میں آکر بیٹھ گیا اور بتی جلا دی۔ اپنی کہانی کے نشیب و فراز پر غور کرنے لگا پر اس کی نہ ہی پہلے سمجھ آئی تھی نہ ہی اب آ رہی تھی۔ جب سے یہ گڑبڑ ہوئی تھی میرا گانا تک بند ہو گیا تھا۔ گانے کی مجھے بہت بری لت تھی۔ غسل خانہ میں نہاتے وقت بھی گاتا، لوٹا ہاتھ میں لئے سیڑھیاں چڑھتے بھی گا رہا ہوتا اور کبھی کبھی کھانے کے دوران میں شعر گنگنانے کے لئے لقمے والا ہاتھ وہیں رک جاتا

اس طرح کی عادت پر بڑی مشکل سے قابو پایا تھا۔ ایک دن میں پیشاب کے لئے جلدی جلدی سیڑھیاں چڑھتا جا رہا تھا کہ گانے کے لئے دل مچل اُٹھا۔ میں نے ہجر کے رنگ میں رنگے ہوئے پنجابی گیت کی تان بلند کر دی اُسی لمحہ نیچے اندر سے ایک کرخت آواز آئی "حرامزادے جلد نیچے آؤ" میں اُلٹے پاؤں نیچے آ گیا والد پتہ نہیں کدھر سے آواز دے رہے تھے "خبردار آئندہ گایا تو....." اُس کے بعد میں نے کبھی نہ گایا تھا۔ والد آج بھی گھر پر موجود تھے۔ اور میرا جی گانے کو چاہ رہا تھا۔ بیقراری نے بوسیدہ بندھن توڑ دئے تھے۔ میری آواز میں اتنا سوز پتہ نہیں کہاں سے آ گیا تھا۔ والد کی بجلی کی کڑک ایسی آواز ابھی تک نہ گونجی تھی۔ میں نے اسے ایک بار ختم کرنے کے بعد پہلے سے بھی دردناک آواز میں پھر گانا شروع کر دیا تھا

جو بیا آج اپنے زخم پنہاں کر کے چھوڑوں گا
لہو رو رو کے محفل کو گلستاں کر کے چھوڑوں گا
جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوزِ پنہاں سے
تیری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا
مگر غنچوں کی صورت ہوں دل درد آشنا پیدا
چمن میں مشتِ خاک اپنی پریشاں کر کے چھوڑوں گا
دکھا دوں گا جہاں کو جو میری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورتِ آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا

اس کے بعد میں دیر تک خلا میں گھورتا رہا۔ دروازے پر آہستہ آہستہ ٹک ٹک
ہوئی۔ میں صوفے پر ساکت بیٹھا رہا۔ پھر کوئی دروازے پر اپنا ہاتھ گھمانے لگا۔
میں پھر بھی خاموش رہا۔ اُس نے آواز بدل کر کچھ کہا جو میں سمجھ نہ سکا۔ پانچ چھ
منٹ اسی طرح گذر گئے۔ اس کے بعد دروازے کی دراڑ سے ایک اکنی اندر آئی اور
شور سے نیچے آ گری۔ میں نے خلا میں جمی ہوئی نظریں دروازے کی طرف پھیر دیں۔ پیشانی
کے بلوں میں اضافہ ہو گیا۔ میں نے اُٹھ کر اکنی پکڑ لی۔ میرے اُٹھتے ہی باہر گلی میں بھاگنے
کی آواز سنائی دی۔ میں پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ کوئی بیس منٹ بعد پھر وہی سلسلہ
تھا اور میں خلا میں گھورے جا رہا تھا "کیا سوچ رہے ہیں آپ؟ شادی ہو جائیگی"
میری پیشانی پر پھر بل پڑ گئے۔ آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔ ابکی میں اپنی جگہ سے نہ
ہلا تو اُس نے ایک چھوٹا سا رقعہ دراڑ سے اندر گھسیڑ دیا "یہ رقعہ لے لیجئے" میں نے
اُٹھ کر رقعہ پکڑ لیا۔ پاؤں کی چاپ چند قدموں کے بعد ہی ختم ہو گئی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے
اُن کی بیٹھک کے پاس یہ قدم رُک گئے ہیں۔ میں نے رقعہ کھولا صرف دو سطریں تھیں۔ میں
نے بہت دماغ سوزی کی مگر مفہوم نہ سمجھ سکا۔ شادی کے لفظ سے معلوم ہوتا تھا کہ شادی
کے بارے میں ہی کچھ ہے۔ الفاظ کی بناوٹ گواہی دے رہی تھی کہ میں ولایت کی تحریر
ہے۔ یہ پتہ نہ چل سکا کہ وہ خود آئی تھی یا اُس نے کسی اور کو بھیجا تھا۔ یہ رقعہ بھی میں
نے اُس کے دوسرے خطوط میں رکھ دیا۔ آدھی رات گئے میں صحن میں لیٹ گیا۔ ستارے
ایک دوسرے سے میرے خلاف سرگوشیاں کر رہے تھے یا شاید فلک مسکرا رہا تھا۔ صبح

میں نے راشٹ کے واقعہ کے متعلق اچھی طرح چھان بین کی۔ محلے کے بچوں تک کو پوچھا کہ یہ کام تمہارا تو نہیں؟ سب نے ہی بڑی سنجیدگی سے نفی میں جواب دیا۔ "یہ ولایت کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا" میرا یقین مستحکم ہو گیا۔

پھر ایسا ہوا کہ کسی نے ہمارے قصے کو اشتہار کے ذریعے پھیلا دیا۔ ہم ہیر رانجھے کی طرح مشہور ہو گئے۔ تیس ہزار کی آبادی میں کوئی بچہ کوئی بوڑھا ایسا نہ تھا جس کو پوری کہانی کا پتہ نہ ہو۔ میں واپس آگیا میرا سامان تب سے تاجر ہی کے پاس تھا۔ اب چونکہ یہ قضیہ بالکل ختم ہو چکا تھا اس لئے میں اپنا سامان واپس لے آیا میری داستان کافی طویل ہونے کے بعد بھی نامکمل تھی کیونکہ یہ سب حالات تو بعد میں پیدا ہوئے تھے۔ میں نے داستان کا باقی حصہ بھی لکھنا شروع کر دیا ابھی چند صفحات ہی لکھے تھے کہ اچانک چچا میرے قریب آ بیٹھے

"کیا لکھ رہے ہو؟"

"کچھ نہیں"

"دکھاؤ؟"

"پرائیویٹ ہے"

"پرائیویٹ ہے؟" انہوں نے مجھے دھڑا دھڑ پیٹنا شروع کر دیا

"نکالو! کہاں ہیں اس کے خطوط اور باقی کاغذات بھی"

"میرے پاس نہیں ہیں"

"نہیں ہیں" وہ پھر برس پڑے

میں نیم بسمل سا ہو گیا۔ "اسے پانی پلاؤ" پانی گرم تھا میں نے پینے سے انکار کر دیا۔ میرے
داڑھی والے چچا کہنے لگے "میں تو اسے ٹھنڈا پانی دینے کے لئے تیار نہیں"

"بتاؤ تمام کاغذات کہاں ہیں"

"تاجور میں ایک دوست کے گھر پڑے ہیں" میں نے بہانہ بنا دیا

"یہاں لکھو میرے تمام کاغذات حامل رقعہ ہذا کو دے دیں۔ اشد ضروری ہے"

والد صاحب بھی ان میں شامل ہو چکے تھے۔ وہ بولتے گئے میں لکھتا گیا۔ غلط پتہ بھی لکھ
دیا۔ پھر انہوں نے میری جامہ تلاشی لینے کے بعد الماری، سوٹ کیس وغیرہ کی بھی چھان بین کی
میرے تمام کاغذات کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ دھوبی کے دھلے ہوئے کپڑوں کی تہیں کھول کھول کر دیکھا اور
کپڑے فرش پر پھینک دیے۔ بالش کی ڈبیا اور ٹرنک کے کھول تک دیکھ لئے گئے
ناکامی ہوئی تو انہوں نے پھر پیٹنا شروع کر دیا۔ میری گھڑی اتار کر پرے پھینک دی
اور گھونسوں کی بجائے جوتے شروع ہو گئے۔ یہ اودھم دیکھ کر نیچے گلی میں ایک ہجوم اکٹھا
ہو گیا۔ یہ لوگ پہلے ہی سے کنڈیاں لگا آئے تھے۔ گھر کے دوسرے افراد بیاہ والے گھر گئے
ہوئے تھے۔ ایک چچی کی ابھی پرسوں ہی شادی ہوئی تھی۔ ہجوم شور مچاتا ہی رہ گیا اور یہ مجھے
اس سے پچھلے کمرے میں لے گئے۔ وہاں مجھے اٹھا اٹھا کر زمین پر پٹخا گیا، دیواروں سے سر
مارا گیا میں نیم بیہوش ہو گیا۔ وہ بھی تھک گئے۔ کچھ دیر سستانے کے لئے ٹھہر گئے اس دوران
میں پھر تلاشی لی۔ سوٹ کیس میں بچھے ہوئے اخبار اٹھائے تو نیچے سے ولایت کے تمام
خطوط اور نکاح نامہ نکل آیا۔ ڈھول پھر پیٹا گیا۔ یہ گھر آبادی میں تھا اس لئے وہ مجھے دوسرے

گھرے گئے جو شہر کے پرے سرے پر واقعہ تھا، جہاں آج سے دو دن پہلے شہنا نیاں بجی تھیں۔ بیاہ پرسوں بھی ہوا تھا آج بھی ہو رہا تھا۔ اُن کی خواہشیں مقدم تھیں۔ کسی کو کیا حق ہے کہ کوئی اپنی رائے کو افضل جانے۔ "ہم نے تجھے پیدا کیا ہے تم نے ہمیں نہیں جنا تمہیں کیا حق ہے کہ ایک قدم بھی ہماری مرضی کے خلاف اُٹھاؤ۔ یہ شریف آدمیوں کا گھر ہے سینما ہال نہیں ہے تم نے تو اسے فلمی گھر بنا دیا" چاروں نے پھر قیامت کا جوش دکھایا پر یہں تو لوہے کا بنا تھا اور اُن کے نازک ہاتھوں کو سخت تکلیف پہنچی تھی۔ والد چھڑی لیے باہر چلے گئے۔ عورتوں نے سب چھڑیاں چھپا دی تھیں صرف ایک چھڑی نظر پڑی پر وہ دادا جی کی تھی "یہ تو لوٹ جائے گی" والد کوئی اور چیز ڈھونڈنے لگے۔ کچھ دیر تلاش کے بعد ایک پون انچ موٹا لوہے کا سریا ہاتھ آگیا۔ سریا اندر سے خالی تھا، چچا کہتے ہی رہے یہ نہ ماریئے جسم پر نشان پڑ جائیں گے۔ کبھی ار ماریئے مگر وہ نہیں ٹلے جب اُسکے دو ٹکڑے ہوگئے سریا اندر سے خالی تھا کچا تھا اور میری پختگی میں کیسے شک ہو سکتا ہے۔ "ابھی اسے کچھ نہیں بنا یہ مکر کرتا ہے" ایک کے ہاتھ میں چھری تھی دوسرے کے ہاتھ میں چاقو تیسرا ٹوکا پکڑے ہوئے تھا "اسے کنوئیں میں لٹکا دو" "ٹھہرو پہلے اس کے بال کاٹو" میں خون میں لت پت تقریباً بیہوش پڑا تھا۔ کپڑوں میں سیروں مٹی گھس گئی تھی۔ ایک چچا اندر سے قینچی لے آئے "توبہ اتنے لمبے لمبے بال ختم ہی نہیں ہوتے" "یہ ترقی پسندی اس طرح نہیں ختم ہوگی حجام کو بلاؤ" حجام نے سوچا ہوا سر اُسترے سے مونڈھ دیا تھوڑے سے بال رہ گئے "بس یہ رہنے دو" حجام کا اُسترا رُک گیا۔ "دیکھا دو آنے میں قدامت پسند

بنا دیا" اُن کو ابھی تک مذاق سوجھ رہا تھا تشدد پھر جاری ہو گیا" میں اس کے ہاتھ کاٹ دُوں گا" ٹوکا ہاتھوں پر رکھ دیا گیا۔ میری آواز تک بند ہو گئی" نہیں کنوئیں میں لٹکاؤ" مکان کے اندر ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا اور اس میں ایک چھوٹا سا کنواں بھی تھا" اسے پولیس کے حوالے کر دو" دوسرے چچا نے آہستہ سے کہا ایسا نہ کرنا اگر اس نے تھانے میں صحیح واقعات بتا دیئے تو تم سب گرفتار ہو جاؤ گے۔ پولیس کی کرُمد بات کا لب لباب بجھ جائے گی" مجھے ایک مرتبہ پھر چاروں نے اُٹھا اُٹھا کر زمین پر پٹخا۔ میں بیہوش ہو گیا۔ کافی دیر بیہوش رہنے کے بعد جب ہوش آیا تو چھوٹے بڑے بچے اس عجیب و غریب جناتی آدمی کو دیکھ دیکھ حیرانی کی حالت میں لوٹ جاتے۔ میرا بہتا ہُوا خُون کپڑوں اور فرش پر جم کر سیاہ نشان چھوڑ گیا تھا یہ سیاہ دھبے میرے دل میں اُتر گئے۔ ان کی سیاہی نے ساری دُنیا کو سیاہ کر ڈالا۔

مَیں نے اس عجیب و غریب حالت میں بہت کچھ سوچا مگر یہ سب لمبے لمبے پروگرام تھے میرا جی چاہتا تھا اس داڑھی والے چچا کو دیکھتے ہی دیکھتے قتل کر دُوں۔ یُوں تو دوسرے افراد نے بھی کم نہ کی تھی مگر تحریک چلانے والا یہی ایک شخص تھا۔ میں نے آدھی رات کے وقت اُٹھنے کی کوشش بھی کی پر مجھ سے ہلا بھی نہ گیا۔ سارا جسم سُوجا ہوا تھا۔ اور درد ہڈیوں کے جوڑوں تک میں ہو رہا تھا۔ چچا کی چارپائی قریب ہی تھی اور وہ چھریاں ٹوکے بھی جو مجھ پر استعمال کرنے کی کوشش کی گئی تھی بہُت دُور نہ تھے۔ میں لیٹا بُری طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا مگر اُٹھنے کی سکت نہیں تھی" اچھا کل سہی کل تک

شاید اُٹھ سکوں۔ کل بھی نہ اُٹھ سکا۔ تین دن تک یہی حالت رہی پھر خیالات بدل گئے۔ میں کسی
اور طرح سوچنے لگا "اُسے قتل کرنا تو کوئی بڑی بات نہ تھی مجھے اپنی زندگی کی بھی پرواہ نہ تھی
زندگی بھی موت ہی تو تھی جب ایسے ہی کٹنی ہے فُٹ پاتھ کیا جیل کیا اور گھر کیا، سب ایک
ہی بات ہے" میں نے اپنے نفس کا پُوری طرح تجزیہ کیا "زندگی مجھے عزیز تو نہیں؟
میں قید سے تو نہیں گھبرا رہا؟" میں کسی چیز سے ڈر رہا تھا۔ مجھ میں صرف انسانیت آگھسی تھی
میں نے بارہا اُس کا گلا گھونٹا وہ بارہا جاگ اُٹھی۔ اس کے باوجود میں انسان نہیں درندہ
بننا چاہتا تھا ایسا درندہ کہ درندگی بھی دیکھ کر کانپ اُٹھے۔ کچھ اس قسم کی مخلوق کہ
جس کا ظلم دیکھ کر درندے بھی شرم محسوس کریں۔ تشدد نے مجھے یہی کچھ بننے پر آمادہ کیا
تھا میں چاہتا بھی یہی تھا لیکن چند لمحوں کے بعد پھر انسانیت میرے خیالات پر حاوی
ہو جاتی۔ میں سوچتا "اس بھابھی نے میرا کیا بگاڑا ہے ان معصوم بچوں کا اس میں کیا قصور ہے
ان کی بچی مجھے یاد کر کر رویا کرے گی۔ جانے دو کوئی بات نہیں غلطیاں ہو ہی جایا کرتی ہیں
ہمارے ملک میں سب ہی یوں کرتے ہیں۔ عقل اُن کے بس کا روگ نہیں۔ جتنا کسی کا دماغ
ہوا اتنا ہی اُس نے سوچا ہے نا؟ اُن کے خیال میں یہی بہترین اسکیم تھی اُنہوں نے آزما دیکھا
آج اگر اتنا پڑا ہے تو کیا ہوا کبھی یہی چچا مجھے سارے خاندان سے زیادہ پیار کیا کرتے'
میری جیب میں نوٹوں کے بنڈل ٹھونس دیا کرتے۔ انسان ہی تو ہے پھر میں سوچتا اگر یہ
بہت بڑی بات ہے کہ غلطی کے بعد بھی احساس نہ ہو" میں چاہتا تو سب کچھ ہو سکتا تھا میری
بربادی تو ہو ہی چکی تھی ان کی کرتے دیر نہ لگتی مگر انسانیت کا تقاضا یہ نہ تھا۔ تجربہ انسان

کو خود بخود صحیح راستہ دکھا دیتا ہے میں نے پھر اپنے آپ کو سمجھایا "تم خاموش رہو ان کی شفقت
کو نظر انداز نہ کرو" مگر شفقت کو نظر انداز نہ کرتے ہوئے بھی تشدد کا پلڑا بھاری رہا۔ ان
کی تمام مہربانیاں اور پیار ظلم کے آگے نہ ٹھہرتے تھے۔

بس دماغ میں دو ہی چیزیں بھری تھیں "ان کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دو" "نہیں انسانیت
سے کام لو" میں نے اس الجھن سے تنگ آ کر چھوٹے بھائی کے ہاتھ پیغام بھیج دیا کہ والد اور
بڑے چچا مجھے مل جائیں۔ میں نے چند ضروری باتیں کہنا ہیں۔ ان کے جانے کے بعد میں سوچنے
لگا "وہ آئیں گے تو میں ان سے کیا کہوں گا؟" کہوں گا کہ آپ کے تشدد نے مجھے درندگی کی جانب گھسیٹا
ہے اور میں انسان رہنے پر مجبور ہوں۔ میرا علم میرا دامن نہیں چھوڑتا۔ میں نے زندگی کو
بہت قریب سے دیکھا ہے میں زندگی کی قدریں پہچانتا ہوں اس گھر میں یہ گزرے ہوئے
لمحے مجھے بچھو کی طرح کاٹ رہے ہیں یہاں کی ایک ایک شے مجھے ڈس رہی ہے میں اپنی سوسائٹی
میں رہنا چاہتا ہوں جہاں میرے لئے عزت کی نگاہیں بچھ جاتی ہیں جہاں میری تعریف میں
شعروں کے پل باندھ دیئے جاتے ہیں۔ دیکھئے! مجھے غور سے دیکھئے!! بھلا کیا لگ رہا
ہوں؟ ایک چہرہ وہ بھی ننگا۔ انسان کی تین شکلیں ہوتی ہیں ایک تو پہلی تھی دوسری آپ کے
سامنے ہے اور تیسری یہ ہے" میں کپڑے اتار کر ننگا ان کے سامنے کھڑا ہو جاؤں گا "اب
پتہ ہے کیا ہوں؟ ایک ننگا انسان۔ ننگے انسان کی تعریف جانتے ہو؟ درندہ! ذلیل ترین
درندہ جسے نہ کسی بات کا خوف ہوتا ہے نہ پروا۔ اس صورت میں کیا نتیجہ نکلے گا؟ یہ صرف
وقت کے ٹھوکر درے ہاتھ ہی بتا سکتے ہیں۔ تینوں صورتیں آپ کے سامنے ہیں بولئے آپ مجھے

کیا بنانا چاہتے ہیں ؟ یہ تو آپ نے دیکھ ہی لیا ہوگا کہ نہ میں آپ سے ڈرتا ہوں نہ آپ
کے ظلم سے۔ اب آپ سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لیجئے۔

جب وہ آئے تو میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ جسم کے بعض حصے ابھی تک سوجے ہوئے تھے اس لئے
بیٹھتا بھی کہنی کے سہارے سے تھا بڑے چچا کا یہ حالت دیکھ کر دل پسیجا اور اس طور ہمدردی
ظاہر کی "ہم نے جو کچھ کیا تمہاری بہتری کے لئے کیا۔ ہمیں شوق تو نہیں تھا اپنے خون کو تکلیف
پہنچا کر کون خوش ہوتا ہے ؟" مگر اُن کی کسی بات کا بھی اثر مجھ پر نہ ہو رہا تھا کسی کو قتل کر کے
اس کو سارے جہان کا پیار بخش دیا جائے تو کیا نعش مسکرا دے گی ؟ پرندے کے پر کاٹ کر
مار مار زخمی کر دیا جائے تو کیا وہ چہچہا سکے گا ؟ میں رو رہا ہوں میرے زخم مسکرا رہے ہیں۔
آپ نے بہتری کی میری حالت اُلٹ ہو گئی۔ اس تشدد نے میرا ذہنی توازن بگاڑ دیا ہے"
داڑھی والے چچا بھی آدھمکے تھے۔ منڈھے ہوئے سر پر ہاتھ پھیر کر کہنے لگے۔ سب ترقی پسند
دس نمبر کے بدمعاش ہیں ان کی بہو کو ...... اسی طرح دو دو آنے میں قدامت پسند بنا
دوں گا۔ میں زہر خند ہنسی ہنس دیا "اس بچارے کو کیا پتہ ہے ترقی اور تخریب میں کیا فرق ہے ؟"
آج سے بیس سال پہلے ساتویں درجے سے فیل ہوا تھا پر اپنے آپ کو ایم اے سے کم نہ سمجھتا
تھا مجھے سخت غصہ آیا سلگتی آنتیں ہو گئیں ۔۔ جی چاہتا تھا اُٹھا کر بازار میں بیچ دوں۔
سر منڈھنے سے ترقی پسند کبھی قدامت پسند بنے ہیں ؟ ترقی پسند ترقی پسند ہی رہتا ہے جب
تک خون کا آخری قطرہ نہ بہہ جائے۔ انہیں پھر سوجھی "بھئی ادب پر احساس ہوتا ہے
دوسرے کو پڑ جائیں تو کوئی بات نہیں ادیب کو ایک جوتی بھی پڑ جائے تو چھ سات صفحے کی کتاب

لکھنا اُس کا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے کیوں میاں ؟" چچا جنس رہے تھے اور میں سوچ رہا تھا
ابھی ایک اور فتنہ نہ کھڑا ہو جائے " چھوڑ کتابوں وتابوں کو، تمہیں ان باتوں سے کیا۔ بڑا جی
چاہا تو ایک آدھ اچھی کتاب پڑھ لی۔ میاں ذرا ٹھیک ہو جاؤ تو میرے ساتھ چلو ٹھیکیداری کرو
روپیہ ہی روپیہ ہو جائے گا" جس کا مطمع نظر صرف روپیہ ہو اُسے کیا خیال کرنا چاہیئے ؟ مجھ
ایسے شخص کو جس نے پڑھنے اور لکھنے کے لئے زندگی وقف کر دی ہو اُس کے لئے یہ نشتر کتنے خوفناک
تھے ؟ مگر اس وقت میں سننے پر مجبور تھا۔ بڑے چچا پھر موضوع کی طرف پلٹے " یہ کہنا ہے آپ
کا تشدد مجھ پر ذرا بھی اثر نہیں کر سکا " " پھر خاطر کر دیتے ہیں اس میں کونسا مول لگتا ہے"
اُنھوں نے مونچھوں کو بل دیتے ہوئے کہا" وہ وقت گذر چکا ہے ایسے مواقع بار بار ہاتھ
نہیں آیا کرتے۔ آپ سمجھتے ہیں ہمیشہ خوشحالی کی لہکان ہی رہے گا ؟" یہ تو بڑی معمولی بات ہے
آج اگر آپ کا زور چل گیا تو کل میرا چل جائے گا۔ مجھ پر اگر چار بیک وقت چھریاں اٹھا کے
چلا سکتے ہیں تو میں ایک پہ سات سات آدمی چڑھا سکتا ہوں " " ہم تو چار بھائی تھے
تم کیسے لاؤ گے ؟" " میرے کئی چار ہیں " میرے سامنے تلخ باتیں نہ کرو والد جلال میں آگئے۔
ہم دونوں خاموش ہو گئے۔ پھر انہوں نے میرا خیال پوچھا تو میں نے صاف کہہ دیا میں ایسے
ماحول میں رہنے کے لئے قطعاً تیار نہیں ۔ اس کے بعد وہی بہتری کی گردان شروع ہو گئی
اور وہی طرح طرح کی شاطرانہ چالیں۔ مجھے یہ سب کچھ بے حد برا لگتا میں خود صاف گو ہوں اور
صاف گوئی ہی پسند کرتا ہوں۔ میں نے اس سارے معاملے میں صاف گوئی سے کام لیا تھا اگر
یہ بھی ایمانداری سے چلتے تو یقیناً کوئی بہتر صورت پیدا ہو جاتی۔ یہاں کے دلوں پر تو فریب

کا خول تھا۔ انہوں نے میری بھی ہر بات طمع چڑھی سمجھی اب میں کہیں جانے لگتا تو اُن کے رنگ زرد ہو جاتے۔ چہروں پر ہوائیاں اُڑنے لگتیں۔ اُن کی سرگوشیاں میری سمجھ میں آ جاتیں "یہ ہمیں قید کرا دے گا"۔ "ہو سکتا ہے یہی تشدد ہم پر بھی برتا جائے اور اگر اس نے اخبارات کو بیان دے دیا تو پھر؟" اُن کے پاؤں تلے سے زمین نکل جاتی۔ آنے والے وقت کے تصور ہی سے لرزنے لگتے۔ اسی لئے انہوں نے مجھے قید کر دیا۔

پھر اس پر بھی اکتفا نہ کیا ایک اور قیامت کھڑی کر دی "سب میں بیٹھا کرو قہقہے لگایا کرو مسکرایا کرو" ہونہہ۔ میں دانت پیستا رہ جاتا۔ میری مسکراہٹیں تو تم نے نوچ لیں میرے قہقہے تم نے چرا لئے، میری گویائی تو تم نے چھین لی ظالمو اب میں کہاں سے قہقہے لاؤں؟ اُن کے اس بیجا رویے سے میں اُن کو مٹا دینے پر آمادہ ہو جاتا جی چاہتا اُن کی ہڈیاں توڑ ڈالوں۔ اُن کو بھی ہر چیز کا محتاج کر دوں، پر وہی پرانا قصہ تھا" اس طرح میرے نقصان کا ازالہ تو نہ ہوگا۔ ان کو معذور کر کے میں خوش تو نہ رہ سکوں گا؟ خوشی تو پھر بھی میسر نہ آئے گی۔ میرا نقصان ہوا تو مجھے ہی اسکی زد میں آنا پڑا۔ ان کو برباد کیا تو یہ بھی میری ہی بربادی ہوگی۔ دعویٰ کہ دنیا جیت گیا تو اُن کا غم، ہو گا ہار گیا تو اپنی بربادی پر رو دوں گا۔ جب ہر صورت اپنی ہی بربادی ہے تو اُن کو لاچار کرنے سے حاصل؟ "سب کچھ حاصل ہو گا۔ مجھے برباد کر کے بہاریں لوٹنے کا ان کو کیا حق ہے"؟ خیالات پھر باغی ہو جاتے۔ میں نے سوچا ایسا نہ ہو کہ کسی وقت اپنے پر کنٹرول نہ کر سکوں اور تشدد کی قیمت وصول کر لوں بہتر ہے کہ یہاں سے بھاگ نکلوں۔ میں آدھی رات گئے اُٹھا تن کے کپڑے بھی

اُتار دے۔ جب انسانیت کے چیتھڑے تک اُتار پھینکے جائیں تو پھر اس ڈھنچر کو ڈھانپنے
کی کونسی ضرورت ہے۔ میں نے دہلیز پر کھڑے ہو کر ایک نظر مُڑ کر دیکھا سب سوئے ہوئے
تھے صرف ستارے چمک رہے تھے میری آنکھوں سے دو ستارے گر کر مٹی میں جذب ہو گئے۔

ایک زمانہ تھا میں ولائیت کو چاہتا تھا۔ آج اُس کی یاد دل سے محبت کرتا ہوں۔ میری
محبت شبنم کی طرح پاک تھی ولائیت نے اُسے آلودہ کر دیا۔ میں نے اس بوٹے کو جگر کے لہو سے
سینچا۔ زمانے کے سخت ہاتھوں نے اُسے اکھاڑ پھینکا۔ ولائیت مجھ سے بچھڑ چکی ہو گی میں اُسے
پہلے سے بھی زیادہ یاد کرتا ہوں کبھی درد سے چلا اُٹھتا ہوں کبھی ہنسنے لگتا ہوں وہ بارہا
مجھے یاد آتی ہے میں بارہا آنسو بہاتا ہوں۔ میرے آنسو اُس کی یادوں کو تازگی بخشتے ہیں
میں اسے ہمیشہ سر سبز رکھوں گا۔

مجھے شہد کے اسی پودے کی خاطر میں نے فرار حاصل کی تھی۔ والدین ظلم کرنے پر اُتر آئے ہوئے
تھے وہ میری شادی کہیں اور کرنا چاہتے تھے "شاید اس طرح یہ ولایت کو بھول جائے"
ایک انسان کو برباد کر کے خوشیوں کی سیج پر لٹانا کہاں کی انسانیت ہے؟ ولائیت کی زندگی
اس لئے برباد ہوئی کہ اُس نے مجھ سے محبت کی۔ اس کی بربادی ہمیشہ کی بربادی تھی اس
لئے کہ وہ لڑکی تھی اس کا نام کبھی معاف نہ ہو سکتا تھا اس لئے کہ وہ لڑکی تھی اور میرا گناہ
چٹکیوں میں نظرانداز کیا جا سکتا تھا اس لئے کہ میں مرد تھا۔ مگر میرے نزدیک ولائیت لڑکی
تھی کھلونا نہیں تھی۔ اور یہ ایک اَور کھلونا لانا چاہتے تھے۔ ہُوں! بیوقوف لوگ!! مجھے
کھلونے توڑنے نہیں آتے میں انہیں سینے سے لگانے کا دلدادہ ہوں اور سینے سے لگانے کے لئے

مَیں نے ایک ہی کھلونا پسند کیا تھا زمانے کے بے درد ہاتھوں نے وہ بھی چھین لیا۔
کسی دوسرے سے شادی کر کے میں ظلم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مجھے ظلم کرنا آتا ہی نہیں۔ مجھے ظلم کرنا نہ آتا
ہوگا، ظلم کا جواب دینا ضرور آتا تھا۔ مظلوم میں ہوں اور ظالم ولائیت تھی۔ مگر اس سے پہلے کہ
میں کوئی اس ظلم کا جواب سوچوں اپنی تسلی کر لینا چاہتا تھا جب تک کسی معاملے کا پوری طرح
پتہ نہ چلے سزا تجویز کرنا گناہ عظیم ہے۔ "ولائیت ظالم ہے" میرے جذبات بھڑک اٹھتے۔ "کیسے؟"
اس کا میرے پاس کوئی معقول جواب نہیں تھا۔ ولائیت ایک طرف تو محبت کرتی ہے۔ دوسری
طرف نفرت ابھرتی ہے۔ ایک دن نکاح نامے پر دستخط کرتی ہے دوسرے دن حلف اٹھا کر
منکر ہو جاتی ہے۔ ایک طرف بھاگ جانے کو کہتی ہے دوسری طرف رجسٹری واپس آ جاتی ہے
ایک طرف تقدیر کو گالیاں دیتی ہے دوسری طرف میادی بخار تھا غائب ہو جاتی ہے ایسی
ہی بے شمار باتیں تھیں جن سے کوئی اٹل نتیجہ اخذ کرنا ناممکن تھا۔ ولائیت بدکردار تھی یا
مجبور تھی؟ میرے پاس چارپائی پر بیٹھ کر ولائیت نے خود کہا تھا وہ اس کی آنا ذس میں
بیٹھی ماں کا عکس تھا؟ مجھے کچھ سمجھ نہ آتا مگر میں منزل کی طرف بڑھتا جاتا۔ اور منزل کا کوئی
نشان نہ پا کر کبھی کبھی یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ مَیں ایسا مسافر ہوں جس کی نہ کوئی منزل ہے نہ
منزل کا نشان ہے۔ ایسا سفینہ ہوں جس کے پتوار سمندر نے چھین لئے ہوں۔ سب کچھ
تھی اور میں تھا۔ چلچلاتی ننگی دھوپ میں حدِ نظر تک پھیلی ہوئی ننگی سڑک تھی اور میں تھا
کیا ولائیت بھی اسی راہ کی مسافر ہے؟ مَیں سوچ سوچ کر تھک جاتا
سوچتا اور بار بار سوچتا۔ اسی سوچ کی وجہ سے میرے ہونٹوں پر اس کی پیپڑیاں جم گئیں

تھیں متجسس آنکھیں اور بے چین رنجیدہ دل سوچ سوچ کر تھک گیا تھا، اور پھر سوچ رہا تھا "یہ خاموشی ضرور کسی بہت بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہے اس کے آہنی چنگل سے بچنا محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے" میں پھر بھی بھاگے جا رہا ہوں۔ اِک اُمید کے ساتھ، جانے یہ امیدیں کب ختم ہوں گی؟ جانے زندگی کی یہ دوڑ کب ختم ہوگی۔ جانے یہ ڈوبوں اُچھلوں کب ختم ہوگا؟ جانے چلچلاتی دُھوپ میں دُھند تک پھیلی ہوئی یہ تنگی سڑک کب ختم ہوگی؟

تمت

- رقاصہ گھوم رہی ہے
- نغمے رقص کر رہے ہیں
- حاضرین جھوم رہے ہیں

اور

- ہندوستان تڑپ رہا ہے ۔۔۔۔۔،

افسوس

- رقص بند ہو جاتا ہے
- مرتعش فضا پر سکوت چھا جاتا ہے
- ہر شے گردش کرتے کرتے تھم جاتی ہے

اور

- مغل عظمت ڈوبتے ڈوبتے سسکنے لگتی ہے

# محمد شاہ رنگیلا

محمد شاہ رنگیلا کی حزنیہ داستان

تاریخی ناولوں میں ایک قابل قدر اضافہ

مصنف :- قمر قریشی

قیمت :- ۴/۸/- روپے
علاوہ محصول ڈاک

دیپک پبلشرز جالندھر شہر

# نیا دور —— ادب —— نئی پیشکش

## ناول ہی ناول

| | | |
|---|---|---|
| بغیر عنوان کے | منٹو | ۳/-/- |
| بدنام راہیں | قمر قریشی | ۲/۴/- |
| چاندنی اور کلیاں | اے حمید | ۳/-/- |
| ڈیڈی | ٹھاکر پونچھی | ۲/-/- |
| چوٹ (دوم) | دت بھارتی | ۳/۸/- |
| تڑپ | " | ۳/-/- |
| تھکن | " | ۲/۸/- |
| سہارا | " | ۲/-/- |
| قاتل | اظہار اثر | ۲/-/- |
| بازار حسن | منشی پریم چند | ۲/۸/- |
| اغوا | کوثر چاند پوری | ۳/-/- |
| بقراط | شوکت تھانوی | ۲/۸/- |
| چاندنی | رئیس احمد جعفری | ۲/۲/- |

## افسانے ہی افسانے

| | | |
|---|---|---|
| شکاری عورتیں | منٹو | ۲/-/- |
| برقعے | " | ۲/۴/- |
| شیطان | " | ۳/۸/- |
| لاؤڈ سپیکر | " | ۲/۸/- |
| سرکنڈوں کے پیچھے | " | ۳/-/- |
| یزید | " | ۲/۸/- |
| سب رنگ | " | ۳/۸/- |
| زندگی کے جائزے | اے سعید | ۲/۸/- |
| میخانے | ماہر القادری | ۲/۸/- |
| بے غیرت | احسان علی شاہ | ۲/۸/- |
| پیاسی آنکھیں | دت بھارتی | ۲/۸/- |
| گناہ کے دیوتے | " | ۲/-/- |
| گھونگھٹ میں گوری جلے | کرشن چندر | ۲/-/- |

محصول ڈاک کا خرچ بذمہ خریدار ہوگا

# دیپک پبلشرز۔ جالندھر شہر

# دیپک پبلشرز

## جالندھر شہر

### بک ڈپو

دیپک پبلشرز کے شوروم میں اچھے مذاق کی تمام نئی اور اہم کتابوں کا ذخیرہ ہر وقت موجود رہتا ہے۔ آپ نہایت آسانی سے ایک ہی وقت میں، ایک ہی جگہ سے، اپنے لئے زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر کتب چن سکتے ہیں۔ اپنے احکام کی تعمیل میں آپ اس شعبے کو ہمیشہ مستعد پائینگے۔

### وی۔ پی۔ پی

آپ ڈاک کے ذریعے کتابوں کے چھوٹے بڑے آرڈر بھیج سکتے ہیں۔ دیپک پبلشرز سے آپکی فرمائش پر اردو کی ہر کتاب مہیا ہو سکتی ہے۔ آپ بھروسہ رکھیں کہ آپکے آرڈر کی تعمیل میں تاخیر نہیں کی جائیگی، کتابیں صاف ستھری بھیجی جائینگی، قیمت درست ہوگی اور کتابوں کی تعداد پوری — اگر آپکو کوئی شکایت پیدا ہو تو آپ وی۔ پی۔ پی وصول کر لیں، شکایات خط و کتابت سے رفع ہو سکتی ہیں۔

**تھوک فروشی** دیپک پبلشرز کو فخر ہے کہ وہ تاجران کتب کو ایک ہی مقام سے اردو کی سب کتابیں، زیادہ سے زیادہ کمیشن پر مہیا کرتا ہے آپ دیپک پبلشرز سے کاروباری تعلقات قائم کیجئے۔ آپکو یقیناً سہولت اور فائدہ رہیگا۔